دوستو۔ سنہ ۱۹۲۶ عیسوی رخصت ہوا اور سنہ ۱۹۲۷ عیسوی آگیا۔ یا یوں کہیے کہ زمانہ کی کتاب کا ایک ورق اور اُلٹ گیا اور ہمین خبر بھی نہ ہونے پائی۔ اور ہوتی بھی تو کیا کر لیتے کیونکہ یہ ہمارے اختیار مین نہین کہ اُسے نہ اُلٹنے دین۔ اب دوسرا ورق جو ہمارے پیش نظر ہے وہ سنہ ۱۹۲۷ عیسوی ہے جنتریون مین طرح طرح کی پیشین گوئیان لکھی ہوئی ہین کہ اس ملک مین یہ ہوگا۔ اور فلان ملک مین یہ۔ مگر قطعی طور پر کوئی نہین بتا سکتا کہ یہ سال ہمارے اور ساری دنیا کے ساتھ کیسا برتاؤ کرے گا۔

ہر شخص کو سب سے پہلے خود اپنی اور اپنی قوم کی فکر ہوتی ہے۔ لہذا ہم بھی سب سے پہلے یہ دیکھتے ہین کہ سنہ ۱۹۲۶ء نے ہمارے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ حضرات اگر آپ برا نہ مانین تو ہم یہی کہین گے کہ سنہ ۱۹۲۶ء ہمارے اور ہمارے دلگداز کے لیے بدترین سال رہا۔ اس نے ہمین ایسا سخت اور جگر خراش صدمہ پہونچایا ہے جو ساری عمر نہ بھولے گا۔ اور ہمارا دلگداز بھی اسے کبھی نہین بھول سکتا۔ والد صاحب قبلہ مولانا عبدالحلیم صاحب مرحوم کی وفات ایک ایسا قومی نقصان ہے جسے ہم کبھی نہین بھول سکتے۔ آپ ادبی دنیا مین ہمیشہ عزت و احترام کے ساتھ یاد کیے جائین گے۔ اور جس قدر زمانہ گذرتا جائے گا اُسی قدر آپ کی عزت بڑھتی رہے گی۔ مرحوم عجیب صفات کے بزرگ تھے۔ آپ نے مسلسل چالیس سال سے زیادہ ملک کی ادبی خدمت کی۔ اور آخر

وقت تک اُسی مین مصروف رہے۔ آٹھ دس مہینے قبل آپ کو ایک دماغی شکایت پیدا ہوئی اور ڈاکٹرون اور طبیبون نے متفقہ طور پر یہ راے دی کہ اب آپ دماغی کام چھوڑ دین۔ آپ کے وہ الفاظ مین کبھی نہ بھولون گا جو آپ نے اس اثنا مین مجھے تحریر فرمائے کہ "حکیم اور ڈاکٹر یہ تجویز کرتے ہین کہ اب مین دماغی کام چھوڑ دون۔ مگر تم ہی بتاؤ کہ لکھنا پڑھنا چھوڑ دون تو پھر کیا کرون۔ میرے لیے اس کے چھوڑ دینے سے مرجانا بدرجہا زیادہ آسان ہے" یہ ادبی خدمت آپ کی ذات کے ساتھ لازم و ملزوم ہو گئی تھی۔ مگر افسوس! آن قدح بشکست وآن ساقی نماند!

مرحوم کا سب سے بڑا ادبی کارنامہ یہ دلگداز ہے جس نے اپنے گذشتہ چالیس سال کے دور مین اتنا بڑا اور ایسا بہترین لٹریچر پیدا کر دیا جس پر زبان اردو ہمیشہ ناز کرتی رہے گی۔ دلگداز کی پیروی مین ملک مین بہت سے رسالے نکلے اور پھلے پھولے۔ اور اب بھی نہایت آب و تاب کے ساتھ نکل رہے ہین۔ مگر یہ دلگداز ہی کی برکت ہے جس نے ملک کو اس طرف متوجہ کیا۔ اور اب تو یہ دیکھ کے ہمین بہت خوشی ہوتی ہے کہ کوئی مہینہ نہین جاتا جس مین اردو کے تین چار نئے رسالے اس ملک مین نکلنے نہ شروع ہوتے ہون۔ مگر کاش اُن مین استقلال بھی ہوتا۔

اس کے سوا مولنا مرحوم کی بیشمار تاریخین اور سوانح عمریان بھی اردو لٹریچر مین بڑا پایہ رکھتی ہین۔ ناول نویسی کا فن اردو مین آپ ہی کی ذات سے شروع ہوا اور آپ ہی نے اُسے پایۂ تکمیل کو پہونچایا۔ تاریخ کو جس آسان اور دلچسپ طریقے پر آپ نے زبان اردو مین رواج دیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچہ بچہ مین تاریخی ذوق و شوق پیدا ہو گیا۔ فردوس برین مین علی وجودی" اور فلورا فلورنڈا مین "بولاجیس" کے کیرکٹر ایسی زندہ اور جیتی جاگتی تصویرین ہین جو ہمین کبھی نہین بھول سکتین اور جب تک زبان اردو رائج ہے کبھی نہ مٹ سکین گی۔

غرض ۱۹۲۶ء ہمارے لیے ایک ایسا منحوس سال گزرا۔ اور اس نے ہمین ایسا سخت نقصان پہونچایا ہے جس کی تلافی کسی صورت مین نہین ہو سکتی۔ ۱۹۲۶ء سے پہلے اکثر ایسا ہوتا رہا کہ دلگداز دیر سے شائع ہوا اور دو دو تین تین مہینون کے

رسالے ایک ساتھ شائع کر دیے گئے۔ مگر اس سال دلگداز برابر بوقت معینہ پڑی پابندی کے ساتھ نکلتا رہا۔

ہم نے تو آپ بیتی سنا دی اب حضرات آپ بتائیے کہ آپ کے ساتھ ۱۹۲۶ء کا سلوک کیسا رہا؟ اور آپ نے گزشتہ سال بھر مین کیا کیا؟ بہت کم لوگ ایسے ہون گے جو خوش ہو کے یہ بتا سکین کہ ہم نے یہ کامیابی حاصل کی مگر زیادہ تر لوگ سر نیچا کر کے یہی جواب دین گے کہ کچھ نہین!

اب یہ نیا سال ۱۹۲۷ء ہمارے سامنے ہے۔ ہمین چاہیے کہ وقت کی قدر کر کے کارخانۂ قدرت مین کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرین۔ اور اس کے ایک ایک لمحے کو اُسی حد تک کارآمد بنائین جس حد تک ۱۹۲۶ء کو ہم نے بیکار ضائع کر دیا ہے۔

حسن کی کرشمہ سازیان

جُوانا ملکۂ نیپلز

یہ تو اکثر دیکھا گیا ہے کہ عورتون نے بڑے بڑے حکمرانون اور شہنشاہون کے دلون کو مسخر کر لیا اور اُن کے ذریعے سے قومون اور سلطنتون پر حکومت کی۔ مگر اس وقت ہم اپنے ناظرین کو یہ دکھانا چاہتے ہین کہ اُنھون نے دین مسیحی کے سب سے بڑے مقتدا پوپون پر قبضہ حاصل کر کے کس طرح مذہب عیسوی پر بھی حکمرانی کی ہے۔ کئی پوپ محض عورتون کے اثر سے اس مرتبہ تک پہونچ سکے۔ اور انھین کے ذریعہ سے مسیحی دنیا پر حکومت کرتے رہے یا یہ کہا جائے کہ دراصل ان عورتون نے حکومت کی۔ انھین مین ایک جُوانا ملکۂ نیپلز بھی ہے۔

یہ وہ زمانہ ہے جب کلیمنٹ ششم پوپ تھا اور قدیم مقدس شہر روما کو چھوڑ کے پوپون نے فرانسیسی سرزمین کے شہر "اے وگ نن" کو نیا مرکز پاپائی قرار دیا تھا۔ اگر پوپون کی تاریخ الگ کر کے لکھی جائے تو یہ صاف نظر آجائے گا کہ جُوانا ملکۂ نیپلز نے اُس تاریخ مین کیسا نمایان حصہ لیا ہے۔ اصل مین اسی کی وجہ سے پاپائی اقتدار کو فرانس مین عروج حاصل ہوا۔ اور دو تین پوپون کے زمانے مین وہی دین عیسوی پر حکومت کرتی رہی۔

اُس زمانے کے مورخین کا بیان ہو کہ جوانا بڑی حسین ملکہ تھی اور ۱۳۴۳ء میں جبکہ اسکی عمر صرف سولہ سال کی تھی نیپلز کے تاج و تخت کی مالک ہوئی۔ والدین کا اُسکی کم عمری مین انتقال ہو چکا تھا۔ اور اُسکی شادی لوئی شاہ ہنگری کے بھائی شہزادہ انڈرو کے ساتھ ہو گئی تھی۔ بدقسمتی سے یہ شوہر ملکہ کو پسند نہ آیا۔ چند ہی روز مین اُس سے نفرت ہو گئی۔ اور دونون کے دلون مین ایک دوسرے کی طرف سے حسد و رقابت کے جذبات پیدا ہو گئے۔

نیپلز کا یہ زمانہ بڑی بے چینی اور بدامنی کا تھا۔ ہر شخص یہ کہتا تھا کہ کوئی انقلاب ہونے والا ہے۔ مشہور مورخ پٹرارک اسی زمانہ مین نیپلز آیا۔ وہ لکھتا ہے "آہ! نیپلز کی حالت کیسی افسوسناک ہے! جس نے اس شہر کو پہلے کبھی دیکھا اگر آج آکے دیکھے تو ہرگز نہ پہچانے کہ یہ وہی خوبصورت شہر ہے۔ دینداری۔ سچائی۔ اور مروت کسی مین نہین باقی رہی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگ آباد ہین جو ایک دوسرے کو قتل کرنے کے سوا اور کوئی مشغلہ نہین رکھتے۔ ایک ذلیل اور ادنیٰ درجے کا پادری حکومت کر رہا ہے۔ وہ بظاہر ایک میلا چوغہ پہنے ننگے سر اور ننگے پیر پھرا کرتا ہے مگر اصل مین اُس نے جور و ستم سے بیشمار دولت پیدا کر لی ہے۔ اس کے گھر مین جا کے دیکھیے تو وہ عیش و عشرت اور حرام کاری کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ یہ پادری جس کا نام رابرٹ ہے یہان کا مختار کل ہے اور ظلم و تعدی مین شاید ہی کوئی اس سے بڑھا ہو۔ یہ شیطان غریبون کو لوٹا اور تنگ کرتا ہے۔ امیرون کو ستاتا اور ذلیل کرتا ہے انصاف اس کے نزدیک کوئی چیز نہین۔ جو اسکی مرضی ہو وہی انصاف ہے۔ ملکہ جوانا اور شہزادہ انڈرو دونون اس سے ڈرتے ہین۔ سارے شہر مین ایک خوفناک خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ گھرون کے اندر بھی لوگ سرگوشیان کرتے ڈرتے ہین۔ کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی اس کے خلاف سنا گیا اور اُسے بڑی سخت سزا دی جاتی ہے۔ کوئی شخص اپنے دلی جذبات کا اظہار نہین کر سکتا!"

ملکہ جوانا کے دل مین اپنے شوہر کیطرف سے نفرت روز بروز بڑھتی گئی اُسے اپنے ایک عزیز لوئی ٹارنٹو سے محبت پیدا ہو گئی۔ ملکہ کا میلان اس کی طرف دیکھ کے ٹارنٹو کے دوستون نے یہ ارادہ کیا کہ شہزادہ انڈرو اور

پادری رابرٹ دونون کا خاتمہ کردین تاکہ ملکہ اور اس کا دوست ٹازتو آزادی سے عیش وعشرت کی زندگی بسر کرسکین۔ اس زمانے کے شاہی دربارون مین اس طرح کا قتل کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اُن مین یہ امر طے پاچکا تھا کہ شہزادہ آنڈر قتل کردیا جائے مگر اس پر غور ہورہا تھا کہ کس طریقے سے اس کا خاتمہ ہو۔

نیپلز کا ایک مورخ لکھتا ہے کہ ایک شام کو سب درباری موجود تھے۔ ملکہ ایک جگہ بیٹھی چاندی سونے کے تارون کا ایک تسمہ بن رہی تھی۔ اس کا شوہر کمرے مین ٹہل رہا تھا۔ ایک دفعہ قریب سے گذرا تو اُس نے پوچھا آپ یہ کیا بنا رہی ہین۔ جوانا ایک لمحہ بھر خاموش رہی۔ پھر اس نے نظر اُٹھا کے معنی خیز تبسم کے ساتھ آنڈرو کی صورت دیکھی۔ اور جواب دیا "جناب یہ تسمہ ہے اور آپ کا گلا گھونٹنے کے لیے بنا جاتا ہے"۔

گرمیون کے زمانے مین بادشاہ اور اہل دربار نیپلز سے باہر دیہات کی کھلی ہوا کا لطف اُٹھانے چلے جایا کرتے تھے۔ ۱۳۴۵ء کے موسم گرما مین بھی ملکہ جوانا شہزادہ آنڈرو اور درباری امرا مقام "اے ورسا" مین آگئے تھے۔ یہ ایک نہایت ہی خوشگوار علاقہ تھا۔ ایک رات کو سب اپنے اپنے بسترون پر سو چکے تھے۔ آدھی رات گزر گئی۔ تب ملکہ کی ایک خادمہ اس شاہی آرام گاہ مین آئی۔ اور شاہزادہ آنڈرو کو جگا کے یہ خبر دی کہ پادری رابرٹ کے پاس سے ایک قاصد آیا ہے اور کسی اہم مسئلہ مین آپ سے فوری گفتگو کرنا چاہتا ہے شہزادہ جسے کسی سازش یا دغابازی کا وہم وگمان بھی نہ تھا فوراً اُٹھ بیٹھا اور چلا کہ اُس قاصد سے ملے۔ مگر وہ اس کمرے سے نکل کے دوسرے کمرے مین آیا تھا کہ سب طرف کے دروازے بند کرلیے گئے۔ اور چند لوگون نے شہزادہ کو پکڑ کے اُس کے ہاتھ پاؤن باندھ دیے۔ مونھہ مین کپڑا ٹھونس دیا پھر اُسے گھسیٹ کے برآمدے پر لے آئے۔ اور گلے مین پھانسی ڈال کے نیچے لٹکا دیا۔ ان سازش کرنے والے قاتلون مین سے بعض فوراً نیچے اُتر گئے اور اُس کے پیر پکڑ کے زور سے کھینچ لیے تاکہ اس کا کام جلد تمام ہو جائے۔ شہزادہ آنڈرو کی کھلائی جو برآمدے کے نیچے سو رہی تھی شور وغل کی آواز سن کے

جاگ پڑی یہ دیکھ کے اُس نے غل مچایا۔ مگر اس اثنا مین قاتل اپنا کام کر چکے تھے اور بھاگ گئے۔ اس کھلائی کا بیان تھا کہ جوانا بھی اس قتل مین شریک تھی۔ اس ملکہ مین شہوت پرستی کے جذبات اس حد تک پہونچ گئے تھے کہ اس کے درباریون مین شاید ہی کوئی ایسا بدنصیب ہو جس نے جوانا کے حسن و جمال کے مزے نہ لوٹے ہون۔ اور اس مین کوئی شبہ نہین کہ شہزادہ انڈرو کے قتل مین اگر وہ خود شریک نہین تو کم از کم اِس سازش سے ضرور واقف تھی۔ بعض لوگون کا بیان تھا کہ خود ملکہ کے حکم سے یہ جرم سرزد ہوا۔ ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ یہ کہان تک صحیح ہے لیکن اگر جوانا اپنے شوہر کے قتل کی ذمہ دار یا کم از کم اس سازش سے واقف تھی تو تاریخ مین صرف ایک اسی ملکہ کا نام ایسا نہ ملے گا جس نے اپنے حسن پرست دوستون کی مدد سے ایک سیدھے سادے شوہر کا خاتمہ کرا دیا ہو۔ جرائم کی تاریخ مین یہ کوئی انوکھا واقعہ نہین کہ عورت نے اپنے بے شمار عاشقون کو خوش کرنے کے لیے شوہر کو قتل کرا دیا ہو لہذا جوانا کا اس قتل مین شریک ہونا خلاف قیاس یا غیر ممکن نہین کہا جا سکتا۔

بعض لوگ یہان تک کہتے تھے کہ جوانا کے دوستون نے شہزادہ انڈرو کے ہاتھ پانون باندھ کے بے دست و پا کر دیا۔ اور ملکہ نے خود اپنے ہاتھ سے شہزادہ کے گلے مین اُسی تسمہ سے پھانسی لگائی جو خود اس نے بن کے تیار کیا تھا۔

غرض دوسرے دن صبح کو شہر نیپلز مین یہ مشہور ہوا کہ بعض نامعلوم قاتلون نے شہزادۂ انڈرو کا کام تمام کر دیا۔ مگر کسی مین اتنی جرأت نہ تھی کہ اس افسوس ناک واقعہ کے تفصیلی حالات کا پتہ لگاتا۔

یہ بالکل غیر ممکن ہے کہ جوانا ایک ایسی سازش سے بے خبر رہی ہو جو خود اُس کے کمرے کے دروازے پہ عمل مین لائی جائے۔ اور جس مین اس کے عاشق مزاج دوست بھی شریک ہون۔ کیا یہ قرین قیاس ہے کہ اُنھین بغیر ملکہ کی مرضی کے اتنے بڑے کام کی جرأت ہو سکتی تھی؟

اب یہ خبر سارے ملک مین مشہور ہوئی۔ پوپ کلیمنٹ ششم

نے اس قتل کا الزام جوانا پر صاف الفاظ مین تو نہین لگایا۔ مگر ہان شبہہ ضرور کیا
اور یہ شبہات بعد کے واقعات سے زیادہ قوی ہو گئے۔ کیونکہ ملکہ نے اپنے شوہر کے
مارڈالے جانے پر کسی قسم کا سوگ نہین منایا اور جن لوگون پر قتل کا شبہہ کیا جاتا تھا
اُن کی طرفداری کرنے لگی۔ ہر شخص بخوبی جانتا اور سمجھتا تھا کہ شہزادہ انڈرو کے قتل کی
ذمہ دار خود ملکہ جوانا ہے۔

قاصدون کے ذریعہ جوانا نے شاہ ہنگری اور پوپ کلیمنٹ ششم کو اس
افسوس ناک واقعہ کی اطلاع دی اور مقتول شہزادے کے بھائی لوئی شاہ ہنگری
کو ملکہ نے یہ بھی لکھا کہ اب آپ ہی میرے محافظ و معاون ہین۔

پوپ نے یہ خبر سنتے ہی ایک کارڈنل فلپ کو نیپلز بھیجا۔ اُسے حکم
دیا کہ وہان جا کے اس کی تحقیقات کرو۔ اور قاتلون کو پوری سزا دو۔ مگر ساتھ ہی یہ
بھی چپکے سے سمجھا دیا کہ اگر الزام خود ملکہ جوانا پر ثابت ہوتا ہو تو شہادت کو مخفی
رکھا جائے۔ اس کارڈنل نے نیپلز مین آ کے تحقیقات شروع کی مگر وہ کسی نتیجہ تک نہین
پہونچنے پایا تھا کہ شاہ ہنگری نے انتقام کی آواز بلند کی۔ اور پوپ سے مطالبہ کیا کہ مجرم
ملکہ کو سزا دی جائے۔ پوپ نے شہزادہ انڈرو کے قاتلون کو (بغیر کسی کا نام لیے)
بد دعائین دین اور انھین دینی حقوق سے محروم کر دیا۔ مگر لوئی کے انتقام کی آگ
اور اس سے زیادہ اس کے اولوالعزمی کے جذبات کو ان باتون سے تسکین نہ ہوئی۔
پہلے سے اُس کی دلی آرزو تھی کہ کسی طرح خوبصورت شہر نیپلز اور اس کے سرسبز و
شاداب علاقے کو اپنے ملک مین شامل کرے۔ اب ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ اور خاص نیپلز
مین اُس کے بہت سے طرفدار بھی موجود تھے۔

اس اثنا مین جوانا کو یہ نظر آیا کہ اب مین بے یار و مددگار ہون سب
لوگ بدظن ہو کے ساتھ چھوڑتے جاتے ہین اور سلطنت کی حالت روز بروز
زیادہ خراب ہوتی جاتی ہے۔ لہذا کسی مرد کے قوی بازو کو اپنا معاون بنانا ضروری
ہے۔ اِن خیالات کا اظہار کر کے اس نے اپنے عاشق و دوست لوئی طارنٹو سے عقد
کر لیا۔ جو اس کا عزیز بھی تھا۔ اصل یہ ہے کہ انڈرو کے قتل ہونے سے پہلے ہی وہ
اس کے ساتھ عقد کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اب نیپلز کے زیادہ تر لوگ جوانا کی

خلاف ہو گئے۔ اور اُسے مدد کی ضرورت تھی مگر تو لی ٹارنٹو باوجود اپنی دانائی و شجاعت کے ملکہ کو آنے والے طوفان سے نہ بچا سکا۔

لوئی شاہ ہنگری ایک بہت بڑی فوج مرتب کر کے جرمنی کے درمیانی علاقے سے نکلا۔ اُس نے ایک جھنڈا بلند کیا جس پر مقتول شہزادہ اندرو کی تصویر بنی تھی۔ اُس نے جوانا کے ملک پر حملہ کیا اور بغیر کسی مزاحمت کے نیپلز کے پھاٹک تک آ پہونچا۔ جوانا نے یہ مصیبت دیکھی تو ارادہ کر لیا کہ آے وگ نن مین جا کے اپنے معاملے کو پوپ کے سامنے خود پیش کرے۔ یہ بھی عام طور پر مشہور تھا کہ موجودہ پوپ صاحب خوبصورت عورتون کے بہت دلدادہ ہین اور اُن کے ساتھ خصوصیت سے پیش آتے ہین۔ جوانا کو اپنے حسن و جمال پر ناز اور دعویٰ تھا کہ ممکن نہین کوئی میری صورت دیکھے اور فریفتہ نہ ہو جائے۔ خود وہان جانے سے ایک یہ فائدہ بھی نظر آیا کہ اپنی دلکش و دلفریب آواز سے پوپ اور اُن کے مشیرون کو اپنی بیگناہی کا یقین دلا دون گی اور وہ ساری مسیحی دنیا مین میری بیگناہی کا اعلان کر دین گے۔ ان خیالات کو دل مین لیے ہوے جوانا شہر آے وگ نن مین پوپ کے اس باعظمت دربار مین پہونچی جو شان و شوکت کے لحاظ سے یورپ کے تمام شاہی دربارون سے بڑھا ہوا تھا۔

پوپ نے ملکہ کے لیے باقاعدہ دربار منعقد کیا خود پوپ ایک سنہرے تخت پر جلوہ افروز تھا۔ اس کے جسم پر برف کا سا سفید لباس تھا جو اس وقت چاندی کیطرح چمک رہا تھا۔ پاپائی کا تہرا تاج سر پر تھا۔ اس کے گرد ایک نصف دائرہ مین کُل کارڈنل سرخ لباس پہنے بیٹھے تھے۔ امرا۔ شہزادے مختلف ممالک کے حکمران اور سفیر اپنے اپنے رتبون کے لحاظ سے جلوہ افروز تھے۔

نازنین ملکہ جوانا کو جس کا چہرہ اس وقت زرد ہو رہا تھا دو کارڈنل اس شاندار دربار مین لائے۔ ملکہ کے پیچھے اس کے درباری اور امرا تھے۔ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی ہوئی وہ پاپاے مقدس کے تخت کے پاس آئی۔ وہان تک پہونچنے سے پہلے وہ تین دفعہ تعظیماً جھک کے آداب بجا لائی۔ پھر

آگے بڑھ کے پاپائے اعظم کے جوتے پر جو صلیب کا نشان بنا تھا اُسے چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ اس کے بعد اپنے رتبے کے اعزاز کے لحاظ سے اُسے پوپ کے ہاتھ کو بھی بوسہ دینے اور آنکھوں سے لگانے کی عزت نصیب ہوئی۔

پوپ کلیمنٹ ششم اپنے زمانے کا بڑا بیدار مغز حکمران تھا۔ زاہد خشک ہونے کے بجائے اُس میں مروت اور سب سے زیادہ حسن و عشق کے جذبات موجود تھے۔ حسین عورتوں پر وہ ہمیشہ مہربان رہتا۔ اور اُن سے بڑے اخلاق سے پیش آتا۔ جوانا نہایت حسین ملکہ تھی لہٰذا اس موقع پر بھی کلیمنٹ اس کے ساتھ نہایت اخلاق اور مہربانی سے پیش آیا۔ اُس نے ملکہ کو جو ایک مجرم کی حیثیت سے جھکی ہوئی سامنے کھڑی تھی شفقت کے ساتھ اُٹھا کے گلے سے لگایا۔ اور چند لفظوں میں اُس کی تسلی و تشفی کر کے اپنے پاس بٹھا لیا۔

جوانا کوئی معمولی عورت نہ تھی۔ وہ بڑی عقلمند ملکہ تھی۔ اس وقت با اقتدار ججوں کے سامنے جرم سے اپنی بریت ثابت کرنے کھڑی ہوئی۔ حسین شہزادی نے اپنی مظلومی کی داستان غم ایسے انداز سے بیان کرنی شروع کی کہ ہر شخص آپے سے باہر ہو گیا۔ ذہین اور قابل ملکہ نے موقع کے لحاظ سے لاطینی زبان میں تقریر کی۔ اُس زمانے کے سب مورخین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ اس کی یہ تقریر فصاحت اور معجز بیانی کی ایک بہت بڑی مثال ہے۔ اس نے اپنی بیگناہی اپنی عزت اور اپنی سلطنت کی حمایت میں تقریر کی۔ اور جہاں تک زبان نے یاری دی اپنی سُریلی آواز اور دلفریب لہجے میں کوئی ایسی بات نہیں اُٹھا رکھی جو سننے والوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل نہ کر سکے۔ وہ نوجوان حسین دلفریب اور خوش بیان تھی۔ اُس کے بیان نے جادو کر دیا۔ اُس کی تقریر کا سامعین کے دلوں پر ایسا اثر پڑا کہ سننے والے حیرت میں رہ گئے۔ جو کچھ وہ کہتی جاتی سب اس کا اعتراف کرتے جاتے تھے۔ اُس کی اداؤں نے پوپ اور کارڈنلوں کے دلوں میں بلا رو رعایت انصاف کرنے کے بجائے حسین و دلفریب ملکہ کی طرفداری کا خیال جاں گزیں کر دیا۔ اس سے پہلے پوپ کو بھی یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ ملکہ اس سازش قتل میں ضرور شریک ہے اور مشہور تھا کہ اسے ملکہ سے نفرت پیدا ہو گئی

ہو۔ ملکہ کے دربار میں آنے سے پہلے چاہے کچھ ہی خیال ہو مگر جوانا نے وہان پہونچ کے پوپ اور اُسکے ساتھ کُل کارڈنلون پہ فتح پائی۔ اُن کا خیال بالکل بدل گیا۔ اور اب وہ سب ملکہ کے طرفدار اور حامی تھے۔ اصل یہ ہے کہ ملکہ کو محض اپنے حسن و جمال کی بدولت کامیابی حاصل ہوئی۔ اگر ملکہ اتنی حسین نہ ہوتی یا اس کا فیصلہ کرنے والے جج مردون کے بجاے عورتین ہوتین تو خدا معلوم کیا نتیجہ ہوتا۔ اور ملکہ کو اس کی پاداش مین کیسی کیسی سزائین بھگتنی پڑتین۔ مگر ملکہ کا عجز نما بیان ختم ہونے سے پہلے ہی کئی کارڈنل اس کی دام محبت مین گرفتار ہو چکے تھے۔ اس کی دلکش آواز دلفریب اداؤن اور خوش بیانی نے مخالفین کو بھی مسخر کر لیا۔ اور سب نے یک زبان ہو کر یہ راے دی کہ ملکہ بالکل بگناہ ہے۔ اور صرف بگناہ ہی نہین بلکہ اس کے طرز عمل مین کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہین پوپ کلیمنٹ پر بھی اس کا پورا جادو چل گیا تھا۔ اور اس نے اپنے مشیرون کی راے کی تائید کرتے ہوے یہ فیصلہ کیا کہ جوانا بالکل بے گناہ ہے۔

دربار برخواست ہوا۔ جوانا فتح مندی کی شان و شوکت سے واپس چلی اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ پوپ کا جی تو یہی چاہتا تھا کہ اس کے جاے قیام تک پہونچانے جائے۔ مگر پاپائی وقار کو قائم رکھنا بھی ضرور تھا۔ مجبوراً کمرے کے باہر تک پہونچا کر رخصت کیا۔ جوانا سمجھ گئی تھی کہ پوپ پر میرا جادو چل گیا ہے لہذا اُس نے اِسی وقت نیپلز واپس جانے کی اجازت چاہی۔ پوپ نے اِسے کسی طرح منظور نہ کیا۔ اور چند روز آے وگ نن مین رہنے پر اصرار کیا۔ اسی روز شام کو پوپ نے ملکہ کی ایک بڑی شاندار دعوت کی جس مین کل معززین دربار پاپائی اور دیگر امرا اور شہزادے مدعو تھے جوانا دعوت مین شریک ہوئی۔ مگر وہ کھانا کھاتے ہی واپس چلی گئی۔ وہ جلسہ اور ناچ مین شریک نہین ہوئی۔ اس نے کہا کہ مجھ سی بدنصیب آوارہ وطن کے لیے جس کا تاج و تخت چھن گیا ہو ناچ۔ گانے کے جلسے مین شریک ہونا مناسب نہین۔ پوپ نے اس وقت اس سے وعدہ لے لیا کہ وہ دو چار مہینے آے وگ نن مین رہے گی۔ اصل یہ ہے کہ جوانا کا واپسی پر اصرار ایک انداز معشوقانہ تھا۔ وہ بخوبی سمجھ رہی تھی کہ پوپ کے قریب رہ کر اور اُس کی منظور خاطر بن کر مین کیسے فائدے حاصل کر سکون گی۔ وہ اپنی حالت کو جانتی تھی جو الزام اس پر لگایا گیا

تھا اس سے تو بیشک بری کڑی گئی تھی مگر اس کا ملک ابھی تک دشمنوں کے قبضے مین تھا۔ یہ ضرور تھا کہ نیپلز کے لوگ اتنے ہی دنوں مین ہنگری والے حملہ آوروں کے مظالم سے بے حد پریشان ہو گئے تھے اور ملکہ جوانا کی واپسی کے آرزو مند تھے مگر اتنی قوت کس مین تھی کہ اُنھین لڑ بھڑ کے اپنے ملک سے نکالتا۔ اگر اتنی قوت ہوتی تو ملکہ کو اپنا ملک چھوڑ کے بھاگنا ہی کیون پڑتا۔ بہرحال کسی قدر پس و پیش کے بعد جوانا نے پوپ کے ارشاد کو قبول کر لیا۔ اور دو تین مہینے آے وگ نن مین رہنے پہ آمادگی ظاہر کی۔ پوپ نے کہا کہ اس اثنا مین نامہ و پیام کر کے ہنگری کے بادشاہ کو اس پر آمادہ کیا جائے گا کہ وہ ملکہ جوانا کے علاقے سے اپنی فوجین ہٹا لے۔

مگر یہ معاملہ جس قدر آسان نظر آتا تھا اس آسانی سے طے نہ ہو سکا۔ لوئی شاہ ہنگری نے اپنے مفتوحہ علاقے کے کسی حصے کو چھوڑنے سے قطعی انکار کر دیا۔ اتنے دنون مین جوانا نے پوپ کو اس قدر اپنے قابو مین کر لیا کہ اب وہ بالکل اسی کے ہاتھ مین تھا۔ وہ بغیر جوانا سے مشورہ لیے کوئی کام نہ کرتا۔ اور ملکہ کے بغیر اُسے کسی طرح چین نہ پڑتا۔ ہر وقت ملکہ جوانا اُس کے پاس رہتی۔ خاص مقام آے وگ نن جس مین پوپ صاحب رونق افروز تھے نیپلز کی سلطنت مین شامل تھا۔ پوپ نے اس شہر کو اسی ہزار اشرفیون کے معاوضے مین خرید لیا۔ اگرچہ یہ قیمت برائے نام تھی مگر ملکہ کو اسی پہ راضی ہونا پڑا کیونکہ اُسے ابھی پوپ سے بہت کام لینا تھا۔ پوپ نے اپنے ایک کارڈنل کو لوئی شاہ ہنگری کے پاس نیپلز مین بھیجا تاکہ اسے نیپلز سے فوجین ہٹا لینے پہ آمادہ کرے۔ پوپ کی جوانا پر اتنی مہربانی دیکھ کے لوئی کو بھی یہی مناسب معلوم ہوا کہ نیپلز چھوڑ دے۔ وہ وہان سے چلا گیا اور جوانا نہایت تزک و احتشام کے ساتھ نیپلز مین آئی جس پر رعایا نے بڑی خوشیان منائین۔ اب ملکہ کی قدر بہت زیادہ ہو گئی۔ دربار پاپائی نے اُسے تاج و تخت واپس دلایا تھا۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود پوپ اُسے اس درجہ چاہتے اور اس کی اتنی عزت کرتے تھے کہ کسی دوسرے کی وہان تک رسائی نہ تھی۔ اُس زمانے مین کوئی اتنی جرأت نہین کر سکتا تھا کہ کہتا پوپ صاحب کیسی شرمناک زندگی بسر کر رہے ہین۔ اُس وقت سب کا یہ خیال تھا کہ اگر پوپ کے حرکات و سکنات پہ

ذرا سی بھی نکتہ چینی کی گئی تو بس آخرت مین نجات کی کوئی صورت نہین کیونکہ پوپ حضرت مسیح کے پیچھے جانشین ہین۔ اور ان پر نکتہ چینی کرنا سخت ترین گناہ ہے۔

پوپ کے فقط ایک اشارے کا اتنا اثر ہوا کہ نیپلز حملہ آورون سے آزاد ہو گیا لوئی شاہ ہنگری کو پوپ سے سرتابی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ اپنی فوجین لے کر واپس چلا گیا۔ اور صلح ہو گئی۔ نیپلز مین خوشی کا جشن منایا گیا۔ ملکہ جوآنا اور اس کے دوسرے شوہر لوئی طارنٹو کی تاج پوشی کے جلسے ہونے لگے۔ پوپ نے خاص طور پر اپنے ایک کارڈنل کو مبارکباد دینے کے لیے بھیجا۔ غرض دن عید اور رات شب برات تھی جوآنا امن و امان کے ساتھ نیپلز پر حکومت کرنے لگی۔

صرف چند ماہ اس آرام و اطمینان سے گزرے تھے کہ پوپ کلیمنٹ ششم نے عالم جاودانی کی راہ لی۔ اور جوآنا کا حامی و مددگار ہی نہین بلکہ عاشق زار دنیا سے رخصت ہو گیا۔

کلیمنٹ کی خوش اخلاقی اور مہربانی کی بدولت جوآنا کی جلاوطنی کا زمانہ بھی ایسے عیش و آرام سے گزرا کہ شاید خاص نیپلز مین بھی اُسے وہ لُطف کبھی نہ آیا ہو۔ اُس کی خاطر سے آے وگنن مین روزانہ دعوتون اور جلسون کا سلسلہ جاری رہا۔ اس زمانہ مین کلیمنٹ نہین بلکہ جوآنا ہی دراصل مسیحی دنیا پر حکومت کر رہی تھی۔ بڑے بڑے بادشاہ اور جاگیردار اسی کے پاس اپنی غرض لے کے جاتے اور وہ جیسا چاہتی پوپ سے حکم دلوا دیتی۔ جوآنا کو پوپ کی موت کا بڑا افسوس ہوا اس زمانے مین اقتدار پا پائی بہت ترقی کر گیا۔ جن معاملات مین کلیمنٹ کے پیشرو ناکام رہے تھے اب جوآنا کی دانائی و فراست کی بدولت اُسے کامیابی ہوئی اور آخر مین یہ حالت ہو گئی کہ سارے یورپ مین کوئی حکمران نہ تھا جو پوپ کے حکم سے سرتابی کی جرأت کر سکے۔

کلیمنٹ کے مرنے کے بعد کارڈنلون نے گرجے کی اصلاح کرنی چاہی اور اس غرض کے لیے کسی ایسے شخص کو پوپ منتخب کرنے پر آمادہ ہوے جو خود اس قسم کی عیاشیون اور بدکاریون مین مبتلا ہو۔ اور نہ دوسرے پادریون کو اس کی اجازت دے۔ اپنے خیال مین ایک نہایت ہی متقی اور پرہیزگار کارڈنل کو

اُنھون نے منتخب کیا جو آنوسنٹ ششم کے نام سے پوپ ہوا۔ یہ زیادہ دنون نہین زندہ رہا۔ اور اُس کے زمانے کا کوئی خاص واقعہ نہین ہے۔ یہ ایسی قیود کے ساتھ پوپ ہوا تھا۔ اور اسکی طبیعت مین زہد و تقوی اس درجہ تھا کہ اس نے دربار پاپائی مین عورتون کی مداخلت کو پسند نہین کیا۔ مگر جوانا نے اپنی دانشمندی کی بدلت اُسے بھی اپنا دوست بنائے رکھا۔ اور ایسے پوپ سے اس سے زیادہ کیا توقع کی جا سکتی تھی۔

اب ملکہ کے دوسرے شوہر لوئی ٹارنٹو کا بھی انتقال ہوگیا۔ پوپ آنوسنٹ ششم نے اپنی جانب سے ایک پادری کو جوانا کے پاس نیپلز مین تعزیت کی رسم ادا کرنے بھیجا۔ یہان اس پادری اور جوانا مین ایسی گہری دوستی ہوگئی جو عمر بھر قائم رہی۔

اسی اثنا مین پوپ انوسنٹ ششم نے انتقال کیا۔ اور جوانا کے اثر سے یہی پادری جو پوپ آنوسنٹ کی جانب سے نیپلز آیا ہوا تھا اربن پنجم کے نام سے پوپ منتخب ہوگیا۔ اب کیا تھا۔ یہ جوانا کا دوست تھا اور جوانا ہی کے اثر سے پوپ بنا تھا۔ جوانا کا اثر کلیمنٹ کے زمانے سے اب بہت زیادہ بڑھ گیا۔ پوپ اربن کے وقت مین جوانا کے قوت و اقتدار کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اُسی کی مرضی کے مطابق کل امور انجام پاتے۔

جوانا ایسی عورت نہ تھی کہ زیادہ زمانے تک بیوگی کی حالت مین گذارتی۔ اُس نے فوراً تیسری شادی کی فکر شروع کردی۔ اور تیسرے شوہر کا انتخاب زیر غور تھا۔ مگر اس مین ایک مشکل یہ آپڑی کہ پوپ اربن کو یہ پسند نہ تھا کہ ملکہ پھر شادی کرے۔ اس نے حسین ملکہ کے سب آرزومندون کو ڈرا دھمکا کے یا اپنا اثر ڈال کے خاموش کر دیا۔ مگر ایک ایسا شخص بھی تھا جسکے روکنے کے لیے اربن کو بڑی کوشش کرنی پڑی۔ فرانس کا بادشاہ جان یہ چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے فلپ کے ساتھ اس حسین ملکہ کی شادی کر کے اسے اپنی بہو بنائے۔ براہ راست پیام دینے کے بجائے جان خود آے وگ نن مین آیا تاکہ پاپاے مقدس سے اس اہم معاملے مین مشورہ کرلے۔ اربن نے اس شادی کو کسی طرح پسند نہ کیا۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اس شادی سے پوپ بالکل شاہ فرانس کے تابع فرمان ہو جاتے۔ شہر آے وگ نن نیپلز کی عملداری مین واقع ہوا تھا۔ اربن کو یہ نظر آیا کہ اگر یہ علاقہ فرانس کی عظیم لشان

سلطنت مین شامل ہوگیا تو پوپ بھی اس کے زیر اثر ہو جائین گے۔ اس وقت نیپلز ایک چھوٹی سی ریاست ہے اور پوپون پر اتنا اثر نہین ڈال سکتی جتنا فرانس کی سی عظیم الشان اور طاقتور سلطنت کا اثر پڑے گا۔

شاہ فرانس کو ملکہ جوانا کیطرف سے بدظن کرنے کے لیے آربن نے کوئی بات نہین اٹھا رکھی۔ جوانا کی عشق بازیون کی ساری داستانین کہ سنائین۔ یہ بھی بتایا کہ اپنے پہلے شوہر کو خود اسی نے قتل کرایا تھا۔ اور پھر اُس الزام سے بری ثابت ہونے کے لیے اُس نے پوپ کلیمنٹ ششم کی خدمت مین بہت سی اشرفیان نذر کر کے اُسے اپنے فریب عشق مین پھانس لیا پھر یہ بھی بیان کیا کہ نیپلز کے درباریون مین کوئی ایسا نہین جو جوانا کی شہوت پرستیون کی بدولت اس کے بستر عیش تک نہ پہونچ چکا ہو۔ جوانا ایسی عورت نہ تھی کہ اگر دل چاہتا تو پوپ کے روکنے سے رک جاتی۔ مگر اُس رشتہ کو خود اُسی نے نہین پسند کیا۔ کیونکہ ولی عہد فرانس خود اس سے دس بارہ برس چھوٹا ایک کمسن لڑکا تھا دوسرے وہ سمجھتی تھی کہ فرانس اتنی بڑی اور طاقتور سلطنت ہے کہ اُس مین شامل ہو کے میری سلطنت نیپلز نیست و نابود ہو جائے گی۔ لہذا ملکہ کو یہ رشتہ مناسب نہ معلوم ہوا اور اس نے فوراً مجارقہ کے حکمران جیمس کے ساتھ شادی کر لی جو اُس زمانے کا سب سے زیادہ خوبصورت بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ جیمس اس وقت بے تاج و تخت بادشاہ تھا کیونکہ آراغونہ کے بادشاہ نے اُسے ملک سے نکال باہر کیا تھا۔ اور اُس نے یار و مددگار بھاگ کر نیپلز مین پناہ لی تھی۔ ملکہ جوانا کا دل اس کی جانب مائل ہوگیا۔ اور خود ملکہ نے شادی کا پیام دیا۔ شہزادہ نے اُن سب شرطون کو جو پیش کی گئین بڑے شوق سے قبول کر لیا۔ اور نہایت ہی شان و شوکت کے جلسون کے ساتھ مراسم عقد ادا ہوے

پوپ آربن کو یہ شادی پسند نہ تھی مگر اپنی دوست ملکہ جوانا کو ناخوش بھی نہین کرنا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے ملکہ کو مبارک باد کا پیام بھیجا۔ پوپ اربن اب یہ چاہتا تھا کہ آے وگ نن کو چھوڑ کے پھر مقدس و متبرک شہر روما مین جا کے رہے اور پہلے کیطرح اُسی کو اقتدار پاپائی کا صدر مقام بنائے۔ اس مین بڑی دقتین تھین۔ سب کارڈنل سرزمین فرانس کی عیش و عشرت کے عادی ہو چکے تھے۔ اس فرحت بخش مقام کو چھوڑ کے کوئی روما مین واپس جانا نہین پسند کرتا تھا۔ جب آربن نے یہ خیال ظاہر کیا

سب اس کے مخالف ہو گئے۔ مگر آرین نے کسی کی پروا نہ کی یہان تک کہ روانگی کے وقت اُسکی مان کمرے کے دروازے مین لیٹ گئی کہ مین خوشی سے نہ جانے دون گی۔ مگر پوپ نے اس کا کوئی خیال نہ کیا اور اوپر سے پھاند کے نکل گیا۔

مرکز پاپائی کی تبدیلی مین فقط ایک ملکہ جوانا آرین کی طرفدار تھی۔ اس وجہ سے نہین کہ پوپ کے رومآ جانے سے اُس کا کوئی فائدہ تھا بلکہ محض اس خیال سے کہ اس کے دوست اور عاشق آرین کی خوشی یہی تھی۔ غرض پوپ آے وگ نن سے روانہ ہو کے رومآ مین آگیا۔ سفر کا سارا انتظام ملکہ جوانا نے اپنے افسرون اور جہازون کے ذریعہ کر دیا۔ رومآ مین پہونچتے ہی آرین نے خوشیان منائین۔ اور قدیم متبرک شہر مین واپس آنے پر جو اُمرا اور جاگیردار مبارکباد دینے آئے اُن مین ملکہ جوانا بھی تھی۔ اس کا شاندار استقبال ہوا۔ آرین نے شاہ قرص کو شہر کے باہر تک ملکہ کے استقبال کے لیے بھیجا۔ شہر کے پھاٹک پر کارڈنل اُمرا اور بہت سے جاگیردار کھڑے تھے اور سینٹ پیٹر کے گرجے کے زینے تک آ کے خود پوپ نے ملکہ کو ہاتھون ہاتھ لیا۔ اُسکی صورت دیکھتے ہی وہ چار چھ زینے نیچے اُتر آیا۔ اور بڑے شوق سے ملا۔ آرین ملکہ جوانا کا بہت ممنون تھا۔ ملکہ نے اُسے ایسے وقت مین اپنی دوستی کی عزت بخشی تھی جب وہ معمولی پادری تھا اور اُسے کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ یہ بات خود اُس کے یا کسی اور کے وہم و گمان مین بھی نہ تھی کہ ایک دن وہ حضرت مسیح کا نائب بن کے تخت پاپائی پر رونق افروز ہوگا۔ یہ عزت اُسے محض ملکہ کی کوشش اور کارڈنلون مین ملکہ کا اثر ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔ پوپ ہونے کے بعد یہ بھی تھا کہ ملکہ اُس کی ہر بات کو قبول کر لیتی اور اُس کی تائید پر آمادہ ہو جاتی تھی۔

پوپ نے جوانا کو ساتھ لے جا کر سب سے پہلے پیٹر اور پال کے مقبرون کی زیارت کرائی۔ پھر اپنے شاندار محل مین لے گیا۔ اور اس کے بعد یہ حالت ہوئی کہ محل کے اندر رات دن پوپ اور ملکہ جوانا مین راز و نیاز کی باتین ہوا کرتین اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی۔

جوانا کے رومآ مین آنے سے پہلے شاہ قرص کو دربار پاپائی مین بہت رسوخ حاصل تھا۔ مگر جوانا کے آتے ہی وہ تشریف لے گیا۔ اور اب جو کچھ تھی جوانا تھی۔ کل اُمور اُسی کے اشارے پر اور اُسی کی مرضی کے مطابق انجام پاتے۔ اور چند روز مین اہل رومآ کو اس کا ایک اور ثبوت بھی مل گیا کہ پوپ کے دل مین ملکہ کی کتنی قدر و منزلت ہے؟

قدیم زمانے سے ایک دستور یہ چلا آتا تھا کہ اہل روما گرجے کی ایک مخصوص رسم کے موقع پر ہر سال ایک گلاب کا پھول پوپ کے نذر کیا کرتے۔ اس دینی رسم کے ادا کرتے وقت وہ پھول پوپ کے سینے پر لگا رہتا۔ مگر رسم ادا ہو جانے کے بعد پوپ اُس پھول کو اپنے ہاتھ سے کسی ایسے معزز شخص کے سینے پر لگا دیتا جس کی عزت اُن کی نظرون مین سب سے زیادہ ہوتی۔ یہ ایسی عزت تھی جس کے لیے ہر معزز شخص آرزو مند رہتا۔ اور اِس مرتبہ سب کا یہ خیال تھا کہ وہ پھول شاہ قبرص کو ملے گا۔ مگر سب کارڈنلون اور خود شاہ قبرص کو یہ دیکھ کے بڑا تعجب اور مایوسی ہوئی کہ مذہبی رسوم ادا ہونے کے بعد پوپ اربن نے وہ متبرک گلاب کا پھول ملکہ جوانا کے سر مین لگا دیا۔ مناسبت کے لحاظ سے پھول ملکہ کے سر ہی کے لائق تھا مگر یہ دیکھ کے سب سناٹے مین رہ گئے۔ اور کارڈنلون سے خاموش نہ رہا گیا۔ انھون نے پوپ کی خدمت مین عرض کیا کہ اس سے پہلے کبھی یہ عزت کسی عورت کو خواہ وہ کسی رتبہ اور درجے کی ہو نہین میسر ہوئی ہے۔ خصوصاً اس موقع پر جبکہ ایک معزز فرمانروا بھی موجود ہے یہ مناسب نہین معلوم ہوتا کہ اُسے محروم کر کے ایک عورت کو اس کی عزت دی جائے۔ پوپ نے بڑی بے پروائی کے ساتھ جواب دیا کہ اس سے پہلے کبھی تم نے ایک معمولی اور ادنیٰ درجے کے پادری کو بھی تخت پاپائی پر نہ دیکھا ہو گا۔

ریویو

قواعد اردو۔ مولفہ مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو۔ اورنگ آباد دکن۔ اس کا پہلا اڈیشن ۱۹۱۴ء مین الناظر پریس لکھنؤ مین لیتھو مین چھپا تھا۔ اب اس کا دوسرا اڈیشن انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن کے ٹائپ پریس مین چھپا ہے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب اردو کی کتابین ٹائپ مین چھپتی جاتی ہین۔

ہمارے خیال مین یہی ایک کتاب ہے جس مین زبان اردو کے قواعد صحیح اصول پر مرتب کیے گئے ہین۔ اس سے پہلے جتنے قواعد لکھے گئے۔ وہ عربی اور فارسی کے اتباع مین تھے اور وہ کسی طرح زبان اردو کے لیے موزون نہ تھے۔ اردو اپنی نوعیت کے لحاظ سے آرین زبان ہے اس کی بندشین۔ ترکیبین۔ اس کے الفاظ و افعال کے اشتقاق کے طریقے اور قاعدے بالکل بھاکا کے ہین۔ عربی اور فارسی کے چند لغات اور عموماً اسما البتہ داخل ہو گئے ہین۔ ایسی حالت مین اردو کے قواعد مین عربی اور فارسی کا تتبع کتنا بڑا ظلم ہے۔ ان امور کو پیش نظر رکھ کے یہ قواعد مرتب کیے گئے ہین۔ جو اردو کی ایک قابل فخر تصنیف ہے۔ اس اڈیشن مین "رموز اوقاف" اور "عروض" کے ابواب اضافہ کر دیے گئے ہین۔ قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ۔

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے منگوا کے ضرور دیکھیے۔

از

(جناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دار الترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن)

اکبر کے عہد اقبال و کامرانی مین ایسے ایسے جادو بیان فارسی شعرا نے اس ملک مین نغمہ خوانی کی کہ محمود و سنجر کا زمانہ یاد آگیا۔ نظیری۔ ظہوری۔ عرفی۔ اور قمی کے کلام کی آج تک عالم ادب مین گونج باقی ہے اور فارسی شعر کا ہر قدر دان اُن کے نام اور کارنامون سے آگاہ ہے۔ مگر ان مشہور اساتذہ کو چھوڑ کر اس مضمون مین ہم صرف اُن اکبری شعرا کی یاد تازہ کرین گے جو اتنے زیادہ مشہور نہین۔ اور جن کے پُر لطف کلام اور محاضرات مین اس عہد کے ذوق و شائستگی کی جھلک بھی نظر آجاتی ہے۔

۱۔ مُلّا قاسم کاہی

کابلی بلکہ خراسانی آدمی تھا اور رہر چند سن کہولت مین ہندوستان آیا لیکن ایک سو دس برس اور بعض تذکرون مین دیکھا کہ ایک سو بیس برس کی عمر پائی۔ لہذا ہندوستانی ہو جانے مین کوئی شک نہین۔ مگر اس بدنصیب ملک سے کوئی اپنے آپ کو منسوب کرنا نہین چاہتا۔ خراسان کے پہاڑون کا یہ سیہ فام دہقانی بھی کشور ہندوستان پر اس طرح طعنہ زن ہے کہ ؎

کاہی تو بلبل چمن آرائے کابلی　　زاغ و زغن نئی کہ بہ ہندوستان شوی!

شاید اس کی درازی عمر سے ہی اکتا کر یارون نے خبر اُڑا دی کہ قاسم کاہی مر گیا اس کا ہم چشم غزالی شاہی لشکر کے ساتھ گجرات مین تھا وہین یہ خبر سنی اور قطعۂ تاریخ بھی لکھ مارا۔

رفت بیچارہ کاہی از دنیا | سال تاریخ او اگر خواہی
چون بناچار رفت بشد ناچار | از جہان رفتہ قاسم کاہی

اتفاق کی بات کہ تھوڑے ہی دن بعد خود غزالی نے گجرات مین یکبارگی وفات پائی۔ کاہی نے بدلہ لیا۔ اور ایک ہجویہ قطعے مین ع
" ملحد دُو نے رفت زعالم "
سے تاریخ نکالی۔ اسی درازی وسن پہ سلطان کے سے جو لطیفہ ہوا۔ اس کی نقل آگے آتی ہے۔

معلوم ہوتا ہے ملا قاسم کی شاعری موسیقی کے ساز پہ دوڑتی تھی وہ اس فن مین یگانہ روزگار تھا اور اپنی غزلون کے لیے بھی خود ہی مقرر و مرتج کر دیتا تھا چنانچہ یہ دو اُن دنون ملک ملک مین گائی جاتی تھین:۔

(۱) مرغ تا بر فرق مجنون پر زدن انگیز کرد + آتش سودائے لیلی در سر او تیز کرد
(۲) چون زعکس عارضش آئینہ پر گل شود + گرد ران آئینہ طوطی بنگرد بلبل شود

ایک عزیز کی مدح و شکر گزاری مین جو درد پا کے باوجود عیادت کے لئے آئے تھے ملا نے فی البدیہ غزل تیار کی۔

ماندی قدم زناز بروے نیاز من | دردے مباد پاے ترا سرو ناز من
ہر چند وصف وصل تو کردم شب فراق | کوتہ نگشت قصہ دور و دراز من

ایک پُر لطف غزل ہاتھی کے تلازمے اور بادشاہ کی تعریف مین لکھی ہے۔

ما بفیلان میل دیدم دستان خویش را + صرف راہ فیل کردم نقد جان خویش را
خاک بر سر میکنم چون فیل ہر جامی رسم + گرنہ بینم بر سر خود فیلبانِ خویش را
شاہ فیل افگن جلال الدین محمد اکبر است + آنکہ بخشد فیل زرین شاعرانِ خویش را

اس غزل کا بادشاہ نے ایک لاکھ تنگہ صلہ دیا اور حکم دے دیا کہ ہر دفعہ جب مُلا دربار مین آئے ایک ہزار روپیہ " بامُرد " دی جائے۔ مگر شاعری

کی شان استغنا دیکھیے کہ اُس کے بعد سے پھر شاہی دربار میں کبھی نہ گیا۔
بوستان سعدی کے جواب میں ایک مثنوی "گل افشان" لکھی تھی اور قافیے سے قافیہ ٹکرایا تھا۔ اس کا صرف مطلع دیکھنے میں آیا۔

جہان آفرین را بجان آفرین | بجان آفرین صد جہان آفرین

کاہی کے کلام پر ملا عبدالقادر بدایونی کی ناقدانہ راے یہ ہے کہ "شعر او بسیار خام است وہمہ مضمون دیگران۔ اما ہیئت مجموعی دارد کہ ہیچکس دران وادی با او شریک نیست" دوسرا معصر بیاضی غزالی و کاہی کے محاسن میں یہ رباعی یادگار چھوڑ گیا ہے۔

کاہی و غزالی۔ آن دو لا یعقل مست | در غیبت جامی و نوائی زدہ است
در دہر کسے بہ مثل ایشان نگذشت | کاہی چہ خس است و ہم غزالی چہ سگست

ابوالفضل نے اشارہ اور ملا صاحب نے صراحت کی ہے کہ علم و فضل کے باوجود اور مولوی جامی وغیرہ بزرگان صوفیہ کی صحبت پانے کے باوصف کاہی نہایت آزاد و رند مزاج آدمی تھا۔ دنیا بھر کے آوارہ گرد اوباش اس کے گرد و پیش جمع رہتے اور کتوں کا بھی بہت شوق تھا۔ سو چلے دل ملا صاحب کے بقول یہ اختلاط با سگان تو شرط ملک الشعرائی ہو گیا تھا۔
۹۸۰ھ میں وفات پائی۔

۲ - بیکسی غزنوی

نہایت متقی صاحب علم و فضل بزرگ تھا۔ دربار میں دریدہ دہن نیازی نے یہ فقرہ کہ "چہ کنیم با بیک نیم۔ روے بیکسی سیاہ" اُسی پر چست کیا تھا۔ اس کا قصیدہ اور قطعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ ہمایوں بادشاہ نے قیام گاہ دہلی کے طاق پر شیخ آذری کا یہ مطلع اپنے قلم سے بہت خوشخط تحریر کیا۔

شنیدہ ام کہ بر این طارم زر اندودست | خطے کہ عاقبت کار جملہ محمود است

اتفاق سے چند ہی روز کے بعد اُسی مکان کے کوٹھے سے گر کر وفات پائی اور یہ شعر لکھنا بھی مرنے والے کی کرامت و روشن ضمیری سمجھا گیا۔ ملا بیکسی نے اس پر درے

واقعے کو اس طرح نظم کیا ہے :۔

درینکہ شاہ ہمایون بوقتِ رحلتِ خویش
نوشت بر درِ سر منزلے کہ ساکن بود

"خطے کہ عاقبتِ کار جملہ محمود است"
بجنِ عاقبت خود اشارتے فرمود

چو شد بحکم قضا منزلش ہمان منزل
کہ بود قبلۂ حاجات و کعبۂ مقصود

بنا برین پئے تاریخ رحلتش گفتم
بنا سے منزل سلطانِ عاقبت محمود

۳- توسنی

سانبھر کے راجہ لون کرن کا بیٹا منوہر نام فارسی مین خوب شعر کہتا تھا جس ذوق اور ذہانت کے بدولت لوگ محمد منوہر کہنے لگے- اور ہندو باپ نے بھی اس پہ فخر کیا۔ لیکن یہ بات خود اکبر کے خلاف طبع تھی- آخر مرزا منوہر خطاب دے کر بیچ مین راہ کی- یہ تخلص بھی بادشاہ کا عطا کردہ تھا- اس واقعے کی یادگار مین جو شعر اس نے کہے ان مین سے دو یہ ہین۔

شربت آشنا میا در بزم نامردی کشان
کہ جگر در کف کباب و خونِ دل در ساغر است

توسنی سردہ سمند عشق در میدان عشق
پیرسی ایمن بمقصد رہبرت چون اکبر است

عشق حقیقی کے جوش مین ایک رباعی لکھی کہ نقل کرنے کے قابل ہے۔

بے عشق تو در جگر لبالب نار است
بے درد تو در سرم سراسر خار است

بتخانہ و کعبہ ہر دو نزدم کفر است
مارا بہ یگانگی اینہ دو کار است

۴- خنجر بیگ

چغتائی امیر- اور فاتح دہلی تردی بیگ خان کا داماد تھا. فنون سپہ گری کے ساتھ موسیقی- خوش نویسی شعر و نجوم وغیرہ علوم و فنون مین بڑی دستگاہ بہم پہونچائی- دیوان اشعار کے علاوہ تین سو شعر کی ایک مثنوی لکھی جس مین بہت خوبی سے بادشاہ کو نصیحت کی ہے- مضمون اور اسلوب دونون اس قابل ہین کہ ذیل مین اُس کے جتنے ملے سب شعر نقل کر دیے جائین- دوسرے مجھے امید نہین کہ

منتخب التواریخ کے سوا اور کہین یہ مثنوی محفوظ رہی ہو کیونکہ چند ہی سال بعد خنجر بیگ بھی ازبکون کی شورش مین حصہ دار تھا۔ اور شکست کھا کے بنگالے بھاگا۔ اور پھر اس کی خبر نہ ملی۔

مثنوی

شہر یارا جہان عجب جائے ست ہر زمان اندرو تماشائے ست
چرخ نیرنگ ساز شعبدہ باز ہر زمان بازیے کند آغاز
پیش ازین بودہ اند در عالم تاجداران با سپاہ و حشم
زان دلیران بہ ہوا و ہوس ماند تاریخہاے کہنہ و بس
گر بہ دنیا ثبات دیدندے انبیا زو چرا رمیدندے
خسروا کار این جہانِ حسود این چنین ہست و بود و خواہد بود
زین ہمہ کار و بار پُر خم و پیچ نام نیک است اصل و آن ہمہ ہیچ
غرضم این بود ز پُر سخنے بتو نوبت رسید تا چہ کنے
این زمان کز تو یافت عالم زیب حق نگہدار بادت از آسیب
گر ہماے پرید ازین گلشن بہ سرِ ما تو باش سایہ فگن
سخن من کہ بے ریا باشد گر نصیحت کنم روا باشد
چون بہ خیریت تو می کوشم سخن حق ز تو چرا پوشم
سخن زید یا کہ عمر بود بشنو گر نفس امر بود
شاہ باید کہ در گہ و بیگاہ از خود و خلق حق بود آگاہ
سہو مسکین زیان نان باشد سہو شہ آفت جہان باشد
بگدا فکر خلق و دلق بود در دل شاہ فکر خلق بود
بہ شود کار سلطنت بتوزک ہمچو فرمان شہ بہراز درک
چون ترا نوبت جہانداریست لازم ست احتیاط و ہشیاریست
تو چو شمعی و ملک تو خانہ خلق گرد تو ہمچو پروانہ
ذرہ نبود چو نور خود نبود نیست پروانہ شمع گر نبود
یعنی از تست زندگی ہمہ تو شبانی و اہل ملک رمہ

بحراگاه هست آمده است گله | گله را چون توان گذاشت یله
به تو فرمود حق نگهبانی | منصب انبیاست چوپانی
پس بکن رسم انبیا را گم | از خود آگاه باش و از مردم
عمر خوش گوهریست قیمت دان | دولتِ ملک را غنیمت دان
پادشاهی و لے شعارِ تو | در جهان از برائے کارِ تو
عدل و انصاف و جود و علم و سخا | لطف و احسان و خلق و مهر و وفا
همه داری ز لطفِ یزدانی | چکنم قدرِ خود نمی دانی
تو به خنده به فیل مست سوار | خلق در گریه بر سرِ دیوار
تو بدندان فیل مشت زنان | مردم انگشت فکر در دندان
تو بخرطوم فیل پنجه کشا | آستین ها فشانده از دنیا
تو مقابل به شیر درنده | مردم از وهم بر طرف کنده
تو به جنگ پلنگ بازی کن | رو کنان ها به پنجه و ناخن
تو ستاده به پیش حملهٔ گرگ | به تعجب زده خرد و بزرگ
تو گلوگیر مار از درِ سهم | خلق و عالم به پیچ و تاب ز وهم
تو شناور به بحر بے پایان | بر لبش دست شسته‌ها از جان
تو به چنگل پئے شکار درون | خلق از ترس و وهم از بیرون
تو شبِ تیره رفته یکه راه | مردم از پئے بنورِ مشعل آه
تو بسر پا برهنه گردیده | خلق در زیر جامه لرزیده
تو به گرما دوان بجامه درخت | خلق غرقِ عرق به زیر درخت
تو پیاده بهر طرف رانده | ها سواره ز کوفت در مانده
تو به میدان خصم جنگ آور | لشکر از هر طرف تماشاگر
این چه لطف است و این چه غمخواری | که بما و به خویشتن داری
این دلیریست دور از اندازه | این شجاعت بتو بود تازه
گرچه اینها هنر بود بے ریب | لیک از پادشاه باشد عیب
شاه اگر دور از زیان باشد | مردمِ ملک در امان باشد

شاہ از خویش اگر بود بے غم — ہمہ زیر و زبر شود عالم
با تو مارا جہان و جان باید — بے تو جان و جہان چکار آید
خنجرا غور در فصول مکن — خاطر شاہ را ملول مکن
این حدیث تو دور از معنی ست — شاہ ازین گفتگو مستغنی ست
او چو پیش خدائے مقبول است — دولت او بکار مشغول است
خواب او ہست عین بیداری — مستی او کمال ہشیاری

حق بہ آنکس کہ کارساز بود
از ہمہ کار بے نیاز بود

۵- سلطان ببکلی

محمد سلطان نام قندھار کے قریب ایک گانو ببکلی کا رہنے والا تھا۔ ہندوستان میں آیا۔ تو ظریفوں نے اس نام کو مہند کر کے چھپکلی کہنا شروع کیا۔ اس پر بہت ہنستا اور بگڑتا تھا کہ کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ نہایت ظریف و آزاد مزاج آدمی تھا۔ ایک دن ملا قاسم کاہی سے پوچھنے لگا کہ سن شریف کیا ہوگا؟ ملا نے جواب دیا "اللہ میاں سے دو سال چھوٹا ہوں"۔ سلطان نے برجستہ کہا "آپ کیا فرماتے ہیں۔ میں تو آپ کو دو سال بڑا جانتا تھا" ملا قاسم کاہی بہت ہنسا اور کہا تم ہماری صحبت کے لائق ہو۔

لیکن سلطان کی زندگی کا عجیب واقعہ ملا عبدالقادر نے یہ بیان کیا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ خان زمان خان کی مدح میں قصیدہ لکھا۔ خان زمان خان نے ایک ہزار روپیہ اور خلعت صلے میں دیا۔ ساتھ ہی درخواست کی کہ میری خاطر سے یہ تخلص چھوڑ دو کیونکہ خود خان زمان کا تخلص بھی سلطان تھا۔ شاعر نے یہ سنکر خلعت و صلہ لینے سے انکار کیا۔ اور کہا "سلطان محمد" میرے باپ کا رکھا ہوا نام ہے۔ اور تم سے سالہا سال پہلے سے میں اس تخلص سے شعر کہتا۔ اور شہرت حاصل کر چکا ہوں۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا"۔

خان زمان جس قدر فیاض و دلیر تھا۔ ویسا ہی تحکم پسند و شعلہ خو بھی تھا۔ بدمزاج ہو کے کہنے لگا۔ اگر تخلص نہیں چھوڑتا تو تجھے ہاتھی کے نیچے ڈال کے ہلاک

گرادون گا۔ بلکہ حکم دے کے ہاتھی طلب کرلیا۔ مگر شاعر نے ذرا پروا نہ کی اور کہا کہ زہے نصیب اس طرح بلا دقت شہادت میسر آجائے۔ ہر چند لوگون نے سمجھایا بجھایا وہ اپنی ضد سے باز نہ آیا۔ آخر خان زمان خان کے اُستاد علاء الدین لاری نے کہا کہ مولوی جامی کے دیوان سے کوئی غزل نکال کے اسے دیجائے اگر جواب مین فی البدیہ شعر کہہ دے تو جان بخشی کی جائے ورنہ جیسی راے ہو۔ چنانچہ دیوان جامی کھولا تو یہ غزل برآمد ہوئی۔

دل خطت را رقم صنع الٰہی دانست   بر سر سادہ رخان حجت شاہی دانست

سلطان محمد نے فی البدیہ غزل کہی جس کا مطلع یہ تھا۔

ہر کہ دل را صدف سرّ الٰہی دانست   قیمت گوہر خود را بکماہی دانست

خان زمان خان اُچھل پڑا اور پہلے سے زیادہ انعام اکرام دے کے اسے رخصت کیا۔

حسن کی کرشمہ سازیان

جوانا ملکۂ نیپلز (۲)

اہل روما نے ملکہ جوانا کے کئی شاندار جلوس دیکھے۔ یہ تاجدار ملکہ جس نے دو پوپون پر عشق و محبت کا جادو کر دیا تھا اس عظیم الشان شہر کی بڑی سڑکون پر کئی دفعہ اس شان سے نکلی کہ کل امرا جاگیردار معززین اور کارڈنل اس کے جلوس مین تھے۔ پوپ اربن نے اپنی معشوقہ ملکہ کو اس سے زیادہ عزت دینے کے خیال سے ایک دوسری مذہبی رسم کے موقع پر بھرے دربار مین جوانا کی مستقل مزاجی اور خوش اخلاقی کی بڑی تعریف کی اور دینی خدمات کے اعتراف مین بابرکت دربار پاپائی سے اُسے ایک مرصع تلوار اور ایک قیمتی ٹوپی مرحمت فرمائی۔ جوانا نے شاہ قبرص کا دل رکھنے کے لیے وہ متبرک تلوار اُسے دیدی۔ اور ٹوپی جس مین آبدار موتی ٹکے تھے خود رکھ لی۔

پوپ اربن تبدیل آب و ہوا کے خیال سے روما سے باہر پُر فضا دیہات مین گیا تو وہان بھی ملکہ نیپلز اس کے ساتھ تھی۔ ہم بیان کر چکے ہین کہ جوانا کی تیسری شادی جیمس کے ساتھ ہو گئی تھی۔ اسے تین مہینے سے زیادہ نہین گذرے

تھے کہ اراغونہ کے ظالم بادشاہ نے جمیس کے باپ کو قتل کر دیا۔ یہ سنتے ہی جمیس اُس سے انتقام لینے کے خیال سے نیپلز سے چل کھڑا ہوا۔ مگر راستہ مین اُسے ایک سردار ہنری نے گرفتار کر کے قید خانے مین بند کر دیا۔ بڑی مشکل سے اُس نے یہ افسوسناک حالت اپنی بی بی ملکہ نیپلز کے پاس کہلا بھیجی! اُس نے نامہ و پیام کر کے اور ایک بہت بڑی رقم ادا کر کے اُسے آزاد کرایا۔ جمیس قید سے چھوٹا تو انتقام کا خیال چھوڑ کے سیدھا نیپلز آیا۔ مگر یہان پہونچ کے اُسے معلوم ہوا کہ ملکہ یہان نہین ہے بلکہ رومہ کے دربار پاپائی مین عیش کر رہی ہے۔ لوگون نے اس سے یہ بھی بیان کر دیا کہ وہ رومہ مین بھی نہین بلکہ اٹلی کی پر فضا وادیون کی تنہائی مین پوپ کے ساتھ مزے اُڑا رہی ہے۔ یہ سن کے بڑا غصہ آیا۔ اور اپنی بی بی کو لکھا کہ فوراً نیپلز مین واپس آؤ۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ اگر تم نے آنے مین ذرا بھی دیر کی تو مین تمھارا راز فاش کر کے سب شاہان یورپ کو اس کی اطلاع دیدونگا کہ پوپ کے ساتھ تم کیسی شرمناک زندگی بسر کر رہی ہو۔

جوانا ان دھمکیون مین آنے والی عورت نہ تھی۔ وہ جمیس سے زیادہ تجربہ کار اور عقلمند تھی۔ اس نے کسی شوہر کا دباؤ نہین مانا تھا بلکہ اس سے پہلے دونون شوہرون کو اپنا غلام بنا کے رکھ چکی تھی۔ وہ جمیس کو بھلا کیا سمجھتی تھی۔ آربن بھی بڑا مستقل مزاج شخص تھا۔ وہ جوانا کو اس وقت اپنے پاس سے جدا نہین کرنا چاہتا تھا۔ جب دیکھا کہ جمیس کسی طرح نہین مانتا تو آربن نے اعلان کر دیا کہ جوانا کا عقد جمیس کے ساتھ ناجائز تھا کیونکہ ان مین پہلے سے رشتہ داری تھی۔ یہ فقط ایک بہانہ تھا۔ ورنہ ایسی شادیان ہوتی ہی رہتی تھین۔

پوپ نے اس کے بعد ہی ایک اور اعلان شائع کیا کہ ملکہ نیپلز کو کامل آزادی و اختیار ہے کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ عقد کر لے۔ اُس زمانے مین پوپ کی جانب سے ایسے حکمنامون کا جاری ہونا کوئی نئی بات نہ تھی۔ رومن کیتھولک گرجے کے اسقف اعظم ایک طرف تو اس کا سبق دے رہے تھے کہ فقط ایک شادی کی جائے بلکہ جہان تک ممکن ہو شادی کرنے ہی سے پرہیز کیا جائے۔ مگر اس کے ساتھ ہی جہان کہین مذہبی فائدہ نظر آتا تو خود اپنی طرف سے اکثر علانیہ

اور اُمرا کو یہ مشورہ دیتے کہ اپنی شادی شدہ بیویون کو طلاق دے کر چھوڑ دین۔ اور جس سے چاہین شادی کر لین۔ کبھی بادشاہون کی درخواست پر بھی پوپون کی طرف سے ایسی اجازت دے دی جاتی۔

پوپ اربن پنجم نے بھی اپنے اس اختیار سے کام لیا۔ طلاق کی اجازت دینے کے علاوہ ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ پوپ خود ہی کسی عقد کو مسترد قرار دے دیتے۔ اس معاملے مین بھی پوپ نے وہی صورت اختیار کی۔ اور جوانا کے ساتھ جیمس شاہ مجارقہ کا عقد ناجائز قرار دے کر مسترد کر دیا۔

اس کے بعد ہی پوپ اربن کے لیے بڑی مصیبت کا وقت آیا۔ اٹلی کے حکمران یکبارگی اُس کے مخالف ہو گئے۔ اور ہر طرف قتل و خونریزی کا بازار گرم ہو گیا۔ جوانا عیش و عشرت کی دلدادہ تھی۔ اس مصیبت مین جوانا نے اپنے عاشق زار اربن کے ساتھ تکلیفین برداشت کرنے کے بجاے اسے زیادہ مناسب خیال کیا کہ اُسے چھوڑ کے خود اٹلی سے چلی جائے۔ وہ نیپلز مین واپس آکے اپنے درباری امرا کے ساتھ عیش و عشرت مین مشغول ہو گئی۔

اٹلی کے ان چھوٹے چھوٹے حکمرانون کے خلاف پوپ نے اپنا سارا زور اور کل مذہبی اختیارات صرف کر دیے۔ مگر کسی سے کام نہ چلا۔ آخر مجبور ہو کر شہنشاہ چارلس سے مدد مانگی اور وہ بیس ہزار سپاہ کے ساتھ پوپ کی حمایت مین چلا۔ مگر اس کے ہونچنے تک بھی پوپ کو وہان ٹھہرنا خطرے سے خالی نہ نظر آیا۔ وہ جب سے اٹلی مین آیا تھا طرح طرح کی مصیبتین اور پریشانیان ہر وقت موجود رہتی تھین۔ اٹلی کے باشندے جہان یہ دیکھتے کہ کوئی حکمران زیادہ قوی ہوا جاتا ہے۔ اور ہمین دبالے گا فوراً اس کے خلاف ہو جاتے اور کوئی بڑی قوت نہ قائم ہونے دیتے۔ ان فکرون سے پوپ اربن کو ایک دن بھی اٹلی مین آنے کے بعد چین سے بیٹھنا نہ نصیب ہوا تھا۔ اور انھین فکرون مین اس کی صحت خراب ہو گئی تھی۔

اربن کو اب اس کا بڑا افسوس ہوا کہ مین نے ناحق اُس امن و امان کی جگہ اے وگ نن کو چھوڑ کے یہ سب مصیبتین اپنے سر مول لین۔ اسے سرزمین فرانس کے امن پسند اور خوش اخلاق باشندے یاد آنے لگے۔ اور دریاے رون کا وہ دلفریب

کنارہ آنکھون کے سامنے پھرنے لگا جہان وہ خوشنما ندی سرسبز مرغزارون اور زیتون سے ڈھکی ہوئی پہاڑیون مین سے ہوکے گزری تھی۔ اب اُسے یہ معلوم ہوا کہ اس سرزمین کو قدرت نے ہی ایسی اچھی آب وہوا عطا کرکے عیش وعشرت کا گہوارہ بنایا ہے۔

کارڈنل تو پہلے ہی ژوما مین آنے کے خلاف تھے۔ اُن کا یہ زمانہ گویا جلا وطنی مین گزرا تھا۔ سب نے یکزبان ہوکر پوپ کو آے وگ نن واپس چلنے کی صرف رائے ہی نہین دی بلکہ بڑی عاجزی سے درخواست کی۔ آربن دل مین تو یہی چاہتا تھا مگر کوئی بہانہ ڈھونڈھ رہا تھا۔ اتفاقاً اسی زمانے مین فرانس اور انگلستان مین جنگ کے آثار نمودار ہونے لگے۔ پوپ نے کہا کہ مین وہان پہونچ کے دونون سلطنتون مین سمجھوتا کرادون گا۔ یہ خیال ظاہر کرکے پوپ نے آے وگ نن واپس جانے کا فیصلہ کرلیا۔

آے وگ نن سے چلتے وقت پوپ آربن کی جس قدر مخالفت ہوئی تھی اُس سے بہت زیادہ ژوما چھوڑتے وقت ہوئی۔ مگر آربن نے کسی کی پروانہ کی۔ اور آے وگ نن جانے کے لیے پھر اپنی مہربان ملکہ نیپلز سے جہاز مانگے۔ اُسے کیا عذر ہوسکتا تھا۔ وہ تو آربن کی ہر خواہش قبول کرنے کے لیے تیار رہتی تھی۔ فوراً اپنے بے تکلف جہاز بھیج دیے۔ اور پھر دوبارہ پاپائی مع اپنے کل لوازمات کے دریاے ژون کے کنارے سرزمین فرانس مین پہونچ گیا۔ اور آربن بڑی شان وشوکت کے ساتھ آے وگ نن مین داخل ہوا۔ لوگ اُس کے استقبال مین خوشی کے نعرے بلند کر رہے تھے۔

آربن کو یہان آکے خوشی تو ہوئی مگر جتنا زمانہ اٹلی مین گزرا اس مین سے ایک دن بھی اُسے چین سے بیٹھنا نہین نصیب ہوا تھا۔ ان فکرون نے اُسے گھلا دیا۔ اور آے وگ نن آنے کے دو ہی تین مہینے بعد اس نے انتقال کیا۔ اس کے مرتے ہی جوانا کی قوت واقتدار کا خاتمہ ہوگیا۔ تین پوپ جوانا کے سامنے گزرے تھے جن مین سے دو کے زمانے مین دراصل اُسی نے دین مسیحی کی رہبری کی اور سارا اقتدار اسی کے ہاتھ مین تھا۔ جہان وہ کسی سے ناراض ہوئی فوراً ایک پاپائی فرمان اُس شخص کے خلاف جاری ہوگیا۔ اور اکثر امراو جاگیردار محض جوانا کی ناراضی کی بدولت دینی حقوق سے محروم کردیے گئے۔ مگر اس کے بعد اُس کی

ساری قوت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور آخری عمر پریشانیون مین بسر ہوئی۔ چند روز بعد جمیس شاہ مجارقہ کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور جوانا نے اپنا عقد بر کنس وک کے سردار آتھو کے ساتھ کرلیا۔ اس وقت اسکی عمر چھیالیس سال کو پہونچ چکی تھی۔ مگر اب بھی حُسن و دلکشی کا یہ عالم تھا کہ اکثر لوگ اس کے آرزومند تھے۔

دربار پاپائی مین اب بھی اکثر کارڈنل جوانا کے طرفدار اور قدردان تھے۔ جوانا نے اپنی مرضی کے مطابق پھر ایک نیپلز کے پادری نکولاس کو پوپ منتخب کرادیا جس نے اپنا لقب پوپ آربن ششم رکھا۔ مگر افسوس ملکہ کی یہی سب سے بڑی غلطی تھی۔ اس نے نکولاس کو بالکل نہین پہچانا تھا۔ یا اُسے بڑا دھوکا ہوا۔ جیسے ہی نکولاس نے پاپائی اقتدار اپنے ہاتھ مین لیا وہ ملکہ جوانا کے خلاف ہوگیا اور اُسکی ساری مہربانیون اور عنایتون کو بالکل بھلا دیا۔ اس نے ملکہ کے خلاف سختی کا احکام جاری کرنے کا ارادہ کیا تو ایک مشیر کارڈنل نے سمجھایا کہ ملکہ جوانا کی مخالفت ٹھیک نہین کیونکہ دو پوپون کے زمانے مین اُس نے بڑی عمدگی سے گرجے کی خدمت کی ہے اور اسی کے ذریعے سے پاپائی اقتدار کو ترقی نصیب ہوئی۔ مگر اس ناشکرے پوپ نے جواب دیا کہ مین اس ملکہ کی کوئی پروا نہین کرتا۔ اور تم دیکھنا کہ عیش و عشرت کرنے کے بجاے چند روز مین وہ کسی خانقاہ مین بیٹھی چرخا کات رہی ہوگی۔ آربن ششم جوانا کا علانیہ دشمن ہوگیا۔ اور ملکہ کی جانب سے جو سفیر آتا اس کی تحقیر و تذلیل کرتا۔

یہ پوپ عجیب طبیعت کا واقع ہوا تھا۔ اس کی اپنے مشیر کارڈنلون سے بھی نہ بنتی تھی۔ پوپ کارڈنلون کو اپنا غلام سمجھتا اور اس کے برتاؤ کی عام طور پر بھی شکایت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوپ اور کارڈنلون مین مخالفت پیدا ہوگئی کارڈنل اُسے چھوڑ کے چلے گئے۔ اور ایک جگہ جمع ہو کے اُنھون نے جلسہ کیا۔ جس مین یہ طے پایا کہ آربن ششم کا پوپ منتخب ہونا مسترد کردیا جائے اور کوئی دوسرا شخص پوپ منتخب ہو۔

جوانا نے اس وقت نہایت سچائی کے ساتھ اسکی کوشش کی کہ پوپ اور کارڈنلون مین جو جھگڑا پیدا ہوگیا ہے رفع ہوجائے۔ مگر پوپ آربن ششم نے یہ خیال کیا کہ ملکہ ہی کی سازش سے کارڈنلون نے یہ جھگڑا شروع کیا ہے۔ لہذا اُس نے جوانا

کے پاس نہایت ہی سخت الفاظ مین ایک خط لکھا جس مین ملکہ کے عشق و محبت کے گذشتہ واقعات گنوائے تھے۔ لکھا تھا کہ تم ہی نے اپنے پہلے شوہر اَنڈرو کو قتل کیا۔ پھر پوپ کلیمنٹ ششم اور پوپ اَربن پنجم کے ساتھ کیسی شرمناک زندگی بسر کی ہے۔ یہ لکھنے کے بعد پوپ نے اُسے دھمکی دی کہ مین تمھاری کل عشق بازیون کے راز آشکارا کر کے تم کو مذہبی حقوق سے محروم کر دون گا۔ اس خط کے الفاظ ناقابل برداشت تھے اور نیپلز کی ملکہ کے جانب سے بھی ویسا ہی ترکی بہ ترکی جواب دیا گیا۔ اب جوانا نے بھی پوپ سے علانیہ مخالفت اختیار کر لی اور اُن کارڈنلون کی طرفدار ہو گئی جو پوپ سے ناراض ہو کر دربار پاپائی سے چلے آئے تھے۔ اُنھین اپنی سلطنت نیپلز مین پناہ دی اور اُنھون نے مقام فونڈی مین اپنی مجلس قائم کر کے اپنی پہلی تجویز کے مطابق اَربن ششم کے انتخاب کو مسترد کر کے جوانا کے مشورے کے مطابق جینوا کے کارڈنل رابرٹ کو پوپ منتخب کیا۔ جس نے اپنا لقب پوپ کلیمنٹ ہفتم قرار دیا۔

اب مسیحی دنیا مین دو پوپ تھے جو ایک دوسرے کو گالیان دیتے۔ ادھر باہم لڑ رہے تھے۔ اور یورپ مین مذہب کے دو فرقے ہو گئے۔ جوانا کلیمنٹ کی طرفدار تھی۔ جب مقام فونڈی کی حالت غیر محفوظ نظر آئی تو اُس نے جدید پوپ کا دربار ایک دوسرے مقام پر قائم کرا دیا۔ اور چند روز بعد وہ خاص مقام آے وگنن مین پہونچ گیا۔

اَربن ششم نے جوانا کی مخالفت اور اس کے بدنام کرنے مین کوئی بات نہین اُٹھا رکھی۔ یورپ کے بادشاہون سے درخواست کی کہ اس پر فوج کشی کر کے نیپلز کی حکومت سے معزول کر دین۔ اور ون کو تو اتنی غرض نہ تھی مگر جوانا کے پہلے شوہر اَنڈرو کا بھائی لوئی شاہ ہنگری ابھی زندہ تھا۔ اُس نے پہلے ہی ملکہ جوانا کو نیپلز سے نکال باہر کیا تھا۔ مگر پوپ کلیمنٹ ششم کے کہنے سننے سے ملکہ کا علاقہ چھوڑ دیا تھا۔ اس وقت وہ پھر حملہ آور ہوا۔

جوانا کے کوئی اولاد نہین ہوئی۔ اس نے اپنی بھانجی مارگریٹ کی شادی چارلس ڈرازو کے ساتھ کر دی۔ اور چارلس کو اپنا جانشین بھی مقرر کر دیا۔ مگر اُس نے جوانا کے ساتھ دغا کی۔ اس مصیبت مین ملکہ کی مدد کرنے کے بجاے وہ خود بھی نیپلز پر حملہ آور

ہوا۔ اور جوانا اس کے ہاتھ مین گرفتار ہو گئی۔ چارلس یہ چاہتا تھا کہ جوانا اسی وقت تخت سے دست بردار ہو کر اُسے اپنا جانشین بنا دے۔ مگر اُس کی اِس حرکت سے جوانا ناراض ہو گئی۔ اور اُسے اپنی سلطنت نیپلز کی وراثت سے بھی محروم کر دیا۔ چارلس نے جوانا کو ایک قلعہ مین بند کر دیا۔ اور طرح طرح کی تکلیفین دینا شروع کین۔ تاکہ وہ مجبور ہو کر تخت سے دست برداری پر آمادہ ہو جائے۔ مگر جوانا نے کسی طرح نہ مانا۔ اسی قید خانے مین جوانا سو رہی تھی کہ ایک رات کو اس قدر کپڑے اور تکیے اس کے مونھہ پر رکھ کے دبائے گئے کہ اُس کی سانس رک گئی۔ اور اُس کا دم نکل گیا۔

اس افسوسناک طریقے سے اس عیش و عشرت کی دلدادہ حسین ملکہ کا ۱۳۸۲ء مین خاتمہ ہو گیا۔

نجران کے یہود و نصاریٰ کا انجام

سنہ ھ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو تھوڑا لشکر دے کے بنی حارث بن کعب کی جانب روانہ کیا۔ یہ قبیلہ علاقہ نجران مین رہتا تھا۔ جس مین زیادہ تر یہودی اور کچھ مسیحی تھے۔ رسول اللہ صلعم نے حضرت خالد کو یہ حکم دیا کہ وہان پہونچ کر بہ آواز بلند تین دفعہ اُن کو دعوت اسلام دینا۔ اگر وہ اسلام قبول کر لین تو تم خود اُنھین لوگون مین ٹھہر جانا۔ اور اُنھین اسلام کی تعلیم دینا۔ لیکن اگر وہ اسلام نہ قبول کرین تو اُن سے مقابلہ کرنا۔

فرمان رسالت کی تعمیل مین حضرت خالد بن ولید وہان پہونچے دعوت اسلام دی۔ جسے یہودیون نے بخوشی قبول کر لیا۔ اور اسلام لائے خالد اُنھین مین ٹھہر گئے۔ اور رسول مقبول (صلعم) کو اُن کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع کر دی۔

چند روز بعد حضرت خالد وہان سے واپس چلے۔ تو بنی حارث کا ایک وفد اُن کے ساتھ ہوا۔ یہ لوگ بارگاہ رسالت مین حاضر ہوئے۔ اور چند روز بعد واپس گئے۔ رسول اللہ (صلعم) نے عمرو بن حزم کو اُن لوگون

یمن بھیجا کہ شریعت اسلام کی تعلیم دین۔ اور اُن سے صدقات کی رقم وصول کیا کرین۔ عمر بن حزم وہین تھے۔ اور اپنی مفوضہ خدمت انجام دے رہے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے سفر آخرت فرمایا۔

لیکن نجران کے عیسائیون کا یہ واقعہ ہے کہ اُنھون نے عاقب اور سید نام اپنے دو شخصون کو اور چند لوگون کے ساتھ بارگاہ نبوی مین بھیج کر آپ سے مباہلہ کرنا چاہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضیٰ۔ فاطمہ زہرا اور حسنین علیہم السلام کو ساتھ لے کر مباہلے کے لیے نکلے۔ اُن لوگون نے آپ کے اِن نورانی چہرون کو دیکھا تو آپس مین کہنے لگے کہ یہ تو ایسی صورتین ہین کہ اگر اللہ تعالیٰ کو قسم دلائین تو وہ پہاڑون کو بھی ان کی جگہ سے ہٹادے اور اُن کے دلون پر ایسا رعب طاری ہوا کہ مباہلے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور اس اقرار پر صلح کرلی کہ ہرسال دو ہزار حُلے بھیجا کرین گے۔ ان مین سے ہر حلے کی قیمت چالیس درہم ہوا کرے گی۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلعم کے بھیجے ہوے لوگون کی مہمانداری بھی اُنھین کے ذمے ہوگی۔ اس کے معاوضے مین اُن سے وعدہ کیا گیا کہ اُنھین اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دی جائے گی اور اس بنا پر اُن کے ساتھ کسی قسم کی سختی نہ کی جائے گی۔

آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا۔ اُس مین بھی اُن لوگون کے ساتھ یہی برتاؤ رہا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت مین نجران کے مسیحیون کی تعداد بڑھتے بڑھتے چالیس ہزار کو پہونچ گئی۔ اس زیادتی کی وجہ سے آپس مین ہی رقابتین پیدا ہوگئین اور یہان تک حسد بڑھا کہ اُن کے سربرآوردہ لوگ خود ہی حضرت عمر کی خدمت مین حاضر ہوے اور درخواست کی کہ آپ ہمین کہین اور بھیج دیجیے۔ حضرت عمر کو اُن کی کثرت کی وجہ سے مسلمانون کے حق مین اندیشہ نظر آتا تھا۔ اُن کی اس درخواست کو غنیمت جانا۔ فوراً اُن کی کل جائداد اور مال واسباب کی قیمت ادا کردی۔ اور اُنھین شام اور حوالی کوفہ مین جگہ دی۔ جلاوطن ہونے پر بھی وہ مقررہ خراج برابر ادا کرتے رہے۔

حضرت عثمانؓ نے اس خراج مین دو سو حُلّون کی تخفیف کر دی۔ جب حضرت علیؓ کا زمانہ آیا اور آپ نے کوفے کی سکونت اختیار کی تو وہ لوگ آپ کی خدمت مین حاضر ہوے اور اپنے وطن واپس جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ عمرؓ نے جو کچھ کیا مناسب کیا۔ مین اس کے خلاف کوئی بات نہین کرنا چاہتا۔

اس کے بعد حضرت معاویہؓ اور یزید بن معاویہ کا زمانہ ہوا تو اُن کے دربارون مین جا کے ان لوگون نے یہ ظاہر کیا کہ ہماری جماعت منتشر ہو گئی۔ ہم مین سے بہت سے مسلمان ہو گئے۔ اور بہت سے مر گئے۔ یہ واقعہ تھا کہ اب اُن کی تعداد بہت گھٹ گئی تھی لہذا یزید نے دو سو حُلّے اور گھٹا دیے۔

عبدالملک بن مروان کے عہد حکومت مین حجاج والی عراق ہوا۔ عبدالرحمن بن محمد بن اشعث نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ بدقسمتی سے نجرانیون نے بھی عبدالرحمن کا ساتھ دیا تھا۔ اس الزام مین سزا کے طور پہ اُن کے ذمے تیرہ سو حُلّے بڑھا دیے گئے۔

اب عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا۔ یہ لوگ شکایت لے کے اس کے دربار مین پہنچے اور عرض کیا کہ ہم مٹنے کے قریب ہو تخ گئے ہین مگر اس پر بھی یہ آفت ہر کہ بدوی عرب ہمین لوٹا کرتے ہین۔ اور حجاج نے یہ ظلم کیا کہ خراج کی مقدار ناقابل برداشت کر دی۔ عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا کہ ان لوگون کی مردم شماری کی جائے۔ گنے گئے تو پہلے کی نسبت اب اُن کی تعداد صرف دسوان حصہ رہ گئی تھی۔ یہ معلوم ہو گیا تو اس نے کہا کہ مین اس خراج کو جزیہ سمجھتا ہون۔ ان کی زمین پر کوئی محصول نہین ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو کافر مسلمان ہو جائے یا مر جائے اس پر سے جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ لہذا اس نے تخفیف کر کے صرف دو سو حُلّون کا خراج ان کے ذمے باقی رکھا۔

اقیشر ایک مشہور شاعر گزرا ہے۔ غالباً عہد جاہلیت مین پیدا ہوا اور آغاز اسلام مین اس کا نشو و نما ہوا۔ اس کا اصلی نام مغیرہ بن عبداللہ تھا۔ اور کنیت ابو معرض تھی۔ اقیشر اقشر کی تصغیر ہے جس کے معنی سرخ کے ہین۔ اس کا چہرہ سرخی مائل تھا۔ لہذا لقب اقیشر مشہور ہو گیا جس سے وہ برا مانتا اور اگر کوئی اقیشر کہہ کے پکارتا تو بہت ناراض ہوتا۔

اقیشر نے ایک طولانی عمر پائی اور بنی اسد مین بہت اچھا نسب رکھتا تھا۔ سماک بن مخرمہ اسدی نے کوفہ مین مسجد سماک کو حضرت عمر فاروق کے عہد مین تعمیر کیا۔ سماک شیعان عثمان مین تھا۔ اور اُس محلے والے اب تک اسی گروہ مین چلے آتے ہین۔ اہل کوفہ کا بیان تھا کہ حضرت علی نے اُس مسجد مین کبھی نماز نہین پڑھی۔ اور کوفہ والے اب بھی اس مسجد مین جانے سے احتراز کرتے ہین۔ اقیشر اسی سماک کا رشتہ دار تھا۔ اور اس نے اس مسجد کے متعلق کچھ اشعار کہے تھے۔ یہ مسجد سماک کوفے مین بنی اسد کی سب سے بڑی مسجد تھی۔ اقیشر نے اُس مسجد کے متعلق جو اشعار کہے تھے ان کا مطلب یہ تھا کہ بنی دودان ہماری مسجد سے ناراض ہین۔ اور انھین اس پر غصہ آتا ہے حالانکہ یہی مسجد اُن کی شہرت کا ذریعہ ہے۔ اگر کل ہم اُسے ڈھا دین تو ان کا نام ہمیشہ کے لیے مٹ جائے گا۔ اُن کا نام اُسی سے ہے اور وہ اِس کے پڑوس مین رہتے ہین۔ اس کا نام ہمیشہ بنی اسد سے وابستہ رہے گا۔ بنی دودان جب اس مین نماز پڑھین

تو آدھا ثواب ہم بٹا لین گے اس لیے کہ فی مصلّی آدھا اجر مسجد کے حصے کا ہے۔ یہ اشعار سنتے ہی بنی دوداں قسم کھا گئے کہ ہم اسے بغیر مارے نہ رہین گے۔ یہ سن کر اقیشر ان کے پاس گیا اور کہا مین نے ایک شعر ایسا کہہ دیا ہے کہ اس کی ساری خرابیان مٹا دی ہین۔ اور اب تمھین ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہین انھون نے کہا کمبخت تو نے کیا کہا ہے سنا۔ آپ نے ایک شعر پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ بنی دودان سردارون کا قبیلہ ہے اور شرافت وکثرت تعداد ان کا حصہ ہے۔
یہ سن کے وہ لوگ خوش ہو گئے اور اپنے ارادہ سے باز آئے۔

اقیشر کوفے کا رہنے والا تھا۔ مگر ساری عمر اپنی برادری سے الگ بے عزت اور دائم الخمر رہا۔ چنانچہ خود اپنی تعریف مین کہتا ہے کہ ابو معرض بہترین شراب پیتا ہے اور اس کے پینے کے بعد عقلمند خطیب بن جاتا ہے۔ لیکن اگر نشے نے لگی کی تو پھر بغیر پیے نہین رہا جاتا۔ ابو معرض حرام کو حلال کر لیتا ہے۔ اور قبیلے کی برادری سے باہر ہے۔ وہ بڑون کی تعریف کرتا ہے اچھون کی خدمت کیا کرتا ہے اور چاہے وہ لوگ اسے درگزر کر دین۔ مگر ابو معرض کبھی درگزر نہین کر سکتا۔

ایک دن اقیشر مقام دیر حیرہ مین سے گزر رہا تھا۔ راستے مین ایک مقام تھا جہان قبیلۂ بنی عبس کے لوگ بیٹھ کے آپس مین باتین کیا کرتے تھے۔ گویا وہ ان کا کلب تھا۔ ندیمان صحبت مین سے ایک نے چھیڑنے کے لیے اس کا نام لے کے پکارا مشہور تھا کہ جب کوئی شخص اس کا نام لے کے پکارتا ہے تو اُسے غصہ آجاتا ہے۔ معززین قبیلہ مین سے بعض لوگون نے اس پکارنے والے کو منع کیا اور جھڑک دیا۔ مگر اقیشر بغیر جواب دیے آگے بڑھا چلا گیا۔ پھر ایک شخص کو ساتھ لیا۔ اس کو سکھا دیا کہ تم میرے ساتھ رہو۔ جب مین کوئی شعر پڑھون تو تم اس کے بعد سوال کر دیا کرو کہ کیون؟ اس کے معاوضے مین تمھین دو درہم دون گا۔ اس شخص کو ساتھ لے کے اسی بیٹھکے کی جانب واپس آیا۔ پاس کھڑے ہو کے ایک ایک کو بڑے غور سے دیکھا اور اس نوجوان کو پہچان لیا جس نے اسے پکارا تھا۔ اس کی طرف متوجہ ہو کے ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ تو نے مجھے اقیشر کہہ کے پکارتا ہے۔ یہ تو میرا نام ہی ہے۔ مگر مین نے تجھے چراغ بجھانیوالی

کا بیٹا کہہ کے پکاروں گا۔ ساتھ والے شخص نے حسب قرار داد پوچھا کیون؟ اس کے جواب مین ایک اور شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ رات کے وقت اپنے یار کو چپکے سے بلاتی ہے اور کوئی نہین جانتا کہ کیون بلاتی ہے۔ یہ شعر اس قدر مشہور ہوے کہ اسی دن سے اس نوجوان کا لقب "ابن مطفیۃ السراج" یعنی "چراغ بجھانے والی کا بیٹا ہو گیا۔

ابوالمضا نام ایک شخص تھا جو خچرون کو کرایہ پہ چلاتا تھا۔ اقیشر کا معمول تھا کہ اس کا خچر کرایہ کر کے حیرہ کے مے فروشون کے پاس جایا کرتا۔ یونہین ایک دن ابوالمضا کے پاس آیا کہ اسکے خچر کو کرایہ کرے۔ اتفاق سے اس وقت وہان ایک تمیمی شخص بیٹھا ہوا تھا اقیشر کے جانے بعد اس نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ ابوالمضا نے کہا اقیشر۔ اس تمیمی نے یہ سنتے ہی ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ سامنے ایک ترازو پڑی تھی اسی کو اٹھا لیا اور ایک پلڑے پر ایک شعر لکھ دیا۔ جس مین اقیشر اور اسکے قبیلے کی مذمت تھی اور کہا جب اقیشر آئے تو اسے یہ شعر ضرور دکھا دیجیے گا۔ چنانچہ جب اقیشر آیا تو ابوالمضا نے کہا پلڑے پر جو کچھ لکھا ہوا ہے اس کو ذرا پڑھ لیجیے۔ اقیشر نے اس شعر کے نیچے اپنے دو شعر اس تمیمی شخص کی ہجو مین لکھ دیے۔ اس کے بعد جب تمیمی آیا تو اس کو وہ شعر دکھائے گئے۔ اس نے ان دونون شعرون کے نیچے ایک اپنا شعر اور لکھ دیا۔ اور پہلے سے زیادہ ہجو کی۔ اب کی جو اقیشر نے پڑھا تو کہا کہ یہ یون نہ مانے گا۔ اور چھ سات شعرون مین ایسے فحش طریقے سے اس کی مذمت کی اور ایسی خبر لی کہ وہ پڑھ کے بیتاب ہو گیا۔ کچھ جواب تو بن نہ پڑا مگر اپنی قوم والون مین دوڑا گیا اور بہت سے تمیمیون کو ساتھ لے کے پہونچا کہ اقیشر کی خوب مرمت کرے۔ لیکن اور بہت سے لوگ اٹھ کھڑے ہوے۔ اور بیچ مین پڑ کے صلح کرا دی۔

عبدالملک بن مروان کے سامنے اقیشر کے بعض اشعار گائے گئے جو مصعب ابن طلحہ کی مدح مین تھے۔ عبدالملک انھین سنتے ہی بیتاب ہو گیا۔ کنیز سے پوچھا یہ اشعار کس کے ہین۔ بولی اقیشر کے۔ یہ سن کے عبدالملک نے کہا جو مدح بغیر لالچ کے کیجائے ایسی ہی موثر ہوتی ہے۔ یہ بالکل مطابق واقعہ ہے۔ سر مو فرق نہین اور اس وقت سب سے بڑا شاعر اقیشر ہے۔

ایک سفر مین اقیشر اور کمیت بن زیاد کا ساتھ ہوا۔ کمیت نے پوچھا ابو معرض (اقیشر کی کنیت) کہان کا ارادہ ہے۔ اقیشر نے نظم مین جواب دیا۔ ان اشعار کو سن کے

کمیت کا یہ حال ہوا کہ بار بار پڑھوا تا اور خود پڑھتا تھا۔ مگر جی نہ بھرتا تھا۔ آخر مین کہنے لگا کہ جس کسی نے تمھین سب سے بڑا شاعر بنایا وہ جھوٹا نہین ہے۔

زیاد عصفری کی بیٹی مر گئی جنازے کی مشایعت مین اور دفن کے ساتھ اقیشر بھی گیا۔ اُسے دفن کر کے واپس آ رہا تھا کہ عابس نام ایک غلام ملا۔ اُس نے پوچھا کچھ کھانے پینے کا بھی جی چاہتا ہے۔ کہا بیشک۔ عابس اِن کو اپنے گھر لے گیا۔ کھلایا اور شراب پلائی۔ جب ذرا سرور ہوا تو آپ نے برجستہ دو شعر پڑھے۔ جن کا مطلب یہ تھا کہ خدا کرے زیاد کی بٹیان روز مرا کرین اور عابس یونہین روز دعوت کیا کرے یاس کے بعد امید اور آرزو کی تصویر آج ہی نظر آئی۔

ایک دن حیرہ کے ایک مے فروش کے ہان اقیشر نے خوب پی۔ مگر پی ہی رہے تھے کہ محتسب کے آدمی آ پہونچے۔ اقیشر بھاگ کے گھر کے اندر گھس گیا۔ اور دروازہ بند کر کے چلایا کہ مین تو شراب نہین پی رہا تھا۔ مجھے پکڑنے کی کیا وجہ ہے۔ انھون نے کہا ہم نے تمھین جام ہاتھ مین لیے اور اس کو منھ سے لگا کے پیتے دیکھا ہے۔ کہا تم نے دیکھا تو ضرور مگر مین تو اس گھر والے کی اونٹنی کا دودھ پی رہا تھا۔ اُنھون نے کہا ہم ہرگز نہ مانین گے۔ آخر بہ ہزار خرابی دو درہم لے کے ٹلے۔ آپ نے برجستہ تین شعر کہے جن کا ماحصل یہ تھا کہ ہمارے پینے کا دودھ بوتل مین بھرا ہوا ہے اور اس مین پانی کی آمیزش کر دیجیے تو اور اچھا ہو جاتا ہے۔ یہ زعفرانی دودھ ہے جس کی رنگت خوب صاف ہے۔ نخوت گناہ کے بواسیر کا علاج ہے۔ ہم تو اپنا روپیہ صرف کر کے پیتے ہین۔ محتسب کے آدمیون سے کہو کہ یہ کیا اندھیر مچا رکھا ہے۔

ایک مرتبہ قبیلۂ بنی اسد کے چند لوگ عبدالملک بن مروان کے دربار مین حاضر ہوے۔ اس نے پوچھا بتاؤ تمھارا شاعر کون ہے۔ انھون نے کہا ہم مین بہت سے شاعر ہین مگر لوگ یہ پسند نہین کرتے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دین۔ عبدالملک نے کہا اچھا بتاؤ اقیشر کیسا ہے؟ جواب دیا وہ تو مر گیا۔ عبدالملک نے کہا نہین وہ تو آج تک اپنی عشق بازیون مین مصروف ہے اُس کے بعد اگر تم مین کوئی شاعری کرے گا تو اپنی اوقات ضائع کرے گا۔ یہ کہہ کے عبدالملک نے اقیشر کے تین شعر پڑھے اور کہا دیکھو شعرا سے کہتے ہین۔

اقیشر کے پڑوس مین ایک آنے والا رہتا تھا جو لین دین کرتا تھا۔ ابو عائشہ

اس کی کنیت تھی اُقیشر نے اس کے پاس جاکے کچھ مانگا۔ اس نے دینے سے انکار کیا۔ آپ نے آتے ہی اس کی ہجو مین دو شعر کہہ ڈالے جن کو سنتے ہی وہ گھبرا کے دوڑا آیا۔ جو کچھ اُنھون نے مانگا تھا پیش کر دیا اور کہا ”اب اِن شعرون کے بعد اور کوئی شعر آپ نہ فرمایئے گا۔“

ایک اعرابی جو بنی تمیم مین سے تھا اکثر اُقیشر کے ساتھ تمسخر کیا کرتا تھا اُس نے اِن کی مخالفت مین چند شعر بھی کہے۔ سُن کے اُنھون نے پوچھا تو کس قبیلے مین سے ہے اُس نے بتایا کہ مین بنی تمیم مین کا ہون۔ اُقیشر نے فوراً اسی قافیے مین اُس کی ہجو کہی جس کا اثر یہ ہوا کہ معززین بنی تمیم اِن کے پاس دوڑے آئے۔ معذرت خواہ ہوے اور ان زبان درازیون سے اُنھیں روکا۔

ایک مرتبہ اُقیشر نے حیرہ کے ایک مقام مین شراب پی۔ وہان ایک درزی بیٹھ کے سیا کرتا تھا۔ اس کے پاس ایک اندھا بیٹھا ہوا تھا اور ایک مغنی کچھ گا رہا تھا اُقیشر اس کے نغمے سے اس قدر خوش ہوے کہ اپنے پاس سے اُسے شراب پلوائی جب سب کا نشہ زور دن پر ہوا تو اندھا اُٹھ کے دوڑنے لگا۔ اور درزی بیٹھے بیٹھے ناچنے لگا اُقیشر نے برجستہ چند ایسے اشعار کہے جو نہایت ہی لطیف تھے اور چند ہی روز مین ہر جگہ مشہور ہو گئے۔

اُقیشر کے یہان ہمیشہ شراب کا دور چلتا رہتا۔ اور ندیان صحبت جمع ہوتے۔ حجاج نے سنا تو اس صحبت کے بعض لوگون کو پکڑ بلایا۔ صحبت درہم برہم ہو گئی بعض بھاگ کھڑے ہوے۔ بعض مر گئے۔ اور بعضون نے توبہ کر لی۔ اس واقعہ کو بھی اُقیشر نے اپنی ایک نظم مین نہایت لطف سے ظاہر کیا ہے۔

اُقیشر کا معمول تھا کہ پانچ درہم سے زیادہ کسی سے نہ مانگتا۔ ان مین سے دو درہم خچر کے کرایے مین صرف ہوتے۔ دو مین شراب اُڑتی۔ اور ایک سے کھانا چلتا اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اُقیشر کے پڑوس مین ابو المضاء نام ایک شخص رہتا تھا۔ جس کے خچر کرایہ پر چلتے تھے۔ اُقیشر دو درہم دے کے اس سے خچر لیتا۔ سوار ہو کے حیرہ مین پہونچتا۔ کلوار کے گھر مین پہونچ کے خچر کو کسی درخت مین باندھ دیتا۔ اور بیٹھ کے پیتے پیتے شام کر دیتا۔ شام کو اسی خچر پر سوار ہو کے گھر واپس آتا۔ لوگون مین مشہور

تھا کہ اقیشر نے اس خچر کا اتنا کرایہ دیا کہ اس کی قیمت سے زیادہ ادا کر دیا۔ اس خچر کی طرف مخاطب ہو کے اُس نے ایک نظم بھی کہی ہے جس مین اپنی میکشی کی شان دکھائی ہے۔

معمول کے مطابق ایک دِن حیرہ مین کلوار کے گھر پہونچا تو اس کا پتہ نہ تھا۔ بیٹھ کے انتظار کرنے لگا۔ اتنے مین بنی عباد کی ایک عورت اس مکان مین آئی! اقیشر نے پوچھا مے فروش کہان گیا۔ وہ بولی کسی کام کو گیا ہے۔ مین اس کی بیوی ہون تم کیا چاہتے ہو۔ کہا نبیذ (ایک قسم کی شراب) چاہیے۔ اس نے پوچھا کتنے کی؟ کہا دو درہمون کی۔ وہ بولی لاؤ۔ درہم لاؤ۔ مین لائے دیتی ہون۔ اُنھون نے درہم دیدیے۔ مگر وہ نبیذ لینے چلی تو احتیاط کے لیے خود بھی اُس کے پیچھے ہو لیے۔ آخر جاتے جاتے وہ ایسے مکان مین داخل ہوئی جس کے دو دروازے تھے۔ یہ اس مکان مین ایک جگہ بیٹھے رہ گئے۔ اور وہ دوسرے دروازے سے نکل کے غائب ہو گئی۔ اُنھین جب بیٹھے بیٹھے دیر ہوئی تو اس گھر والون مین سے ایک شخص قریب آیا اور پوچھا کیون بیٹھے ہو۔ اُنھون نے ساری سرگزشت بیان کی اُس نے سن کے بڑا افسوس کیا اور کہا وہ تم کو دھوکا دے کے دوسرے دروازے سے نکل گئی۔ یہ اُم حنین نام ایک بڑی مکار عورت ہے جو بنی عباد مین سے ہے۔ اب آپ سمجھے کہ مین فریب مین آگیا۔ اس مکان سے نکل کے کلوار کے پاس آئے اس سے واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اب آج تو مفت پلواکے مزا کرادو۔ کل دام دے دیدون گا۔ اس نے بقدر ضرورت نبیذ پلادی اور اُنھون نے اپنے دو درہمون کے ماتم مین ایک نظم کہہ ڈالی۔ بعض راوی بیان کرتے ہین کہ اس کلوار کا نام حنین تھا۔ اور اسی رعایت سے اُس مکار عورت نے اپنا نام اُم حنین بتادیا۔ اس نظم مین اُنھون نے اُم حنین کا نام لے کے برا بھلا کہا تھا۔ لہذا جب حنین کلوار کے پاس پھر آئے تو اُس نے کہا کہ میرا کیا قصور تھا جو آپ نے میری اور میری مان کی ہجو کہہ ڈالی۔ آپ نے کہا کہ اُس مکار عورت نے مجھ سے دو درہم لے لیے اور شراب نہ دی۔ اس نے کہا خدا کی قسم میری مان آپ کو پہچانتی بھی نہین اور نہ اس نے کچھ آپ سے لیا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی مان کو بلالایا اور کہا دیکھیے ان کو آپ نے درہم دیے ہین یا کسی اور کو۔ آپ نے دیکھ کے

کہا مین انھین کیا جانون۔ مین نے تو ام جنین کو درہم دیے ہین۔ اُسے اور اُس کے بیٹے کو گالیان دیتا ہون۔ ام حنین اگر کوئی اور عورت ہے تو میری مراد اُس سے ہے۔ اور اگر تمھاری مان ہے تو وہی سہی۔ مین اسکو کیا کرون۔ اس نے کہا یہ تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ جس نے آپ کو دھوکا دیا وہ میری مان نہ تھی۔ مگر اس ہجو کا اثر تو مجھ پہ اور ان پہ پڑتا ہی۔ جواب دیا تو کیا تم جانتے ہو کہ میرے یہ دو درہم یونہین جاتے رہین گے؟ اُس نے پریشان ہو کے کہا خدا تمھین غارت کرے لو اپنے دو درہم مجھ سے لے لو اور بھی جو کچھ کہو پورا کرنے کے لیے تیار ہون۔ مگر میری جان چھوڑ دو۔

عریان بن ہیثم نخعی اقیشر کا دوست تھا۔ اس نے کہا اقیشر مین شام کے ملک مین جانا چاہتا ہون۔ مجھے اپنے چند پُرلطف اشعار لکھوا دو۔ انھون نے لکھوا دیے۔ وہ شام گیا بہت سی دولت حاصل کی اور ایک غلام کے ہاتھ پچاس درہم ان کے پاس بھجوائے غلام نے آکے درہم اُنھین دکھائے۔ اور کہا یہ پچاس درہم دیتا تو ہون مگر اس شرط سے کہ آپ عریان کی ہجو کہہ دیجیے۔ اس لیے کہ حساب سے جتنا آپ کو ملنا چاہیے اتنا اُس نے نہین دیا ہے۔ آپ نے بے تکلف عریان کی ہجو مین تین شعر اسی وقت کہہ دیے اور درہم لے لیے۔ اتفاق سے عریان کا باپ ہیثم کوفے کا کوتوال تھا پہلے آپ کو اس کا خیال نہ آیا تھا۔ اب ان اشعار کا غلغلہ ہوا تو آپ ڈرے کہ دیکھیے کیا کرتا ہی۔ مگر ہیثم نے جب وہ اشعار سنے تو پانسو درہم ان کے پاس اور بھیج دیے اور درخواست کی کہ للہ میرے بیٹے کی جان چھوڑ دیجیے اور اب اُس کی ہجو نہ کہیے گا۔

حضرموت کے ایک شخص نے جو کوفے مین رہتا تھا بنی اسد کی ایک عورت سے نکاح کا پیام دیا اور ادھر اُدھر لوگون سے اس عورت کا حسب نسب دریافت کرنے لگا۔ اقیشر کے پاس بھی آیا اور اُس عورت کی کیفیت پوچھی کیونکہ یہ بھی بنی اسد مین سے تھے۔ انھون نے پوچھا تم کون ہو۔ اُس نے کہا مین حضرموت کا رہنے والا ہون۔ یہ سنتے ہی آپ نے دو شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ اہل حضرموت ہمارا نسب دریافت کرتے ہین حالانکہ ہمارا ہی نسب حضرموتیون کے لیے مایۂ ناز ہے۔ بندرون کے بھائی جن کے تمام بندر چچا ہین۔ سب اہل عرب خدا سے یہی دعا مانگتے ہین کہ

تمھاری قرابت سے بری رہین۔

اقیشر سے ایک دن ان کی پھوپھی نے کہا کہ خدا سے ڈرو اور اُٹھ کے نماز پڑھو۔ کہا نماز تو نہ پڑھون گا۔ اس نے بار بار تاکید کی کہ نہین پڑھنا ہو گی کہا تو اچھا دو باتون مین سے ایک اختیار کر لو۔ یا تو نماز پڑھون گا اور طہارت نہ کرون گا۔ اور یا طہارت کرون گا تو نماز نہ پڑھون گا۔ ان کی پھوپھی نے کہا کہ یہ شرطین لازمی ہین تو بے وضو ہی پڑھو۔ مگر پڑھو ضرور۔

ایک دن حیرہ والے مے فروش کے گھر مین آپ پی رہے تھے۔ ناگہان محتسب کا ایک آدمی آ گیا۔ آپ گھبرا کے مکان کے اندر گھس گئے۔ اور دروازہ بند کر لیا۔ اس نے چلا کے کہا اچھا تم شوق سے پیو۔ مگر نبیذ کا ایک جام مجھے بھی پلوا دو۔ آپ نے کہا مجھے بخدا تمھارا اعتبار نہین لیکن اس دروازے مین سوراخ موجود ہے۔ نیچے بیٹھ جاؤ مین یہین سے پلائے دیتا ہون۔ وہ بیٹھ گیا اور آپ نے نرکل کی ایک چونگلی مین سے اُسے نبیذ پلائی یہان تک وہ پیتے پیتے مدہوش ہو گیا۔ اس واقعے کو بھی آپ نے نظم کیا ہے۔

اقیشر نے ایک دن محمد بن اشعث کے بیٹے قیس کے پاس جا کے جو نابینا تھا کچھ مانگا۔ اُس نے اپنے داروغہ کو حکم دیا کہ انھین تین سو درہم دیدو۔ آپ نے کہا مجھے اکٹھا نہ دیجیے۔ داروغہ صاحب سے کہہ دیجیے کہ مجھے تین درہم روزانہ دیدیا کرین۔ اُس نے یہی حکم دیدیا۔ اس کے بعد آپ روز داروغہ کے پاس جاتے اور تین درہم لے آتے جن مین سے ایک شراب پینے مین ایک کھانے مین اور ایک کرایہ مین صرف ہوتا۔ جب یہ رقم پوری صرف ہو گئی تو آپ نے پھر اُس سے سوال کیا۔ اُس نے پھر تین سو درہم اسی مد مین دلوا دیے۔ وہ رقم بھی صرف ہو گئی تو تیسری بار گئے اس نے پھر وہی رقم دیدی اور پھر صرف ہو گئی۔ چوتھی بار پہونچے اور سوال کیا۔ اس نے بگڑ کے کہا تم نے یہ اپنا خراج مقرر کر لیا ہے؟ جاؤ اب مین کچھ نہین دیتا۔ آپ جوش مین بھرے ہوے واپس چلے اور اُس کی ہجو کہہ ڈالی۔ وہ اشعار جب قیس تک پہونچے تو اُس نے کہا اقیشر کی زبان سے دنیا مین کوئی اور بچا ہوتا تو مین بھی بچ جاتا۔

کوفہ کے بعض لوگون مین ایک دن ابوبکرؓ عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ کے بارے مین نزاع ہوئی اور جھگڑا کسی طرح طے نہ ہوتا تھا۔ آخر سب نے اس پر اتفاق

کیا کہ اس وقت جو کوئی پہلے سامنے آجائے اسی کو حکم قرار دیں اور وہ جو فیصلہ کرے اُسے مان لیں۔ ناگہان سامنے سے میان اقیشر صاحب دکھائی دیے جو نشے مین جھومتے چلے آتے تھے۔ ان کی صورت دیکھتے ہی سب نے کہا دیکھیے حکم کیسا معقول ملا ہے۔ مگر چونکہ اسی پر فیصلہ ہو چکا تھا سب نے بڑھ کے کہا آبو معرض ہم نے آپ کو حکم قرار دیا ہے۔ پوچھا کس بارے مین؟ لوگون نے واقعہ بیان کیا۔ آپ ذرا اٹر کے اور اس کے بعد ہی سر اُٹھا کے تین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ جب مین ہر روز پانچ نمازین پڑھ لیتا ہون تو خدا میرے گناہون کو معاف کر دے گا۔ مین پروردگار عالم کا شریک کسی کو نہین بتاتا اور مین ایک ایسے حق کو پکڑے ہون جس مین کوئی پوشیدہ چیز نہین۔ راستے مین جو عمارتین ملتی ہین اگر مین اُنھین نہ دیکھون تو مجھے معاف کرو۔

اقیشر نے اپنے چچا کی بیٹی رَباب کے ساتھ چار ہزار یا بقول بعض دس ہزار درہم مہر پر نکاح کیا اور مہر کی رقم مانگنے کے لیے اپنے قبیلے والون کے پاس آئے۔ مگر کسی نے کچھ نہ دیا۔ تب ابن رأس البغل کے پاس گئے جو ملک حِیرہ کا ایک زمیندار اور مجوسی مذہب کا تھا۔ اُس نے مہر کی پوری رقم دیدی۔ آپ نے خوش ہو کے چند شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا۔ رَباب کا مہر ایک مجوسی نے ادا کیا اور اس پر ماموں اور چچا سب قربان ہین۔ مجھے اس کا اقرار ہے کہ تو بڑا خوش اخلاق ہے۔ اور تیرا باپ کریم اور فیاض تھا۔ اور اس کا بھی مجھے اقرار ہے کہ تو سارے اہل دوزخ کا سردار ہے۔ قارون کے گڑھے مین تو اُس کا پڑوسی ہو اور فرعون کا تیرا ساتھ ہو۔ مجوسی زمیندار نے جب یہ اشعار سُنے تو بہت بگڑا اور کہا کم بخت تو اپنے قبیلہ مین گیا۔ وہان کسی نے تجھ کو کچھ نہ دیا۔ تب میرے پاس آیا۔ مین نے جس قدر رقم کی ضرورت تھی سب دیدی تو اس کا بدلہ یہی ہے کہ تیرے شعر اور تیری خباثت سے مین بھی نہ بچ سکا۔ جواب دیا کیا تم اس سے خوش نہین ہوے کہ مین نے تمھین ابوجہل سے بھی بڑھا کے بادشاہون کے برابر بٹھا دیا۔

ایک دن اقیشر نے ایک کلوار کے پاس بیٹھ کے شراب پینا شروع کی۔ یہان تک کہ ایک پیسہ بھی باقی نہ رہا۔ تب آپ نے اپنے کپڑے اُتار کے سب کلوار کے حوالے کر دیے اور اُن کی قیمت کی بھی پی گئے۔ پھر برہنگی چھپانے کے لیے بھوسے کے ایک انبار مین گھس کے بیٹھ رہے۔ سر اوپر نکلا تھا اور باقی سارا جسم اس کے اندر تھا۔

اتنے مین ایک شخص اپنی کوئی کھوئی ہوئی چیز ڈھونڈھتا آیا۔ آپ نے بے اختیار دعا مانگنا شروع کی یا اللہ ہمین بچانا اور اس شخص کا جو کچھ کھو گیا ہو ل جائے یہ دعا سن کے کلوار نے جھنجھلا کے کہا تمھارے پاس اب رہا ہی کیا ہے جس کو اللہ بچائے گا۔ بولے یہ بھوسہ نہین ہے۔ اگر اسے کوئی لے لے تو سردی سے اکڑ کے مرجاؤن گا۔ اس پر مے فروش کو ہنسی آگئی۔ کپڑے ان کے حوالے کر دیے اور کہا بس اب تشریف لے جائیے جب پیسہ پاس ہو تو آیئے گا شراب کی قیمت مین آپ کے کپڑے مین پھر کبھی نہ لون گا۔

ایک دن آپ نشے مین بدمست جارہے تھے راستے مین ہیثم نام ایک شخص ملا جو کوتوالی کے عہدہ پر مامور تھا۔ اس نے اپنے سامنے بلایا اور کہا تم نشہ مین ہو۔ کہا جی نہین تو اس نے کہا اور یہ مونہہ سے بو کیسی آرہی ہے کہا مین نے سیب کھایا تھا اس کی بو ہے۔ اس جواب پر وہ ہنس پڑا اور کہا اچھا نشہ مین نہین ہو تو بتاو دن مین کے رکعتین پڑھتے ہو۔ آپ نے برجستہ سات شعر پڑھے جن مین عجب لطف اور بے ترتیبی اور غلطی کے ساتھ دن بھر کی نمازین اور رکعتین بتائین یہ سُن کے ہیثم نے کہا جی ہان آپ نے نمازین بتادین۔ امتحان مین کامیاب ہوے اور ٹھنڈے ٹھنڈے تشریف لے جائیے۔

ایک مرتبہ اقیشر خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دربار مین پہونچ گئے۔ اس نے کہا شراب کے بارے مین اپنے کچھ اشعار سناؤ۔ آپ نے سُنائے۔ عبدالملک نے داد دی اور کہا آبو معرض خوب کہا ہے اور شراب کی ایسی اچھی تعریف کی ہے کہ مجھے معلوم ہوتا ہے تم نے پی ضرور ہے۔ کہنے لگا اور امیرالمومنین آپ کے اِس پہچان جانے سے بہ خدا مجھے آپ پر بھی یہی شبہ ہوتا ہے۔

اقیشر کا معمول تھا کہ اپنے بعض دولتمند بھائیون کے پاس جا کے مانگ لایا کرتے۔ اسی معمول کے مطابق ایک شخص کے پاس گئے۔ اس نے پانسو درہم دیے۔ اُنھین لے کے سیدھے شراب خانے مین پہونچے اور وہ رقم مے فروش کے پاس رکھوا کے کہا لو اسے میرے حساب مین جمع کر لو۔ اسی مین سے روز مجھے جتنی شراب مانگون دے دیا کرو۔ اب آپ کے کئی دوست

پیدا ہو گئے جن کو آپ روز پلواتے اور خود بھی پیا کرتے۔ وہ رقم ختم ہو گئی۔ اس کے بعد دو دن تو یہ ہوا کہ اُن دوستون نے اپنے پاس سے اِنھین پلوا دی۔ مگر تیسرے دن جو اُنھین دور سے آتے دیکھا تو اُن دوستون نے مے فروش سے کہا کہ ہم جاتے ہین تمھارے کوٹھے پر بیٹھین گے۔ اقیشر ہمین پوچھے تو کہہ دینا وہ آج نہین آئے۔ چنانچہ جیسے ہی اقیشر وہان پہونچے اس نے کہا آج تمھارے دوست نہین ہین۔ اب نے یہ دیکھ کے کہ کوئی پلوانے والا نہین ہے اپنے کپڑے اتار کے اس کے سامنے ڈال دیے اور کہا لو انھین رکھو اور جتنی انگور پلا دو۔ اس نے شراب دیدی اور آپ بیٹھ کے پینے لگے۔ آپ نے دوستون کو کوٹھے پر جاتے دیکھ لیا تھا۔ جب اقیشر کا نشہ تیز ہوا تو آپ نے تین شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ دوستو جام پر جام پلاؤ یہان تک کہ مین مدہوش ہو کے گر پڑون اس لیے کہ میرے سر پر کوٹھے کے کمرے مین ایسے لوگ بیٹھے ہوے ہین جو آدمیون کو فریب دیتے ہین۔ وہان بیٹھے خالص شراب تند پیتے ہین۔ مگر مکاری سے سر نہین اُٹھاتے۔ یہ شعر جو اُن دوستون کے کان مین پہونچے تو وہ بے اختیار ان کی خوشامد کرنے لگے اور وہین سے چلا کے کہا آؤ اقیشر آؤ۔ ادپر چڑھ آؤ یا کہو تو ہم نیچے اُتر آئین۔ یہ سن کے اقیشر ادپر چڑھ گئے۔ اور اُن کی صحبت مین بیٹھ کے پینے پلانے لگے۔

اقیشر نے ایک مرتبہ بشر بن مروان کی تعریف مین قصیدہ کہا اور اس کے پاس جا کے سنایا۔ اُس وقت وہان ایمن بن خریم اسدی بیٹھا ہوا تھا۔ بولا کلام تو بخدا بہت اچھا ہے مگر جس سینے سے نکلا ہے وہ ناپاک ہے۔ اس کے جواب مین اقیشر نے ایک شعر پڑھا اور اپنے گھر واپس چلا آیا۔ پھر اپنے چچا کو بشر کے پاس بھیجا۔ وہ وہان سے ایک ہزار درہم لے آیا اور اقیشر سے کہا خدا کی قسم یہ رقم مین تمھارے ہاتھ مین نہ دون گا۔ تم شراب و کباب مین اڑا دو گے۔ پوچھا کہ پھر آپ کیا کیجیے گا۔ کہا تمھارے اور تمھارے بال بچون کے کپڑے بنا دون گا اور تمھارے لیے سال بھر کی غذا فراہم کر دون گا۔ یہ سن کے اقیشر خاموش ہو رہا۔ مگر دوسرے دن خود بشر کے پاس پہنچے اور ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا کہ ابو مروان (یہ بشر کی کنیت تھی) کو خبر کر دو کہ اُن کے دیے ہوے انعام کو وہ شخص لے گیا جو میرے اہل و عیال مین نہین داخل ہے۔ اس نے واقعہ پوچھا تو سارا

ماجرا بیان کر دیا۔ بشر نے فوراً کو توال کو بھیج کے ان کے چچا کو پکڑ بلایا۔ اُن سے وہ ہزار درہم چھین کے اقیشر کے حوالے کر دیے اور کہا لو یہ خاص تمھارے لیے ہین اور تمھارے بال بچون کی خبر گیری کے ہم جداگانہ متکفل ہین۔

ایک مرتبہ اقیشر حیرہ کی ایک کلوارن کے پاس پہونچے جس کا نام دومہ تھا۔ اس کے پاس جا کے بیٹھے اس سے نبیذ خرید کے پی اور اس کے بعد کہنے لگے کہ اچھی پلاؤ کہ تمھاری تعریف بھی ویسی ہی اچھی کر دون۔ اس نے منتخب شراب لا کے پیش کر دی۔ اُنھون نے پی۔ بہت خوش ہوے اور اس کی تعریف مین تین شعر کہہ دیے جن کا مضمون یہ تھا کہ دومہ تیرا شراب خانہ آباد رہے بیمار و ناتوان بھی آتا ہے تو تو اُسے اپنی شراب پلا کے تازہ دم کرتی اور اس کے پیٹ مین شیطان رجیم کو پھونک دیتی ہے۔ دومہ اس پر بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی نہ تو اس سے اچھی میری کوئی تعریف ہو سکتی ہے اور نہ اس سے زیادہ مین کسی تعریف سے خوش ہو سکتی ہون۔

معرف نام ایک تمیمی شخص والی کوفہ مقرر ہوا۔ جب وہ تقریر کرنے کے لیے منبر پر چڑھا تو اس کے چڑھتے ہی منبر ٹوٹ گیا اور وہ گر پڑا۔ اقیشر کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ برجستہ دو شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ اے بنی تمیم منبر تمھارے لیے نہین ہے اور اُسے تمھارے نیچے قرار نہین آتا۔ تمھارے جسم تمام منبرون کو ناگوار ہین۔ بنی خزیمہ کو بلاؤ کہ منبر کو زینت دین۔

بنی محارب مین سے ایک شخص جس کا نام قریظہ بن لقیظہ تھا اقیشر کے پاس سے ہو کے گذرا۔ اقیشر اس وقت اپنے قبیلے والون یعنی جوانان بنی اسد مین بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس شخص کو پہچانتا تھا۔ لوگون نے پوچھا اس شخص کا نام کیا ہے؟ آپ نے نظم مین جواب دیا۔ کس مین اتنی طاقت ہے کہ اس کا نام لے اور بڑے بڑے عقلمند اس کا ذکر کرنے سے عاجز ہین۔ لوگ ہنسے اور کہا ماشاءاللہ نام بتانے مین کون سی دشواری ہے کہا اُن کے نام و نسب اتنے بڑے ہین کہ ایک دن مین ختم ہی نہین ہو سکتے۔ کہو تو آج نام بتاؤن اور کل نسب بتا دون گا۔ اُنھون نے کہا اچھا آج نام بتاؤ۔ اُنھون نے بتایا قریظہ۔ پاس بیٹھنے والون مین سے کسی نے کہا قریظہ کا بیٹا؟ اقیشر نے کہا سچ کہتے ہو۔ لیکن نام کا تلفظ ادا کرنے مین مجھے اتنی

دشواری پیش آئی کہ اسی مین الجھ کے رہ گیا تھا۔ یہ خبر قریبطہ کو پہونچی تو اُس نے نظم مین جواب دیا اس لیے کہ وہ بھی شاعر تھا۔ اُسکے اشعار کا ماحصل یہ تھا کہ تیری نشہ کی زبان پر پرہیز گاری کی چیزین گران ہوا ہی چاہین۔ ہان بدکاری کی باتین ہون تو تیری زبان خوب تیز چلتی۔ اقیشر نے اس کے جواب مین اسی بحر اور قافیہ مین جو اشعار کہے ان مین یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ قریبطہ کو خود تو بدکار عورتون کے گھرون مین جاتے شرم نہین آتی مگر مجھے میکشی پر شرم دلاتا ہے حالانکہ مین تو جب تک زندہ ہون پیتا رہون گا۔ اور مر جاؤن گا تو بھی دل مین اس کا لپکا باقی رہے گا۔

ایک مرتبہ حارث بن عبد اللہ بن ابی ربیعہ اہل شام کے مقابلے کے لیے فوج لیکر روانہ ہوا اور اقیشر کو بھی اپنے ساتھ زبردستی پکڑ لے گیا کہ سفر مین دلچسپی رہے گی۔ آپ کے پاس کوئی گھوڑا نہ تھا۔ ایک گدھے پر سوار ہو کے چلے۔ یہ لشکر شہر سور کے قریب پل سے پار ہوا تو قریب ہی ایک گاؤن ملا جس کا نام قنین تھا۔ وہان ساتھیون کی آنکھ بچا کے آپ ایک مے فروش کی دکان مین گھس گئے۔ یہ مے فروش نبطی تھا۔ خود شراب بیچتا تھا اور اُس کی عورت بدکاری کے ذریعے سے روپیہ پیدا کرتی تھی۔ آپ وہین چھپ رہے جب لشکر روانہ ہو گیا تو گدھا بیچ ڈالا اور میکشی و عیاشی مین مشغول ہو گئے۔ وہ لشکر مہم پوری کر کے واپس آیا تو آپ ایک بہت بڑا قصیدہ پڑھتے ہوے اس کے سامنے نمودار ہوے جس مین یہان کے اپنے سارے کارنامے بیان کیے تھے۔

ہارون رشید نے ایک رات کو کسی شخص کے گانے کی آواز سنی جو چار شعر گا رہا تھا۔ اُن کا مضمون یہ تھا کہ اگرچہ شراب کم ہو گئی اور منع کر دی گئی ہے اور اسلام اس کے درمیان مین حائل ہو گیا ہے مگر مین روز صبح کو خالص شراب پیتا ہون اور مرض دل کا اس سے علاج کرتا ہون کبھی خالص پیتا ہون۔ کبھی پانی ملا لیتا ہون۔ اور میرے سامنے کھڑے ہو کے مغنیہ عجب ناز و انداز سے گٹ کری بھرتی اور آواز کے نشیب و فراز سے مجھے محو کر دیتی ہے۔ ہارون رشید کو یہ اشعار اور اس کی دھن ایسی اچھی معلوم ہوئی کہ لوگون کو دوڑایا کہ اس شخص کو بلا لاؤ۔ لوگ اسے لے آئے مگر وہ سامنے کھڑا مارے دہشت کے کانپ رہا تھا۔ رشید نے کہا ڈرو

نہین۔ مجھے تمہاری آواز بہت اچھی معلوم ہوئی۔ اس نے کہا خدا کی قسم امیرالمومنین مین نے ان اشعار کو اس لیے گایا کہ شراب پینے سے توبہ کرلی ہے۔ یہ اشعار اقیشر کے ہین۔ اور اس نے بھی شراب سے توبہ کرتے وقت کہے تھے۔ رشید نے پوچھا تم نے چھوڑ کیون دی۔ جواب دیا۔ خدا کے خوف سے اور اس کے بعد شراب کی مذمت مین چند شعر پڑھے۔ رشید نے کہا مجھے اس سے بحث نہین ہے کہ تم شراب پیتے ہو یا چھوڑ دی ہے جو جی چاہے کرو۔ مگر یہ نغمہ ذرا پھر سُناؤ۔ اس نے دوبارہ وہ اشعار گائے۔ رشید کو اس قدر بھلے معلوم ہوے کہ اپنے مغنیون کو بلوایا۔ اور اُن کے سامنے اُس شخص سے گوا کے کہا کہ اس دھن کو یاد کرلو۔ اس کے بعد اس شخص کو انعام دے کر رخصت کردیا۔ مگر یہ دھن خود رشید کے گلے مین اس قدر اُتر گئی تھی کہ چند روز تک معمولی باتین کرتا تو آواز مین اسی دھن کی جھلک پائی جاتی۔

ریویو

خواب وخیال ۔ انجمن ترقی اردو کا مستقر جب تک ہمارا صوبہ رہا وہ بالکل گمنامی کی حالت مین رہی اور زبان کی بہت کم خدمت کرسکی۔ مگر جب سے ہمارے کرم ومعظم جناب مولوی عبدالحق صاحب کے ہاتھ مین گئی اور اس کا مرکز اورنگ آباد دکن قرار پایا اس کی ترقی شروع ہوئی اور اس کے ذریعہ سے اردو کا ادبی خزانہ مفید تصانیف سے مالامال ہو رہا ہے۔ اردو کی نادرالوجود کتابین خواب وخیال ہوئی جاتی ہین اور اُن کا پتہ بھی نہین چلتا کہ کیا ہوئین۔ یہ مثنوی بھی اسی قسم کی کتابون مین تھی۔ یہ صرف انجمن ترقی اردو کی کوشش وکاوش کا نتیجہ ہے کہ دستبرد زمانہ سے محفوظ کرنے کے لیے چھاپ کر شائع کردی گئی۔

یہ مثنوی حضرت خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی خواجہ سید محمد میر اثر کی تصنیف ہے۔ انجمن ترقی اردو نے بڑا کام کیا کہ اسے اپنے ٹائپ کے مطبع مین نہایت صاف اور خوشنما چھاپ کے شائع کردیا۔

اس مثنوی مین کوئی قصہ نہین نظم کیا گیا ہے۔ بلکہ جذبات عشق اور

واردات قلبی کو ایسی سلیس شستہ اور بے تکلف زبان مین ادا کیا ہے کہ کوئی اور مثنوی اس کا مقابلہ نہین کر سکتی۔ اس کا ہر شعر جذبات کے اثر مین ڈوبا ہوا ہے ایک مقام سے چند اشعار بلا کسی خاص انتخاب کے نقل کیے جاتے ہین جن سے میر اثر کے کلام کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔

یاد ہین جو کیے تھے قول و قرار ۔ قسمین کیا کھائین تھین ہزار دن بار
عہد و پیمان ہوے تھے آپس مین ۔ دوستی کی ہوئی تھین سب رسمین
کہنا تیرا وہ عہد کر باہم ۔ تو بنا ہے گا دیکھین گے یا ہم
کس قدر ارتباط کرتے تھے ۔ گرمی اختلاط کرتے تھے
ایک دم بھی جدا نہ ہوتے تھے ۔ ساتھ کھاتے تھے ساتھ سوتے تھے
غیر کو وہان کہان گذارا تھا ۔ اور کا ہونا کب گوارا تھا

مثنوی کے شروع مین جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے آنریری سکرٹیری انجمن ترقی اردو کا ایک نہایت قابلانہ مقدمہ پڑھنے کے قابل ہے۔

ہمین امید ہے کہ لوگ اس کتاب کو ذوق و شوق سے منگوائین گے ملنے کا پتہ۔ انجمن ترقی اردو۔ اورنگ آباد دکن قیمت فی جلد مجلد ڈیڑھ روپیہ اور غیر مجلد ایک روپیہ۔

ستونتی دنیائے اردو مین علامہ راشدالخیری سے کون واقف نہین۔ یہ انھین کی تصنیف ہے۔ اور اسی رنگ مین جو ان کے لیے مخصوص ہے۔ قصہ دلچسپ اور موثر ہے۔ شائقین زبان اردو ضرور منگوا کے پڑھین۔ قیمت فی جلد آٹھ آنہ ملنے کا پتہ۔ منیجر صاحب رسالہ عصمت۔ دلی۔

سرور عالم۔ مؤلفہ مولوی سید عبدالمجید صاحب ناظم دارالتصانیف کپورتھلہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر سوانحعمری ہے۔ مؤلف صاحب تحریر فرماتے ہین کہ یہ امر اس کتاب کی تالیف کا محرک ہوا کہ مروجہ مولودون مین ایسے خلاف عقل و قیاس واقعات بیان کیے جاتے ہین جن سے شریف اور سمجھدار

آدمی ایسی محفلوں سے نفرت کرنے لگے ہین۔ اس خرابی کو دور کرنے کے لیے مؤلف نے یہ مولود شریف مرتب فرمایا ہے۔ جس مین نہایت مستند عربی فارسی انگریزی اور اردو کتابون سے مدد لی گئی ہے۔ اور جناب رسالت مآب صلعم کے کل واقعات مختصر طور پر آگئے ہین۔ اس کتاب مین بلاد عرب کا نقشہ اور کوہ حرا کا فوٹو بھی دیا گیا ہے۔ کاغذ لکھائی اور چھپوائی اچھی ہے قیمت فی جلد بارہ آنہ مصنف صاحب منگوائی جائے۔

خیابان یہ ماہانہ رسالہ خاص ہمارے شہر سے بڑی خوبی کے ساتھ نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس کے ایڈیٹر ہمارے دوست شہنشاہ حسین صاحب رضوی ایم اے ایل ایل بی (علیگ) ہین

لکھنؤ کسی زمانے مین لیتھو کی لکھائی اور چھپائی کے لیے مشہور تھا۔ مگر اب نہ تو ویسے لکھنے والے رہے ہین اور نہ چھاپنے والے۔ تاجرانہ کفایت شعاری نے سب کو مٹا دیا۔ اور ہمین یہ خیال پیدا ہو چلا تھا کہ چاہے ہزار کوشش کی جائے مگر اب لکھنؤ مین کسی کتاب کا اچھا طبع ہونا غیر ممکن ہو گیا ہے۔ لیکن اس رسالے کو دیکھ کے ہمارا خیال بدل گیا۔ یہ نظامی پریس لکھنؤ مین چھپا ہے۔ کاغذ بھی اسی مناسبت سے اچھا لگایا گیا ہے۔

ہم اس رسالہ کا بڑے شوق کے ساتھ خیر مقدم کرتے ہین۔ اسکے قلمی معاونین مین ڈاکٹر سر محمد اقبال۔ مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی۔ مولانا صفی صاحب۔ سید مسعود حسن رضوی صاحب۔ ڈاکٹر تیج بہادر سپرو۔ پنڈت کشن پرشاد کول۔ مولوی سید جالب صاحب علامۂ عہد کمٹی یوسف علی صاحب۔ اور مسٹر فیروز الدین مراد کے ایسے مشاہیر اہل قلم کے نام ہین۔ اور ان مین سے اکثر حضرات کے مضامین پہلے اور دوسرے رسالون مین موجود ہین۔ ہمین امید ہے کہ یہ رسالہ بہت ترقی کرے گا۔ اردو دان حضرات کا فرض ہے کہ اس کی قدر کرین۔

سائز ۲۶ × ۲۰ ۸ چندہ سالانہ پانچ روپیہ۔ نیجر صاحب خیابان وکٹوریا اسٹریٹ لکھنؤ کے پتہ سے منگوایا جائے۔

تیرھوین صدی عیسوی کے وسط مین یورپ کے ساحل بالکل غیر محفوظ تھے۔ بحری قزاق اس قدر زیادہ ہوگئے تھے کہ وہ صرف بحری راستون ہی مین لوٹ مار نہین کرتے تھے بلکہ اکثر ساحلی شہرون مین بھی گھس آتے اور لوٹ مار کے چل دیتے۔ یہ حال بحری راستون کا تھا۔ خشکی پر بھی راستون کا یہی حال تھا کوئی راستہ چورون اور ڈاکوؤن سے صاف نہ تھا۔ کوئی ایسی زبردست سلطنت نہ تھی جو ان لوٹ مار کرنیوالون کا استیصال کر دیتی۔ لیکن اس پرشور و شر زمانے مین بھی شمالی جرمنی کے شہرون کی تجارت روزافزون ترقی کر رہی تھی۔ وہان یہ حالت تھی کہ تاجرون سے سرکاری محصول تو وصول کرلیا جاتا۔ مگر اُن کی اور اُن کے مال کی کافی حفاظت نہ کی جاتی یساتھ ہی اس کی اجازت نہ تھی کہ تاجر خود اپنے مسلح سپاہی ساتھ رکھین۔ نتیجہ یہ تھا کہ ان تاجرون کا مال بالکل غیر محفوظ تھا۔

جرمنی کے شمالی علاقہ جات مین تجارت روزافزون ترقی کرتی جاتی تھی۔ ہیمبرگ۔ لوبک۔ اور برمین بڑی منڈیان قرار پاگئی تھین۔ ان شہرون کے تاجرون کو زیادہ خوف ڈنمارک کے بادشاہ ولاڈمار سے رہا کرتا۔ اور ہمیشہ اُس کے حملے روکنے پڑتے۔ اس کے علاوہ دریاے اِلب مین بھی قزاق موجود تھے جو چھوٹی چھوٹی تیزرو کشتیون پر ہر جگہ موجود رہتے اور کوئی مال ایک مقام سے دوسرے مقام تک اطمینان کے ساتھ نہ پہونچ سکتا۔ پھر خشکی کا راستہ بھی قابل اطمینان نہ تھا۔ یہ ساری خرابیان خود اسی ملک کے زمینداون اورامیرون کی بدولت ہورہی تھین جنھون نے ان تجارتی شہرون کے اندر اور وہان

کے تاجرون کی آمد ورفت مین لوٹ مار مچا رکھی تھی۔

اِن حملون کے روکنے اور تاجرون کو محفوظ رکھنے کے لیے ۱۲۳۹ء مین تین تجارتی شہرون یعنی ہیمبرگ۔ ہاڈلن اور ڈکٹ مارش مین ایک معاہدہ ہوا۔ یہ تینون خود مختار اور آزاد شہر تھے یعنی خاص وہان کے لوگون کے سوا اور کسی حکمران کی عملداری نہ تھی وہین کے لوگ اپنے اپنے شہر کا انتظام کرتے۔ چند روز بعد شہر ہیمبرگ اور شہر لوبک مین بھی ایک خاص قسم کا تجارتی معاہدہ ہوا۔ اِن معاہدون مین یہ قرار پایا کہ یہ تجارتی شہر آپس مین ایک دوسرے کی مدد کرین گے۔ اور اگر کسی شہر پر یا کسی شہر کے مال واسباب پر راستہ مین بھی کہین حملہ ہوگا تو سب ایک دوسرے کی حفاظت کرین گے۔

۱۲۴۷ء مین شہر برنس وک بھی اس معاہدے مین شامل ہوگیا اور موقع کے لحاظ سے یہی اِن سب شہرون کے لیے مال رکھنے کا گودام قرار پایا۔ مصر اور ترکی کی طرف سے ہندوستان کا جو تجارتی مال آتا وہ اٹلی کی بندرگاہون سے ہیمبرگ جاتے ہوے برنس وک سے گزرتا اس واسطے یہی شہر مال جمع کرنے کا صدر مقام قرار پایا۔ چند روز بعد اور بہت سے شہر بھی اس معاہدے مین شامل ہونے لگے۔ اور اب اس تجارتی اتحاد کا نام ہنسا قرار دیا گیا۔

ٹیوٹانک زبان مین لفظ ہنسا کے معنی کسی خاص حق یا فائدہ کے ہین۔ اور بعض لوگ اس کی اصل قدیم فرانسیسی زبان کے لفظ ہنسا سے نکالتے ہین۔ جس کے معنی اُس زبان مین "جماعت یا گروہ" کے ہین۔ یہ نام خواہ کسی زبان سے لیا گیا ہو۔ مگر اس مین شک نہین کہ دونون کی اصل ایک ہی ہے۔ اور یہ نام دونون طرح اس موقع پر موزون معلوم ہوتا ہے

یہ تجارتی اتحاد ہنسا بہت کامیاب ثابت ہوا اور چند روز مین بہت سے شہر اس مین شریک ہوگئے ایک وقت جب وہ پورے عروج پر تھا تو پچاسی شہر اس مین شامل تھے۔ زیادہ تعداد جرمنی کے شہرون کی تھی مگر اس مین ناروے سویڈن۔ بلجیم۔ فرانس۔ اٹلی اسپین۔ پرتگال اور انگلستان کے تجارتی شہر بھی شریک تھے۔

آخر اس اتحاد ہنسا نے اتنی ترقی کی کہ یورپ کے بعض حکمران اُسے حسد کی نگاہون سے دیکھنے لگے اور اپنے مقبوضہ شہرون کو اُنھون نے اس اتحاد سے الگ کرلیا۔ مگر اس کے بعد بھی اتحاد ہنسا کی قوت مین کوئی کمی

نہین آئی۔ کیونکہ جرمنی کے کل شہر اس مین شامل تھے۔ اور اب اتحاد ہنسا نے یہ قاعدہ مقرر کر لیا کہ باہر کا کوئی شہر اس اتحاد مین نہ شامل کیا جائے۔

اسی زمانے مین اتحاد ہنسا کے چار حصے کر دیے گئے۔ اور ہر حصہ کا ایک صدر مقام قرار پایا۔ پہلے حصہ کا صدر مقام لوبک تھا جس کی نگرانی مین ہیمبرگ۔ روسٹاک اور وسمار وغیرہ تھے۔ دوسرے حصہ کا صدر کولون تھا جس کے ماتحت کلیونز۔ گلڈرس اور وسٹ فالیا اور اُسکے قرب و جوار کے شہر تھے علاقہ جات سیکسنی اور برنڈان برگ کا صدر مقام برنس وِک قرار پایا پرشیا اور لیونیا کے شہرون کا صدر ڈینزگ ہوا۔

اس اتحاد یا انجمن ہنسا کے اعزازی مربی اور سرپرست بھی ہوتے جو گرینڈ ماسٹر (آقاے اعظم) کہلاتے۔ ڈنمارک۔ سویڈن اور نیز اسپین کے بادشاہ وقتاً فوقتاً اس کے مربی و سرپرست ہوے ہین۔ مگر سولھوین صدی کے بعد کوئی مربی نہین بنایا گیا۔

اس انجمن نے اپنی تجارت کے گنج اور گودام یورپ کے مختلف مقامات پر بنائے لندن کا گودام ۱۲۵۰ء مین بنا۔ برگس کا ۱۲۵۲ء مین نوواگراڈ کا ۱۲۷۲ء مین اور برگن کا ۱۲۷۸ء مین برگس کا گودام چندروز بعد انٹورپ مین آیا۔ پھر امسٹرڈم مین مستقل ہو گیا۔

بعض جرمن حکمرانون کی مدد اور بعض کی سرپرستی سے اس انجمن کو بڑی قوت حاصل ہو گئی ۱۳۶۴ء مین شہر کولون مین ایک باضابطہ قانون بنا لیا گیا جو کل بلاد ہنسا پر حاوی تھا اور حقیقت یہ ہے کہ چودھوین صدی عیسوی مین اس اتحاد ہنسا کی بدولت تجارت کا مال بالکل محفوظ ہو گیا۔ اور بادشاہون سے لے کر معمولی لوگون تک ہر طبقے کے انسان اس انجمن کا بڑا لحاظ کیا جانے لگا۔ اُس زمانے کے حکمرانون کی نظرون مین تجارت کوئی وقعت نہین رکھتی تھی۔ مگر اسی وقت سے تجارت کی اصل حقیقت ظاہر ہونے لگی اور آخر مین اس کو وہ درجہ حاصل ہوا کہ اس نے حکومتون اور سلطنتون تک کو مٹا دیا۔

مقام کولون مین اس اتحاد ہنسا کے جو قواعد مقرر ہوے وہ یہ

تھے کہ تجارت کے مال کو چوروں اور ڈاکوؤں سے بچایا جائے۔ دوسرے ملکوں مین تاجروں کا عزو وقار قائم رکھا جائے اور اُن کی حفاظت کی جائے جو شہر اتحاد مین شامل ہین اُن کی تجارت کو ممالک غیر مین فروغ دیا جائے اور جہان تک ممکن ہو ہر چیز کی تجارت کے ٹھیکہ حاصل کر لیے جائین تاکہ دوسرے شہرون کے تاجر اس چیز کو نہ بیچ سکین۔ اور ہر بازار مین انصاف اور امن قائم رکھا جائے۔ ان امور کی نگرانی کرنے اور دغابازون سے بچانے کے لیے ہر بازار مین ایماندار عہدہ دار مقرر کیے جائین جو اس اتحاد ہنسا کے ماتحت ہون۔ اور اُن پر کسی کا اثر نہ ہو۔

انجمن کا نظام قائم رکھنے کے لیے ساحلی شہرون کو حکم دیا گیا کہ مسلح جہاز مہیا کرین۔ تاکہ بحری اور بری راستون مین تجارت کا مال بہ آسانی اور بغیر کسی خطرے کے ایک مقام سے دوسرے مقام تک جا سکے۔ اتحاد ہنسا کے شہرون کے لیے یہ ضروری تھا کہ اپنے ذمے کی واجب الادا رقمین پابندی کے ساتھ ادا کر دیا کرین۔ عدم وصول یا تاخیر کی صورت مین وہ شہر اتحادی حقوق سے خارج کر دیا جاتا اور اس مقام کے مال کی کوئی ذمہ داری نہ رہتی۔

بلاد ہنسا کی انجمن کے باقاعدہ جلسہ عموماً ہر تیسرے سال لُوبِک مین منعقد ہوتے اور یہی شہر اس انجمن کا صدر مقام قرار پایا تھا۔ یہین انجمن کا خزانہ اور صدر دفتر بھی تھا۔ اس سہ سالہ جلسہ مین جس شہر کے نمایندے وقت پر نہ پہونچتے اُن پر ہر روز کی غیر حاضری پر بیس فلارن (تقریباً ڈیڑھ سو روپیہ) جرمانہ ہوتا۔ اور جس شہر کی طرف سے نمایندے نہ آتے اس سے بازپرس کی جاتی۔ لیکن کسی شہر کی جانب سے اگر تین دفعہ ایسی ہی غلطی ہوتی تو وہ اتحاد سے خارج کر دیا جاتا۔ کسی شہر کے ذمے اگر جرمانہ وصول طلب ہوتا اور وہ فوراً ادا نہ کر دیتا تو وہان کا کوئی باشندہ اگر کسی دوسرے اتحادی شہر مین مل جاتا تو پکڑ کے قید کر لیا جاتا اور جب تک واجب الادا رقم نہ وصول ہو جاتی اُسے آزادی نہ نصیب ہوتی۔ ممالک غیر مین اس اتحاد

کی جو کوٹھیان تھین اُن کا انتظام بڑی سختی اور پابندی کے ساتھ کیا جاتا۔ وہان کے منتظمین اور شرکاے تجارت اپنی ساکھ قائم رکھنے کے لیے بہت ہی سادی زندگی بسر کرتے۔ کسی عیش و عشرت کے جلسہ مین نہ جاتے۔ اور اُنھین شادی کرنے کی بھی اجازت نہ تھی۔ بعد مین یورپ کی جن عظیم الشان کمپنیون نے دور دراز ممالک سے تجارت کرنی شروع کی اُن کے قواعد و ضوابط اِسی اتحاد ہنسا کے اُن قاعدون کے مطابق تھے جو اُس نے ممالک غیر مین تجارت کرنے کے لیے مقرر کر رکھے تھے۔

اتحاد ہنسا کا انتظام بہت اچھا تھا اور اِس کا کاروبار ایسی خوبی کے ساتھ جاری رکھا گیا کہ سب اسکی تعریف کرنے لگے۔ اس مین منتظمین کو بڑی سخت اور مسلسل محنت کرنی پڑتی تھی۔ مگر عام لوگون پر اتنا اثر پڑا کہ سب کو اُس کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوگئی۔ اور اُن کا یہ خیال تھا کہ بڑی نیک نیتی اور جانفشانی سے ملک کی خدمت انجام دی جارہی ہے۔ چندروز مین اُسے بڑی اہمیت حاصل ہوگئی۔ مگر باوجودیکہ وہ شہرون اور سمندرون پر حکومت کر رہی تھی لیکن کسی بادشاہ نے ایک حکمران کی حیثیت سے اُسے کبھی نہین تسلیم کیا۔ اُس کے پاس دولت بیشمار تھی۔ اور آمدنی کے ذرائع غیر محدود تھے۔ لہذا یہ بات خود بخود پیدا ہوگئی کہ بادشاہون کی اطاعت کرنے کے بجاے یہ انجمن بادشاہون پر حاوی ہوکر اُن کے اوپر حکومت کرنے لگی۔

انگلستان مین اُس نے اپنے اثر سے یہ بات منوالی کہ اتحاد ہنسا کے ذریعہ جس قدر مال ملک کے باہر جاتا اس پر کوئی محصول نہ لیا جاتا۔ ڈنمارک سویڈن اور روس مین جو مال اس اتحاد کے ایجنٹون یا کارکنون کے ذریعہ ملک کے اندر جاتا اس پر محصول معاف ہوگیا۔ یہ ایسے حقوق تھے جو اُس زمانے کے بادشاہ کسی کو خوشی کے ساتھ کبھی نہ دیتے مگر بات یہ ہے کہ اتحاد ہنسا کی روز نہ افزون ترقی اور اس کی بیشمار دولت اور عام لوگون مین اس کی شہرت اور ہردلعزیزی کو دیکھ کے یورپ کے سب بادشاہ اُس سے دبنے لگے تھے۔

اتحاد ہنسا کی غیر معمولی کامیابی اور ترقی کا راز اس کے ذریعہ اثر شہرون کی وسیع تجارت تھی۔ یہ شہر پہلے ہی سے تجارت کے مرکز واقع ہوے

تھے۔ اب اِس اتحاد کی بدولت اُنھین امن اور اطمینان نصیب ہوا تو دفعتہً ایسے بڑھے کہ سب کو حیرت ہونے لگی۔ اِن شہرون کے عروج کے ساتھ ساتھ اتحاد ہنسا کی بھی ترقی ہوتی گئی۔ آخر یہ حالت ہو گئی کہ سارے یورپ مین کوئی چھوٹے سے چھوٹا تجارتی مقام یا بازار ایسا نہین رہ گیا جو اس تجارتی اتحاد کے اثر مین نہ آ گیا ہو۔ اس کی ترقی کا دوسرا بڑا سبب یہ تھا کہ اتحاد کے پاس بہت سی فوجین اور جنگی جہاز موجود تھے۔ ابتدا مین یہ اتحاد مال تجارت کی حفاظت یعنی اس مال کو حملہ آورون سے بچانے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔ اُسے ملکی معاملات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ مگر بعد مین کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ اکثر خود اس اتحاد نے اعلان جنگ کر کے دیگر ممالک پر فوج کشی کی۔ اس نے نارو سے کے دو بادشاہون اِرِک اور ہاکون کو مغلوب کیا۔ ولاڈی مار ثالث شاہ ڈنمارک کے مقابلے مین اعلان جنگ کر کے فوج کشی کر دی۔ اتحاد ہنسا کے جہازون کا جنگی بیڑا ڈنمارک کے دار السلطنت کوپن ہیگن تک جا پہونچا اور بادشاہ کو مجبوراً شہر چھوڑ کے بھاگ جانا پڑا۔ پھر صلح اس شرط پر ہوئی کہ سلطنت ڈنمارک کا جزیرہ شونن سولہ سال کے لیے اتحاد ہنسا کے قبضہ مین دے دیا گیا۔ یہ جزیرہ بحیرہ بالٹک کے دہانہ پر واقع ہے۔ لہذا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا بحیرۂ بالٹک اتحاد ہنسا کے زیر اثر ہو گیا۔ ایک مرتبہ اِس اتحاد کے جنگی بیڑے نے سویڈن کے بادشاہ کو تخت سے اُتار کے اُس کا تاج و تخت اپنی مرضی کے مطابق مکلن برگ کے ڈیوک آلبرٹ کے حوالے کر دیا۔ ۱۴۲۶ء مین اس اتحاد نے کوپن ہیگن پر دوبارہ فوج کشی کا ارادہ کیا اور ۲۴۸ جنگی جہاز آراستہ کر لیے جن پر بارہ ہزار سپاہی سوار تھے ۱۴۶۵ء مین برنس وِک کے ڈیوک نے خاص شہر برنس کا محاصرہ کر لیا مگر اتحاد ہنسا کی فوجین اس آزاد شہر کی مدد کے لیے پہونچ گئین اور ڈیوک کو محاصرہ اُٹھاتے ہی بنی شہر ڈانزگ کے مجسٹریٹ کو اتحاد ہنسا کی مدد پر اتنی جراأت ہوئی کہ اُس نے شاہ ڈنمارک کے مقابلہ مین جنگ کا اعلان کر دیا۔

انگلستان۔ ڈنمارک اور ہالینڈ کو اپنی تجارت قائم رکھنے اور اسے

وسعت دینے کے لیے بلاد ہنسا کی انجمن سے تعلقات رکھنے پڑتے۔ اس اتحاد نے بحر شمالی اور مشرقی یورپ مین ڈاکوؤن اور راہزنون کا بڑی کامیابی کے ساتھ استیصال کر دیا تھا۔ اس نے بحری قوانین بھی مقرر کر دیے تھے جن کی وجہ سے بڑا امن ہوگیا اور ہر جگہ ایک ہی سا طریقہ رائج تھا۔ اس کے علاوہ اُس نے شمالی یورپ مین بہت سے بندرگاہ اور چوڑی نہرین بنوا دین جن مین جہازون کی آمد و رفت ہونے لگی اور تجارت کے نئے راستے کھل گئے۔ مگر سب سے زیادہ نمایان کام جس سے اس کے اثر اور اقتدار کا پتہ چلتا ہے یہ کیا کہ مختلف اور دور و دراز ممالک مین ایک ہی قسم کے وزن اور پیمانے رائج کر دیے۔ اس سے ہر جگہ کے تاجرون کو خرید و فروخت اور تبادلۂ اشیا مین بڑی آسانی ہوگئی۔

اتحاد ہنسا کی ترقی اس وجہ سے ہوئی تھی کہ اُس زمانے کی حکومتین کمزور تھین اور بحری قزاقون کا استیصال نہین کر سکتی تھین اب یورپ مین طاقتور سلطنتین پیدا ہوگئین۔ باقاعدہ حکومتون نے امن و امان کا ذمہ لے لیا۔ بحری ڈاکہ زنون کا پہلے ہی خاتمہ ہو چکا تھا۔ یورپ کے بادشاہون نے خود بھی تجارت کرنی اور اس سے فائدہ اُٹھانا شروع کر دیا۔ چھوٹے چھوٹے شہرون کو یہ نظر آیا کہ بڑے تجارتی شہرون نے ہمارے حقوق پامال کر ڈالے ہین۔ بڑے شہر بھی اب بحری مرکز نہین باقی رہے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ کولمبس اور واسکوڈی گاما نے امریکہ اور ہندوستان کے راستے کھول دیے۔ یورپ کے حالات مین جب تبدیلیان ہوئین تو اتحاد ہنسا کا زور بھی ٹوٹ گیا اور اس کا تنزل شروع ہو گیا۔

اگر اُس وقت جرمنی کی حکومت فرانس یا انگلستان کے مقابلے کی ہوتی تو وہ اپنے اِن شہرون کی محافظ بن کے بیرونی علاقہ جات مین اس کی تجارت قائم رکھنے کی کوشش کرتی۔ مگر واقعہ اس کے برعکس تھا۔ اتحاد ہنسا کوئی ایسی سلطنت یا حکومت نہ تھی جسے دیگر ممالک نے تسلیم کر لیا ہو۔ وہ صرف ایک تجارتی انجمن تھی جب اُن طاقتور سلطنتون نے خود تجارت کرنی شروع کی تو اس انجمن کو دبا دینا چاہا۔ یورپ کی مشہور "تیس سالہ جنگ" مین اتحاد ہنسا کی ساری

جنگی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ تجارتی حقوق جو اسے بیرونی ممالک مین حاصل ہو گئے تھے وہ بھی رفتہ رفتہ اُس سے نکلتے گئے۔ یہ اتحاد باہمی نفع کے خیال سے وجود مین آیا تھا۔ جب اس سے کوئی فائدہ نہین نظر آیا تو چند ہی روز مین اس کا خاتمہ ہو گیا۔ ۱۶۶۹ء مین اس اتحاد کا سب سے آخری جلسہ شہر لوبک مین منعقد ہوا۔ مگر اس مین جتنے ارکان شریک ہوے وہ اپنے شہرون کی طرف سے یہ درخواست لیکر آئے تھے کہ ہمین مجلس سے علیحدگی کی اجازت دی جائے۔

اس کے بعد بھی تین شہر ہمبرگ۔ لوبک اور بریمن اس اتحاد کے نام لیوا باقی رہ گئے۔ اُنھون نے آپس مین وہی تعلقات قائم رکھے اور ہنسا کے نام کو زندہ رکھنا چاہا۔ ۱۸۰۳ء کے عہدنامہ مین اِن تینون شہرون کی اتحادی مجلس ہنسا تسلیم کی گئی۔ پھر ۱۸۱۵ء مین جو کانگرس آسٹریا کے دار السلطنت ویانا مین ہوئی اُس مین بھی اِن شہرون کے متحدہ حقوق تسلیم کیے گئے اور ایک شہر فرنک فرٹ کو بھی اسی قسم کے حقوق دے کر جرمنی کے اتحاد ہنسا مین شامل کر دیا گیا۔

مگر اس کے بعد ہنسا کا نام بالکل مٹ گیا۔ ہر شہر تجارتی حیثیت سے آزاد ہے اور اُس قسم کا کوئی تجارتی اتحاد دوسرے شہرون سے نہین قائم رہا اور اس اتحاد نے ہر شہر مین جو تجارتی کوٹھیان بنائی تھین فروخت کر دی گئین۔ لندن کی کوٹھی ۱۸۵۲ء مین اور رآنٹ ورپ کی کوٹھی ۱۸۶۳ء مین بیچی گئی جس پر اس اتحاد کا خاتمہ ہو گیا۔ اِس انجمن نے اُس زمانے مین ملک کی تجارت کو محفوظ کر دیا تھا جبکہ سارے یورپ مین کوئی سلطنت ایسی نہ تھی جو اس کام کو انجام دیتی اور انگلستان کی پارلیمنٹ مین اتحاد ہنسا کے متعلق کہا گیا کہ اُس نے ملک کو اصول تجارت کی بہترین تعلیم دی ہے۔

اتحاد ہنسا نے آخر مین یہ کوشش شروع کی کہ ملک کی ساری تجارت اپنے ہاتھ مین لے لے اور کسی کو تجارت کرنے کا اختیار نہ ہو۔ دراصل یہی چیز اُس کے تنزل کا باعث ہوئی۔

تیسری صدی ہجری کا ایک مدعی نبوت

صاحب الزنج

عباسی خلیفہ المہتدی باللہ تخت خلافت پر رونق افروز ہوا ہی تھا کہ ایک شخص نے نبوت کا دعوی کیا اور خلیفہ کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا پورا نام علی بن محمد بن عبدالرحیم تھا۔ مگر عربی تاریخون مین صاحب الزنج کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس نے زنگی یعنی حبشی غلامون کو بہکا کے اپنے ساتھ کر لیا تھا اور وہی زیادہ تر اس کے طرفدار تھے۔ یہ شخص بنی عبدالقیس سے تھا۔ اور سُر من راے مین رہتا تھا۔ پھر وہ المتوکل کے بیٹے المنتصر کے مصاحبون مین شامل ہو گیا۔ اور اُس کی تعریف مین اشعار کہا کرتا تھا۔ المنتصر اس کو کچھ دے دیا کرتا تھا۔ آخر وہ ۲۴۹ھ مین سُر من راے سے بحرین مین چلا آیا اور یہین آ کے اُس نے نبوت کا دعوی کیا اور کہا مین حضرت علی کی اولاد مین ہون۔ حضرت علی کو اپنا جد ثابت کرنے کے لیے اپنا نسب یون بیان کرتا۔ علی بن محمد بن احمد بن عیسی بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما۔ اور کبھی کہتا کہ مین حسین بن عبیداللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب کی اولاد مین ہون اور لوگون کو اپنی اطاعت واقتدا کی دعوت دیتا۔ اس طرح کچھ لوگ اُس کے ساتھ شریک ہو گئے اور اسے نبی مان لیا لیکن اسی کے ساتھ اس کی مخالفت بھی شروع ہو گئی کیونکہ بہت سے سچے مسلمان تھے جو اُس کے دعوٰون کو جھوٹا جانتے۔

آخر موافقین اور مخالفین مین اس قدر رنج بڑھا کہ لڑائی کی نوبت آ گئی جس مین چند آدمی قتل ہوے۔ بحرین کے بعض لوگ اُسے نبی سمجھتے۔ اُس کو خراج ادا کرتے۔ اس کے احکام کی تعمیل کرتے۔ اور اس کی طرفداری مین بادشاہی فوج سے لڑتے تھے۔ مگر جو سچے مسلمان تھے وہ خلیفہ کے مطیع فرمان رہے۔ اور اُنھون نے باغیون کو اس قدر دبایا کہ اُن کے بنائے کچھ نہ بنی۔ اور صاحب الزنج بحرین سے بھاگ کے احسا مین چلا آیا۔ اس وقت بحرین والون کی ایک جماعت اُس کے ساتھ ہو گئی تھی

مگر اُسے احسا میں بھی پناہ نہ ملی اور اپنے ہمراہیون سمیت مختلف جنگلون مین مارا مارا پھرنا پڑا۔

اسی اثنا مین وہ ایک دن کہنے لگا کہ جنگل مین مجھ پر کچھ ایسی نشانیان نمودار ہوئی ہین جن سے میری امامت اور نبوت ظاہر ہوتی ہے۔ اِن مین سے ایک یہ ہے کہ مجھ کو قرآن کی بعض سورتون کی تلقین ہوئی جو مجھے فورًا ازبر ہوگئی ہین۔ اور وہ سبحان الذی۔ سورہ کہف اور سورہ صٓ ہین۔ دوسرے یہ کہ جب مین غور کرتا ہون تو معلوم ہوتا ہے کہ جہان کہین پہونچتا ہون وہان کی زمین سرسبز اور بارآور ہو جاتی ہے۔ اور ابر میرے اوپر سایہ کیے رہتا ہے۔ پھر اسی ابر سے مجھ کو ایک آواز سنائی دی کہ بصرہ چلے آؤ۔ غرض اسی قسم کی بیہودہ باتین بیان کرکے لوگون کو گمراہ کرتا تھا۔

علامۂ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفا مین لکھا ہے کہ اس شخص نے دعوی کیا کہ مین لوگون کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہون تو لوگون نے اس کی رسالت سے انکار کر دیا۔ اُس کے پاس ایک منبر تھا جس پر چڑھ کے حضرت عثمان حضرت علی۔ معاویہ۔ زبیر۔ طلحہ۔ اور سیدتنا عائشہ (رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین) کو گالیان دیا کرتا تھا۔ تاریخ ابن اثیر اور ابن خلدون مین ہے کہ وہ خارجیون کا ہم خیال تھا۔ اس سے اُس کا یہ دعوی کہ حضرت علی کی اولاد مین ہے غلط ثابت ہوتا ہے۔

سب سے پہلے وہ ۲۵۵ھ مین عام لوگون کے سامنے نمودار ہوا۔ اس سے پہلے وہ اپنی کارروائیان خفیہ طریقہ سے کرتا رہا تھا۔ اب اُس نے علانیہ خلافت کی مخالفت شروع کی اور ان غلامون کو دعوت دی جو اطراف بصرہ مین لوگون کے پاس تھے۔ اس کے گرد بہت سے غلام جمع ہو گئے۔ زنج نے اُن سے آزادی کا وعدہ کیا اور مختلف احسانات کی امید دلائی۔ جب اُن غلامون کے مالکون مین سے کوئی اپنے غلام کو مانگنے آتا تو وہ اپنے غلامون کو بلوا کر اُس کے آقا کو خوب پٹواتا۔ پھر اُسے قید کر دیتا اور چند اور تکلیفین دے کے چھوڑ دیتا۔ لوگون نے یہ دیکھا تو اپنے فرار شدہ غلامون کا مطالبہ چھوڑ دیا۔

صاحب الزنج ان غلامون اور اپنے دوسرے ہمراہیون کو ہر وقت نصیحتین کیا کرتا۔ اور اپنی پیروی کی ترغیب دیا کرتا تاکہ لوگ ساتھ چھوڑ کے نہ چلے جائین۔ زنجی غلام اپنے آقاؤن کے پاس سے بھاگ بھاگ کے برابر اُس کے پاس آتے رہتے اور اُس کے مطیع ہوتے جاتے۔ اب اُس نے اپنی فوج کے لیے ایک جھنڈا بنوایا جس پر یہ آیت قرآنی لکھی ہوئی تھی۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ "(خدا نے مسلمانون سے اُن کا نفس اور مال جنت کے عوض مین خرید لیا ہے) غرض اِن ترکیبون سے اس کی جماعت روز بروز بڑھتی گئی۔ یہ لوگ بدمعاشیان اور لوٹ مار کرتے پھرتے تھے۔ لوگون کو ستاتے اور اُن کا مال واسباب زبردستی چھین لیتے۔

اس کے بعد صاحب الزنج شہر اُبلہ کی جانب گیا۔ وہان کے لوگون نے اُس کا مقابلہ کیا۔ مگر شکست ہو گئی۔ اور شہر پر باغیون کا قبضہ ہو گیا۔ پھر اُس نے قادسیہ کی جانب رخ کیا۔ اُس کو فتح کر کے خوب لوٹا۔ اب اُس کے پاس بہت سا مال واسباب اور کافی تعداد مین ہتھیار جمع ہو گئے۔ اہل بصرہ کو اس کی اِن زیادتیون کی خبر ملی تو وہ مقابلے کے لیے نکلے مگر اُنھین بھی شکست ہو گئی۔ صاحب الزنج نے بصرے کے شکست خوردہ لوگون مین سے بہتون کو قتل کر کے اُن کے ہتھیار اپنے قبضے مین کر لیے۔ اس کے بعد اور کئی جماعتین اُس کے مقابلے پر آئین۔ مگر اُنھین بھی شکستین اُٹھانی پڑین۔ بصرہ سے پھر دو قائد فوجین لے کے اس کی سرکوبی کو بڑھے مگر اُنھین بھی کامیابی نہ ہو سکی۔ باغیون کے مقابلے مین شکست اُٹھانی پڑی اور ایک قائد بھی قتل ہو گیا۔ ان قائدون کے ساتھ بہت سی کشتیان بھی تھین جو ہوا کی تیزی سے کنارے پر آ لگین اِن مین بہت سا قیمتی مال واسباب اور اسلحہ تھے۔ اُنھین باغیون نے جی بھر کے لوٹا۔

جب حالت یہان تک پہونچی تو اس فتنہ کو دفع کرنے کے لیے ترکی سپہ سالار ابو ہلال چار ہزار فوج کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ مگر اسے بھی جاتے ہی شکست ہو گئی اور اُسکی فوج والے بہت زیادہ قتل ہوے۔ پھر سپہ سالار ابو منصور ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ بھیجا گیا اور اُس نے جا کے اس فتنہ کو دبا دیا۔

صاحب الزنج کے ساتھیون مین یحیٰی بن خالد اور سلیمان بن جامع بڑے نامی لوگ تھے اور یہی اُس کی فوجون کے افسر تھے سور جیبن کے ملازمون مین ریحان نے سب سے پہلے اُس کا ساتھ دیا اور اُس کا شریک ہوگیا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ مین اپنے آقا کے غلامون کا داروغہ تھا۔ اور اُن کے کھانے پینے کا بندوبست کیا کرتا تھا۔ اتفاق سے صاحب الزنج کے چند ساتھیون نے مجھ کو گرفتار کر لیا اور اُس کے پاس لے گئے اُس نے کہا کہ اب تم میرے مطیع ہو جاؤ اور میرا کہنا مانو۔ مین نے منظور کر لیا تو اس نے مجھ سے پوچھا تم کہان سے آئے ہو۔ مین نے بتا دیا تو پھر بصرے کے حالات پوچھے مین نے جواب دیا مین کچھ نہین جانتا۔ پھر اس نے سور جیبن کے غلامون کے متعلق پوچھا۔ مین نے اُن کے حالات بیان کر دیے۔ اس کے بعد اس نے مجھے اپنے مذہب کی دعوت دی۔ مین نے اُسے بھی قبول کر لیا۔ پھر اُس نے مجھے حکم دیا کہ تم سے جس قدر ہو سکے زنجی غلامون کو دھوکا دے کے یہان لے آؤ۔ اور مجھ سے وعدہ کیا کہ تم کو اُن سب کا افسر بنا دون گا۔ دوسرے دن مین واپس گیا۔ اور زنجی غلامون کی ایک بڑی جماعت کو بہکا کے لے آیا۔

اسی طرح اور لوگون کو بھی اُس نے مقرر کر رکھا تھا جو غلامون کو بہکا کے اور فریب دے کے اس کے پاس لے آتے تھے۔ بصرے اور دیگر مقامات کے غلام جرابرا آتے رہے۔ اور وہ سب آزادی اور آیندہ ترقی و بہبودی کی امید پہ اُس کے ساتھ ہو جاتے۔ اس طرح اس کے پاس غلامون کی ایک بہت بڑی تعداد جمع ہو گئی اُس نے اِن سب کے سامنے ایک تقریر کی اور وعدہ کیا کہ تم سب کو افسر مقرر کرون گا۔ بہت کچھ مال و اسباب دون گا۔ اور قسمین کھا کھا کے اطمینان دلایا کہ کبھی تم سے بیوفائی نہ کرون گا۔ اور تمھین ذلیل نہ ہونے دون گا اور تمھارے ساتھ احسان کرنے مین کوئی کسر نہ اُٹھا رکھون گا۔ اسی اثنا مین بعض غلامون کے آقا اُس کے پاس آئے اور اپنے اپنے غلامون کا مطالبہ کر کے کہا کہ ہم ہر غلام کے بدلے آپ کو پانچ دینار دین گے۔ مگر اس نے اُن کو منہ کے بھل گرا دیا اور اپنے ہمراہی غلامون کو حکم دیا کہ ہر غلام اپنے آقا کے پانچ پانچ کوڑے لگائے۔

صاحب الزنج جب کبھی غلامون کے سامنے تقریر کرتا تو اُن کو اگلی تکلیف دہ

زندگی یاد دلاتا۔ اور کہتا غور کرو۔ پہلے تم لوگ کیسی سخت زحمت اور مشقت مین مبتلا تھے۔ پھر خدا نے اپنی مہربانی سے تم کو اس بلا سے نجات دی۔ اور آزاد کر دیا۔ اب مین تم کو بلندی پر پہونچانا اور لونڈی غلامون اور مال و دولت کا مالک بنا دینا چاہتا ہون۔

ایک زنجی رئیس جس کی کنیت ابو صالح تھی اُس کے پاس تین سو غلام لے آیا۔ اسی طرح مختلف تدبیرون اور چالاکیون سے جب اس کی فوجی قوت خوب بڑھ گئی تو انھین غلامون مین سے بعض کو اُس نے افسر مقرر کر دیا۔ اور اس کا اعلان کیا کہ جو شخص کسی غلام کو لائے گا وہ اسی کے متعلق کر دیا جائے گا۔ غرض روز بروز اُس کے ساتھیون کی تعداد بڑھتی رہی۔ ہزارون کی تعداد مین زنجی غلام اور دوسرے لوگ اس کے حلقہ بگوش ہوتے گئے۔ اب اُس نے دیہاتون اور شہرون کو لوٹنا شروع کر دیا۔ خلیفہ نے کئی بار اس کی سرکوبی کے لیے فوجین روانہ کین۔ لیکن یکے بعد دیگرے سب کو شکستین ہوتی گئین۔ وہ ان لوگون کو قتل کرتا اور شہرون اور دیہاتون سے عورتون اور بچون کو پکڑ لے جاتا۔ یہ حالت چودہ سال تک قائم رہی۔ آخر اسلامی فوجون نے اس پر غلبہ پایا اور ملک مین امن و امان قائم ہوا۔

علامہ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہین کہ اس مکار شخص نے پندرہ لاکھ مسلمانون کو قتل کیا۔ بصرہ مین فقط ایک ہی دن مین تین لاکھ آدمی اس کی ستم آرائیون کے شکار بنے۔ جب اُس کی قوت بہت زیادہ ہو گئی اور اس کے ظلم کی کوئی انتہا نہ رہی تو اس کے مقابلے کے لیے موفق طلحہ بن متوکل مقرر ہوا جو خلیفہ معتمد علی اللہ بن متوکل کا بھائی تھا۔ بعض فوجون کی افسری کے لیے اُس کا بیٹا بھی ساتھ روانہ ہوا جو معتمد علی اللہ کے بعد معتضد کے لقب سے خلیفہ ہوا۔

علامہ مسعودی اپنی تاریخ مروج الذہب مین صاحب الزنج کے متعلق لکھتے ہین کہ موفق اس باغی کے مقابلے کے لیے صفر ۲۶۷ھ مین روانہ ہوا۔ اور اپنے بیٹے ابو العباس کو سوق جنبش کی طرف روانہ کیا۔ صاحب الزنج کا سپہ سالار شعرانی ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا۔ ابو العباس نے فوراً آگے بڑھ کے محاصرہ کر لیا اور چند روز مین برورِ اسلحہ فتح کر کے جو کچھ ملا لوٹ لیا۔ پھر دوسرے

مقامات بھی فتح کر لیے اور جس قدر زنجی اِن مقامات مین ملے سب قتل کر دیے گئے۔ اس کے بعد موفق۔ آہواز مین آیا اور اِن زنجیون نے جو خرابیان پھیلا رکھی تھین اُن کی اصلاح کی اور بصرہ مین واپس آیا۔ اس کے بعد بھی وہ برابر مقابلہ کرتا رہا یہان تک کہ کوئی مقام صاحب الزنج کے قبضہ مین نہین باقی رہا۔ اور صاحب الزنج گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ اُس باغی نے چودہ برس اور چار مہینے کشت و خون کا بازار گرم رکھا۔ اور آسمان سر پہ اُٹھا لیا۔ اس عرصہ مین اس نے لاکھون چھوٹے بڑے عورت مرد تہ تیغ کیے۔ بہت سے شہرون اور دیہاتون مین آگ لگا دی۔ اور اُس سارے علاقے کو تباہ و برباد کر دیا۔ ایک بار صرف شہر بصرہ مین اس نے تین لاکھ آدمی قتل کیے۔

اس واقعے کے بعد مہلبی نے جو صاحب الزنج کے ساتھیون مین تھا۔ اور اس کا بڑا طرفدار تھا بصرے مین ایک منبر نصب کیا وہ جمعہ کو سب کے ساتھ نماز پڑھتا۔ اور اس منبر پہ کھڑے ہو کے لوگون کو صاحب الزنج کے مذہب کی طرف بلاتا۔ بنی عباس کے افسرون اور اکثر صحابہ کو گالیان دیتا۔ اور اُن پر لعنت کرتا۔ بصرے مین جو لوگ صاحب الزنج کے تیغ ستم سے بچ رہے تھے جمع ہوے اور ارادہ کیا کہ مہلبی کو پکڑ کے قتل کر دین۔ مگر اُسے خبر ہو گئی۔ اور اس نے مسلمانون مین پھر قتل عام شروع کر دیا۔ اس مین بھی بہت سے قتل ہوے۔ بہت سے دریا مین کود پڑے اور ڈوب کے مر گئے۔ کچھ بچ رہے جو مکانون اور تہ خانون کے اندر چھپ رہے۔ یہ غریب دن بھر موت کے ڈر سے چھپے رہتے۔ اور رات کو غذا حاصل کرنے کے لیے نکلتے تو کتون کو پکڑ پکڑ کے ذبح کرتے اور کھا جاتے جب کتے نہ ملے تو بلیون اور چوہون پر گذارا کرنے لگے۔ یہان تک کہ وہ بھی ختم ہو گئے تو یہ حالت ہوئی کہ اُن مین سے جو شخص بھوک کے مارے مر جاتا باقی لوگ اس کو اپنی غذا بناتے۔ خیر کھانے کا تو مرکھپ کے کچھ انتظام ہو جاتا مگر پانی کو یہ لوگ بالکل ترسا کرتے۔ ان لوگون مین ایک عورت بیان کرتی ہے کہ دو بہنین آپس مین لڑ رہی تھین لوگون نے دونون کو بھڑکانا شروع کیا کہ کہین لڑ لڑ کے ان مین سے کوئی مرے تو اس کا گوشت کھا ذین آئے۔ وہ عورت بیان کرتی ہے کہ ان

مین سے کوئی آپس مین لڑکے نہ مری تو ہم لوگون نے اُن مین سے ایک کو کاٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا۔ اور کھا گئے۔ تھوڑی دیر مین اس کی بہن روتی ہوئی آئی۔ اس کے ہاتھ مین اس کی مقتولہ بہن کا سر تھا۔ ہم نے پوچھا کیون روتی ہو؟ اس نے کہا ان لوگون نے اس کا بھی انتظار نہ کیا کہ وہ اچھی موت مرتی بلکہ اس کو زندہ ہی کاٹ کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈالا اور مجھ کو کھانے کے لیے صرف اس کا سر دیا ہے حالانکہ میرا حق زیادہ ہونا چاہیے۔ اس طرح کے بہت سے افسوسناک واقعات اس زمانے مین پیش آئے۔ اور مسلمانون پر بڑا ظلم ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس قیامت خیز زمانے مین جس قدر لوگ قتل ہوے ہین اُن کا شمار اور احصار محال ہے اور خداوند عالم کے سوا اور کوئی نہین جانتا۔ بعض لکھتے ہین کہ پچاس لاکھ آدمی قتل ہوے ہین۔

جب یہ باغی قتل کیا جاچکا اور اس کا سر نیزے پر رکھ کے بغداد مین لایا گیا تو ایک عام جشن منایا گیا۔ مکان اور بازار سجے گئے۔ لوگ خلوص دل سے موفق کو دعائین دیتے تھے۔ شعرا نے اُس کی شان مین قصیدے کہے اور وہ لوگ جو باغیون کے ظلم وستم کی وجہ سے اپنے گھربار چھوڑ کے بھاگ آئے تھے اب خوشی خوشی اپنے اپنے گھرون کو واپس چلے۔

الغرض یہ چودہ برس مسلمانون پر بہت سخت گزرے اور اس زمانے مین اُنھین بڑی مصیبتین برداشت کرنی پڑین۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور امن وامان قائم ہوا۔

ریویو

شمسون محزون۔ انگریزی کے مشہور معروف جادو بیان شاعر ملٹن کی نظمین بڑی شہرت اور وقعت رکھتی ہین۔ یہ سب نظمین مذہبی رنگ لیے ہوے ہین۔ مسٹر عیسیٰ چرن صاحب صدا نے ان مین سے تین نظمون کا اردو ترجمہ نظم مین کر دیا ہے۔ پہلی "پیرے ڈالیس لاسٹ" ہے دوسری "پیرے ڈالیس ری گینڈ" اور تیسری "سیمسن اگونسٹس" پہلی کتاب کے ترجمہ کا پہلا اڈیشن "فردوس گم شدہ" دلگداز پریس مین چھپا تھا۔

شمسون محزون ایک ڈراما ہے جس کا خاتمہ رنج و غم پر ہوتا ہے اس کا پلاٹ انجیل سے لیا گیا ہے اور قصہ نہایت دلچسپ ہے صدا صاحب نے ترجمہ مثنوی کے طرز پر بہت خوب کیا ہے۔ قیمت فی جلد ۵؍ یہ کتاب مسٹر عیسیٰ چرن صاحب صدا ریٹایرڈ ڈپٹی انسپکٹر مدارس لاٹوش روڈ لکھنؤ سے منگوائی جائے۔ پہلی دونوں مثنویاں فردوس گم شدہ عہ؍ اور فردوس باز یافتہ ۸؍ بھی اسی پتہ سے مل سکتی ہیں۔

بہارستان ۔ یہ رسالہ جناب اختر شیرانی کی ایڈیٹری میں گذشتہ سال مزنگ لاہور سے ماہانہ نکلنا شروع ہوا ہے ٹائیٹل کے اوپر لکھا ہوا ہے "اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ماہوار مجموعہ" اور واقعی یہ رسالہ ہے بھی ایسا ہی۔ اس میں تصویریں بھی ہوتی ہیں۔ کاغذ اور چھپائی بھی اچھی ہے۔ اس میں بعض مضامین اور نظمیں بہت ہی قابل قدر شائع ہو چکی ہیں امید ہے کہ یہ رسالہ بہت ترقی کرے گا۔ چندہ سالانہ پانچ روپیہ منیجر صاحب بہارستان مزنگ لاہور کے پتہ سے منگوایا جائے۔

ادبستان ۔ اردو کا یہ ماہانہ رسالہ حضرت رشید صدیقی کی ایڈیٹری میں بمبئی سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ رسالہ بہارستان کیطرح یہ بھی "اردو علم ادب کی دلچسپیوں کا ماہوار مجموعہ" ہونے کا دعویدار ہے۔ اور انجمن معین الادب بمبئی کی سرپرستی میں نکل رہا ہے۔ اس لیے امید ہے کہ جاری رہے گا۔ یہ رسالہ اچھا ہے۔ تصویریں بھی ایک اور رنگین ہیں۔ چندہ سالانہ چار روپیہ۔ منیجر صاحب ادبستان۔ مین روڈ۔ دادر۔ بمبئی نمبر ۱۴ سے منگوایا جائے۔

فانوس ۔ یہ رسالہ بھی چند روز سے ہمارے ہی صوبے کے مقام جھانسی سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ یہ "مجلس علمیہ جھانسی کا علمی و ادبی ماہوار رسالہ" ہے جو جناب آفتاب اکبر آبادی کی ایڈیٹری میں نکل رہا ہے۔ ابھی اس کے دو ہی تین نمبر شائع ہوئے ہیں۔ مگر ہر نمبر اپنے سابقہ نمبر سے بڑھا ہوا ہے۔ چندہ سالانہ ؏ منیجر صاحب رسالہ فانوس محلہ رای کا تعزیہ۔ جھانسی کے پتہ سے خط و کتابت کیجائے۔

بیدار [illegible]

محمد سردار علی

آج کل کے اٹلس یعنی جغرافی نقشے ساری دنیا کو دو دائرون کے اندر ظاہر کرتے ہین۔ اُن مین سے ایک دائرے مین آیشیا۔ یورپ۔ اور افریقیہ کے براعظم ہوتے ہین۔ اور دوسرے دائرے مین شمالی اور جنوبی امریکہ۔ ان مین سے ایشیا والے دائرے کو پرانی دنیا اور امریکہ کو نئی دنیا کے نام سے یاد کرتے ہین۔ یہ فقط اس وجہ سے ہے کہ ہمین امریکہ کا حال ابھی چند صدیان گذرین کہ معلوم ہوا ہے۔

لیکن اگر پوچھا جائے کہ ان دونون مین دراصل پُرانی زمین کون سی ہے تو زمین کی ساخت پر غور کرنے کے بعد علم طبقات الارض کے ماہرین اس نتیجے پر پہونچین گے کہ ساری روے زمین مین امریکہ کے جنوبی اور شمالی دونون براعظم زیادہ قدیم ثابت ہوتے ہین۔ پھر اگر ہم اس پر غور کرین کہ انسان کی پیدائش کو آج سے کتنے برس گذر چکے ہین تو ہمین اُن امکانی تغیرات عالم کا بھی لحاظ کرنا پڑے گا جو تخلیق عالم کے بعد روے زمین پر واقع ہوے ہون۔ ہم یہ سوال کرسکتے ہین کہ بحرالکاہل مین اتنے بہت سے جزیرے کس طرح بن گئے۔ یا براعظم ایشیا اور شمالی امریکہ کے شمال مین دونون کے خشکی کے حصے کیون اس طرح ایک دوسرے کی طرف بڑھ آئے ہین گویا ایک دوسرے سے ملنے اور معانقہ کرنے کے لیے تیار ہین۔ مگر انگ کھڑے حسرت کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھتے اور افسوس کر رہے ہین کیونکہ کوئی بہت بڑی قوت اُنھین آپس مین ملنے نہین دیتی ہے۔ بیشک وہ ملنا چاہتے ہین

یا کبھی ملے ہوئے ہون۔

جزائر الوشین اس خیال کو اور تقویت دیتے ہین اور یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ بحیرۂ بیرنگ جو آیشیا اور آمریکہ کے درمیان مین واقع ہے نسبتاً بہت کم گہرا ہے۔

یہ تو شمالی حصے کی حالت ہوئی۔ اب جنوب مین دیکھیے آشینیا کے جزیرے اور اُن کے چارون طرف سمندر کا وہ حصہ جو اُنھین گھیرے ہوے ہے گویا ایک بہت بڑا بحری باغ ہے اور ہر قسم کی پھول پتیان اس کثرت کے ساتھ سطح سمندر کے نیچے سے پیدا ہو کے اوپر نمودار ہو جایا کرتی ہین کہ کسی دوسری جگہ اس کی مثال نہین ملتی ہے۔ ان جزیرون پر اور سمندر کے نیچے بھی پہاڑون کی بہت سی اونچی اونچی چوٹیان اور بلند زمینین ہین جن سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی زمانے مین یہ ایک بہت بڑا براعظم ہوگا جس نے بحر الکاہل کے بہت بڑے حصہ پر قبضہ کر رکھا ہوگا۔

یہی حال بحر اٹلانٹک کا ہے اور اس قسم کے تغیرات اُس مین بھی غیر ممکن یا تعجب خیز نہین ہو سکتے۔ جن لوگون نے اس سمندر کی گہرائیون کا بغور مطالعہ کیا ہے اُنھون نے اس کی تہ مین ایسے بلند حصے مسلسل پائے ہین جو افریقہ کے مغربی ساحل سے لے کر جنوبی امریکہ تک برابر چلے گئے ہین۔ بحر اٹلانٹک کی تہ مین یہ بلند حصے اس سمندر کی اوسط گہرائیون سے تہائی حصے سے بھی کم گہرے واقع ہوے ہین۔ اور یہ چیز اس قدیم افسانے کو قرین قیاس کیے دیتی ہے جو ان دونون براعظمون کی اکثر قومون مین موجود ہے کہا جاتا ہے کہ کسی زمانے مین ان دونون براعظمون کے درمیان مین زمین کا ایک بہت بڑا اور شاداب و زرخیز حصہ واقع تھا جس نے ان دونون خشکی کے بڑے حصون کو آپس مین ملا دیا تھا۔ یہ زمین اٹلانٹس کہلاتی تھی اور اسی کی وجہ سے بحر اٹلانٹک کا نام مشہور ہوا۔

افلاطون نے اسی سرزمین اٹلانٹس کی بابت لکھا ہے کہ وہان بہت سے آباد شہر تھے اور وہ ملک ایک ایسی قوم کا گہوارہ تھا جس کے مال و دولت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور جو تہذیب و تمدن کے اعلی مدارج بھی طے کر چکی تھی۔ قدیم فلسطین کی طرح وہان بھی ہر شہر کا حکمران ایک

بادشاہ تھا جن کے نام اب بھی یونانی دیومالا مین باقی ہین۔
مصریون مین بھی ایک قدیم روایت یہ چلی آتی ہے کہ اُن کے آباواجداد ایک ایسی سرزمین سے آئے تھے جو مغرب کی جانب بہت دور واقع تھی اور اٹلانٹس کہلاتی تھی۔ افلاطون سے ہم کو یہ بھی معلوم ہوا کہ اٹلانٹس کے لوگ زیادہ تر بحری تجارت مین مشغول رہتے تھے۔ اُن کے ساحلی شہرون مین بیشمار بندرگاہ بنے ہوے تھے جہان بڑے بڑے جہاز اپنے مال اُتارتے اور چڑھاتے رہتے۔ روے زمین کے کل حصون مین وہی تجارتی مال لاتے اور لے جاتے۔
افلاطون نے جن الفاظ مین اس سرزمین کا ذکر کیا ہے وہ حسب ذیل ہین۔
اثینیہ کے کارہاے نمایان مین جن کا ذکر ہم تک پہونچ سکا ہے ایک بہت بڑی بات یہ بھی ہے جسے سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یونانیون نے اُس عظیم الشان فوج کو تباہ و برباد کر کے کامل شکست دیدی جو بحر اٹلانٹک کے اس پار سے آئی تھی۔ اور جس نے یہان تک جرأت کی کہ یورپ پر حملہ کر دیا۔ یہ بحر اٹلانٹک اُس زمانے مین جہازرانی کے قابل تھا اور ہرقل کے ستونون کے درمیان مین جو آبناے ہے اُسکے آگے ایک جزیرہ تھا جو ایشیاے کوچک اور لی بیا کے متحدہ رقبے سے بہت بڑا تھا۔ اس جزیرے سے ہر شخص بہ آسانی دوسرے جزائر مین پہونچ سکتا تھا اور اُن جزیرون سے اُس بڑے حصۂ زمین تک جو سمندر کے پار چلا گیا ہے وہ بہت بڑا ہے اُس کے مقابلے مین سارا بحر روم ایک بندرگاہ نظر آتا ہے۔ وہ براعظم جو اس عظیم الشان سمندر کے دوسرے جانب واقع ہوا ہے بہت بڑا ہے۔ جزیرۂ اٹلانٹس مین تین بادشاہ حکومت کرتے تھے جن کی قوت اور اختیارات غیر محدود تھے۔ پورا جزیرۂ اٹلانٹس اور بہت سے چھوٹے جزیرے اور سمندر کی دوسری طرف والے براعظم کے کچھ حصے ان بادشاہون کے قبضے مین ہین۔ کسی زمانے مین ان بادشاہون کی حکومت افریقہ مین لیبیا اور یورپ مین اٹلی کی سرحد تک پہونچ گئی تھی۔ پھر اُنھون نے اپنی فوجین جمع کر کے یہ کوشش کی کہ ہمارے کل ممالک کو ایک حملے مین تباہ کر دین۔ اور اس علاقے کو بھی اپنی حکومت مین شامل کر لین۔ لیکن انھین

شکست ہوئی۔ اُن کا حملہ ختم ہو گیا اور ہرقل کے ستونوں کے اس طرف کے کل ممالک کو اُن کے جور وستم سے آزادی حاصل ہو گئی۔ اس کے چند روز بعد ہی یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک دن اور ایک رات مین بے شمار زلزلے آئے اور ایسا شدید سیلاب آیا کہ وہ ساری زمینین غرقاب ہو گئین۔ اور وہ جنگجو قوم سمندر کے اندر غرق ہو گئی۔ پورا جزیرہ اٹلانٹس ہمیشہ کے لیے سمندر کے اندر غائب ہو گیا۔ اور تب سے وہ عظیم الشان سمندر ناقابل عبور ہو گیا کیونکہ کوئی جہاز اُس مین نہین چل سکتا۔ اُسکی وجہ یہ بھی ہے کہ جو جزیرے سمندر کے اندر غائب ہو گئے وہ سمندر کی سطح سے دو چار گز سے زیادہ گہرے نہ تھے۔ لہذا ایسے سمندر مین کوئی جہاز نہین چل سکتا۔

جزائر اٹلانٹس والون کا یہ حملہ بہت قدیم زمانے مین ہوا۔ اور اُسوقت تک شہر اثینیہ بھی یونانی شہرون مین شامل نہ تھا۔ یونانیون مین سالانہ ایک عید بھی منائی جاتی تھی جو اسی فتح کی یادگار تھی۔ قدیم یونانیون مین یہ ایک بہت بڑی روایت تھی اور بہت دنون سے چلی آتی تھی۔

یونانی حکیم سولون بھی مصر جانے سے پہلے اٹلانٹس کا حال جانتا تھا لیکن مصر پہونچ کر اُس کو سب سے پہلی مرتبہ اُس جزیرے کا مفصل حال معلوم ہوا اور اُس نے یہ بھی سنا کہ وہ جزیرہ کس خوفناک طریقے پر سمندر کے اندر غائب ہو گیا۔ دیگر قدیم مورخین بھی جزیرۂ اٹلانٹس کا حال لکھتے ہین اس قسم کی قدیم روایتین بحر اٹلانٹک کے دونون جانب لوگون مین مشہور ہین۔ اور اب تک چلی آتی ہین۔ اصل یہ ہے کہ جزیرۂ اٹلانٹس براعظم امریکہ کا ایک حصہ تھا جو سمندر مین بڑھتا ہوا افریقہ کے ساحل تک چلا آیا تھا۔ بحر اٹلانٹک کے دونون جانب کے قدیم باشندون مین اسی روایت کا پایا جانا بلا وجہ نہین کہا جا سکتا۔ بلکہ اس کی کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہوگی۔ قدیم یونانی مورخین اس سرزمین کو جسے وہ اٹلانٹس کہتے ہین ہمیشہ یورپ اور افریقہ کے آگے اسی سمندر مین بیان کرتے ہین جو انھین جزائر کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ اور قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اس سمندر نے اپنے نام سے اُس قدیم زمانے کی تاریخی یادگار کو

اب تک لوگون کے دلون مین نہین تو زبانون پر زندہ کر رکھا ہے۔

یورپ کی کسی زبان مین اٹلانٹک کے کوئی معنی نہین ہین اور یہ لفظ یونانی یا ایرانی دنیا کی کسی دوسری زبان کا نہین ہے۔ لیکن میکسکو کی زبان مین اٹل کے معنی پانی کے ہین۔ اس سے اُس زبان مین اور بھی بہت سے لفظ بنے ہین مثلاً اٹلان کے معنی پانی کے بیچ مین ہین اور اسی سے لفظ اٹلانٹک نکلا ہے۔ کولمبس نے جب براعظم امریکہ کو پالیا تو خلیج اُرابا کے دہانے پر اٹلان نام کا ایک شہر آباد تھا جہان ایک اچھا بندرگاہ تھا۔ اب یہ شہر ویران ہو گیا ہے مگر ایک چھوٹی سی گمنام آبادی اٹلا نام کی اب بھی وہان باقی ہے۔

امریکہ کے نقشے کو بغور دیکھنے سے ہمین یہ معلوم ہوگا کہ دریاے اوری نوکو کے دہانے سے لے کر جزیرہ نماے فلوریڈا تک سمندر مین بہت سی چٹانین ایسی ہین جو سمندر کے مد یا طوفان کی وقت نہین نظر آتین۔ یہ ایک بہت بڑے کوہستانی سلسلے کی اونچی چوٹیان ہین۔ وہ پہاڑ اور اس کی وادیان پانی کے اندر چھپی ہوئی ہین۔ بہت ممکن ہے کہ یہ براعظم امریکہ کی خشکی کا ایک حصہ ہو جو اب سمندر کی سطح کے نیچے ہو گیا ہے۔ اور جس کی وجہ سے شمالی اور جنوبی امریکہ کے درمیان خلیج میکسکو بن گیا ہے

طبقات الارض کے ایک بڑے ماہر چارلس مارٹن کا یہ دعوی ہے کہ جزائر ازورس۔ کناریز اور مدیرہ اسی سرزمین کے حصے ہین جو کسی زمانے مین افریقہ کو امریکہ سے ملائے ہوئے تھی۔

سرزمین اٹلانٹس کی ان قدیم روایتون کو اگر ہم کوئی وقعت نہ دین اور اُنھین محض انسانی تخیلات کا ایک کرشمہ سمجھین تب بھی ہمین بعض دیگر اسباب ایسے ملتے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین کے ان دونون بڑے حصون مین بہت قدیم زمانے سے انسان کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ بہت ممکن ہے ایشیا اور شمالی امریکہ کسی زمانے مین ملے ہوے ہون۔ لیکن فرض کر لیجیے کہ ایسا کبھی نہ تھا۔ اس حالت مین بھی بہت ہی چھوٹی اور معمولی کشتیان ایک براعظم سے دوسرے

براعظم تک بہت آسانی کے ساتھ پہونچ سکتی ہین۔ جزائر الوشیئن کی وجہ سے یہ راستہ اور بھی آسان ہو جاتا ہے۔ پھر اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ ساحلی مقامات کے باشندے قدیم ترین زمانے سے سمندرون مین پھرنے کے عادی ہو رہے تھے اور اُن کی زندگی محض سمندر کی پیداوار پر بسر ہوتی تھی۔ یہ انسان کی فطرت مین داخل کر دیا گیا ہے کہ وہ مصائب سفر کو خوشی سے برداشت کر لیتا ہے۔ بلکہ اس سے لطف اٹھاتا ہے۔ دریافت استعجاب اُس سے مشکل ترین کام بھی کرا دیتا ہے۔ لہذا یہ بات تو قیاس مین نہین آسکتی کہ وہ ماہی گیر جو سمندر سے اس قدر نڈر ہو گئے تھے اس سرزمین سے ناواقف رہے ہون جو تھوڑی ہی دور اُن کے سامنے تھی یہ قرین قیاس ہے کہ ان ساحلی باشندون نے ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے مین سفر کیا ہوگا۔ اور ہر جزیرے کے مناظر بہ نسبت پہلے کے زیادہ دلفریب ہونے کی وجہ سے اُنھین اور آگے کھینچ لے گئے ہون گے یہانتک کہ وہ دوسرے براعظم مین پہونچ گئے۔

انسان ہمیشہ اس کوشش مین لگا رہتا ہے کہ اپنی حالت کو پہلے سے زیادہ بہتر بنالے اور اس تلاش مین وہ اکثر روے زمین کے دور دراز ممالک مین نکل جایا کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ جو چیزین یہان ہمارے امکان مین نہین ہین وہ دوسری جگہ جانے سے بہ آسانی دستیاب ہو جائین گی۔ اس کی بیچین طبیعت کسی حالت مین مطمئن نہین رہتی۔ سیر و تفریح کا شوق بھی انسان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے۔ جب ہم اِن باتون پر غور کرتے ہین تو ہمین یقین ہو جاتا ہے کہ انسان بہت ابتدائی زمانے مین ہی ایشیا سے شمالی امریکہ مین پہونچ گیا ہوگا۔ ایک مرتبہ وہان پہونچ جانے کے بعد جنوب کی جانب سفر کر کے خوش گوار آب و ہوا کی تلاش مین امریکہ کے دونون براعظمون مین پھیل جانا خلاف قیاس نہین ہو سکتا۔

بعض اہل راے اس پر یقین رکھتے ہین کہ امریکہ مین سب سے پہلے بنی اسرائیل کے وہ قبیلے آکے آباد ہوئے جنھون نے اپنے وطن کو خیرباد کہی

تھی مگر پھر پتہ نہ چلا کہ وہ کہان چلے گئے۔ اشوریا والے جب بنی اسرائیل کو پکڑ لے گئے ہین تو اس گرفتاری کے زمانے مین یا اس کے بعد ہی بنی اسرائیل کے دس یا بارہ قبیلے بالکل غائب ہو گئے۔ بہرحال تاریخ مین پھر اُن کا کہین نام و نشان نہین ملتا۔ یہود کی تاریخ مین اُن کی نسبت عام طور پر یہی لکھا ہے کہ وہ گم ہو گئے۔

یقینی طور پر تو نہین کہا جا سکتا مگر بہت ممکن ہے کہ وہی قبائل سفر کرتے کرتے شمالی ایشیا سے امریکہ مین داخل ہو گئے ہون۔ شمالی ایشیا اور نیز شمالی امریکہ کا موسم بہت تکلیف دہ پاکر اُن کا رخ قدرتی طور پر جنوب کی جانب پھر گیا ہو گا۔ یہ نہین کہا جا سکتا کہ اُن کے اس سفر مین کتنے سال گزر گئے ہون مگر یہ ضرور ہے کہ وہ لوگ تکلیفین برداشت کرنے کے ایسے عادی ہو چکے تھے کہ کسی ایسی خوشگوار اور پُرامن جگہ کی تلاش مین جہان اُنھین مذہبی آزادی حاصل ہو اور جس جگہ ضروریات زندگی بہ آسانی بہم پہنچ سکین اگر اُنھون نے اتنا بڑا سفر گوارا کر لیا ہو تو بعید از قیاس نہین کہا جا سکتا۔

امریکہ کی آبادی کے متعلق جو کچھ اوپر بیان کیا گیا اُن مین سے بعض ضرور قرین قیاس ہین۔ لیکن بعض امور اور بھی ہین جن کی تردید کرنا آسان نہین ہے۔ کولمبس نے جب جزیرہ سان سل ویڈر پر قدم رکھا تو اُس نے وہان انسان کی ایک ایسی وحشی قوم دیکھی جو پرانی دنیا کے لوگون سے بہت مختلف تھی۔ لیکن ایک چیز جو یہان اور وہان کے باشندون مین یکسانی نمایان کرتی تھی یہ تھی کہ اُن لوگون نے بھی کتون کو شکار کے لیے سدھایا تھا۔ اور گھوڑے کے بعد کتا ہی انسان کا سب سے بڑا رفیق۔ ہمدرد اور مددگار ثابت ہوا ہے۔

کولمبس نے تو اس نئی دنیا مین فقط وحشی جاہلون کو پایا تھا لیکن اس کے پچیس ہی برس بعد آسپین کا ایک جانباز شخص کورٹیز سرزمین امریکہ کے بعض حصے دیکھنے گیا میکسکو کے ساحل پر قدم رکھتے ہی اسے یہ دیکھ کے بڑا تعجب ہوا کہ وہان ایک ایسی قوم آباد ہے جو باوجود اپنی ضعیف الاعتقادی کے تہذیب کے اعلی مدارج طے کر چکی ہے۔

کورٹیز کے چند سال بعد پزارو نے امریکہ کے علاقہ پیرو کے اندرونی

حصے مین سفر کیا۔ یہان اُسے ایک ایسی قوم نظر آئی جو میکسکو والون سے بھی زیادہ ہوشیار اور دولت مند تھی۔ یہ دونون قومین علوم و فنون مین کافی دستگاہ رکھتی تھین اور غور کرنے سے ہمین یہ نظر آتا ہے کہ اُن کے عقائد مصریون اور قدیم ایرانیون سے بہت کچھ ملتے جلتے تھے۔ ان کے حروف جو تعداد مین چھبیس تھے۔ تقریبًا سب کے سب یونانیون اور شام والون کے حرفون سے بہت مشابہ تھے۔ ان کے سال کی مدت ہمارے سال کے برابر تھی۔ حساب مین وہ کسر اور اعشاریہ سے بخوبی واقف تھے اور ریاضی مین اتنی مہارت حاصل کر لی تھی کہ انھون نے فن تعمیر مین کارہاے نمایان انجام دیے۔ اُن کے ان کامون کو دیکھ کے ہمارے زمانے کے بہترین انجینیر بھی تعجب کرتے ہین۔ اس قسم کی شہادتین ہمین اس بات کے ماننے پر مجبور کرتی ہین کہ امریکہ کے قدیم باشندے مصریون یا دیگر مشرقی قومون سے ضرور کوئی خاص تعلق رکھتے تھے۔ یہ ترقی یافتہ قومین اگرچہ امریکہ کے مغربی ساحل پہ پائی گئین مگر امریکہ کے دیگر مقامات مین بھی قدیم تہذیب کے آثار بخوبی ملتے ہین۔

اب ہم اس پر غور کرتے ہین کہ جنوبی امریکہ مین مغرب کی جانب سے انسان پہونچ سکا ہوگا یا نہین۔ بظاہر تو یہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ اتنا وسیع سمندر درمیان مین حائل ہے۔ لیکن غور کرنے سے امکان کی صورت نظر آنے لگتی ہے۔

بحرالکاہل کے جزائر مین دو قسم کے جہاز بہت قدیم زمانے سے پائے جاتے ہین جو دور و دراز سمندرون مین جا سکتے تھے۔ ایک قسم کے جہاز جاپان والون کے یہان بنائے جاتے تھے اور دوسری قسم ٹونگا اور سوسائٹی کے جزائر مین پائی جاتی تھی۔ کولمبس سے بہت پہلے اہل فینقیہ نے ان سے بہت چھوٹے اور کمزور قسم کے جہازون مین بہت بڑے بحری سفرون کی جرأت کی تھی۔ جزائر ٹونگا کے باشندے قدیم ترین زمانے سے جزائر ساموا۔ فجی اور نیو ہبریڈیز مین آتے جاتے تھے جو ایک دوسرے سے بہت فاصلے پہ ہین۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ دور و دراز جزائر مین

اُن کی آمد و رفت تھی۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ بحر الکاہل کے کل جزیرے دن مین ایک دوسرے سے آمد و رفت تھی۔ ان جزائر کے باشندون کی نسبت یہ بات بھی اب قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ قدیم ترین زمانے مین بھی وہ بڑے مشاق جہاز ران تھے۔ اپنی کشتیون یا چھوٹے چھوٹے جہازون کو اس بحر ناپیدا کنار مین ڈال دیتے تھے۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ کھلے سمندر مین وہ ستارون کے ذریعہ اپنا راستہ قائم رکھتے۔ مگر بڑے ماہرین کی سمجھ مین بھی یہ بات پوری طرح نہین آسکی ہے کہ وہ جہاز رانی مین در اصل کس علم سے کام لیتے تھے۔

جزائر ایسٹر مین جو جنوبی امریکہ سے ڈیڑھ دو ہزار میل کے فاصلے پر واقع ہین پتھر کے بہت سے بت دستیاب ہوے ہین جن کے چہرے جزائر ملایا کے اصلی قدیم باشندون سے بہت مشابہ ہین۔ اس سے یہ امر یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ جزائر ملایا والے سمندر مین اتنی دور تو ضرور ہی نکل جاتے تھے۔ اور جب دو ڈھائی ہزار میل کھلے سمندر مین جا سکتے تھے تو کوئی وجہ نہین کہ جزائر ایسٹر کے اور آگے ڈیڑھ دو ہزار میل نہ جا سکے ہون۔ یا اُنھون نے اور آگے بڑھنے کی جراءت نہ کی ہو۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانہ مین جزائر ملایا والون کی ایک عظیم الشان سلطنت قائم تھی۔ اور بحر الکاہل کے کل جزیرے اسی حکومت کے تابع فرمان تھے جس وقت اس سلطنت کی ابتدا ہوئی اُس پر زمانہ ماقبل تاریخ کی روایتون کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ اکثر قدیم سیاح اپنے سفرنامون مین اس عظیم الشان سلطنت کا حوالہ دیتے ہین۔ ایک سیاح جو بڑا قابل شخص ہے لکھتا ہے کہ اس بادشاہ کے زیر اثر بے شمار جزیرے ہین۔ نہایت تیز چلنے والے جہاز پورے دو برس مین بھی اُن کے گرد گھوم کے نہین آسکتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ قدیم سلطنت اُن سب جزائر پر حاوی ہو گی جو بحر الکاہل مین واقع ہین۔ وہی سیاح یہ بھی بتاتا ہے کہ اس سلطنت نے جہاز رانی مین بڑی ترقی کی تھی۔ وہان جہازون کے بہت سے بیڑے تھے۔ اور بیشمار جہاز تجارتی مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ وہان کے لوگون نے صنعت و حرفت مین بھی خاصی ترقی کی تھی۔ بہت سا مال خود اُن کے یہان بنتا تھا جسے وہ جہازون کے ذریعے دوسرے ممالک مین لے جا کے بیچتے تھے

اُن کے زیور اور سکّے چاندی سونے کے تھے۔

اس عظیم الشان سلطنت کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ جزائر آیسٹر مین جو بہت دور سمندر مین واقع ہوے ہین ملّائی زبان کے الفاظ ملتے ہین۔ اس کے علاوہ جزائر بحرالکاہل کی زبانین آپس مین اتنی ملتی جلتی ہین کہ مختلف جزائر کے لوگ ایک دوسرے کی زبانین بہ آسانی سمجھ لیتے ہین۔ یہ اسی ملّائی سلطنت کے اثر سے ہوا۔ اس وسیع سلطنت کا صدر مقام جزیرہ جاوا مین موجودہ شہر بٹے ویا سے تقریبًا تیس میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اب بھی اُس کے کھنڈر باقی ہین جن سے ایسی شان اور فن تعمیر کی ایسی مہارت نمایان ہوتی ہے کہ آج کل کے لوگ اُسے دیکھ کے حیران رہ جاتے ہین۔

ان سب کے سوا ایک اور خیال بھی پیدا ہوتا ہے اہل فنیقیہ پرانے زمانے مین بڑے جہازران تاجر گزرے ہین۔ ان کا صدر مقام ارض مقدس کا ساحلی شہر طائر تھا جو کسی زمانے مین بڑا آباد اور بارونق شہر تھا۔ یہ لوگ جہازرانی مین بڑے مشاق گزرے ہین۔ رُوما اور قرطاجنہ کے کل علاقہ جات مین انھین کے جہاز مال واسباب لاتے اور لے جاتے تھے۔ ان کے جہاز بحر روم کے اندر ہی نہین چکر لگاتے رہتے تھے بلکہ آبنائے جبرالٹر کے باہر سمندر مین بھی نکل جاتے تھے اور آفریقہ کے مغربی ساحل پر دور دور دراز ممالک تک پہونچ جایا کرتے۔ ان بہادر جہازرانون کا اتنا حال تو ہم کو یقینی طور پر معلوم ہے مگر کیا یہ ممکن نہین کہ اپنی تجارت کو پھیلانے کے خیال سے اُنھون نے اور آگے بڑھ کے کھلے سمندر مین چکر لگائے ہون اور بہت ممکن ہے کہ آمریکہ کے ساحل تک پہونچ گئے ہون مگر یہ صرف قیاس ہے اس کے متعلق کوئی یقینی بات نہین کہی جا سکتی۔

یہ سب صورتین اس کی ہین کہ آمریکہ مین انسان کس طرح پہونچ سکا ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ صحیح طور پر کوئی نہین بتا سکتا کہ آمریکہ مین انسان کیسے جا کے آباد ہوا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ انھین مین سے کوئی نہ کوئی صورت ہوئی ہوگی۔

اسپین مین جب عربون کی حکومت تھی تو اس زمانے مین بھی بعض من چلے ملاحون نے سمندر مین بہت دور تک چکر لگایا تھا اور کسی نامعلوم

زمین کی تلاش مین بہت دور تک نکل گئے تھے مگر اُن کی مہم کامیاب نہین ہوئی اور اُنھین واپس آنا پڑا۔ اس کا حال مشہور ہسپانی مورخ کانڈی نے اپنی تاریخ ہسپانیہ عرب مین بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یورپ والون مین اٹلانٹک کے اس پار کسی زمین کے موجود ہونے کا خیال پہلے سے ضرور موجود تھا۔

آمریکہ مین انسان کے پہونچ جانے کے بعد پھر اس دنیا سے تعلقات منقطع ہو گئے تھے۔ اور کسی کو اس دنیا کا حال نہین معلوم تھا۔ سنہ عیسوی کے قریب نارمن لوگون نے جہاز رانی مین ترقی کی اور سمندر دن مین دور دور نکل گئے۔ یورپ سے وہ جزیرۂ آیس لینڈ مین گئے۔ اور وہان سے گرین لینڈ مین پہونچے۔ اور وہان اپنی ایک نوآبادی قائم کر لی۔ گرین لینڈ سے آمریکہ کے ساحل کچھ دور نہین ہین۔ اور اُن کے تجارتی جہاز آمریکہ مین بھی جانے آنے لگے تھے۔ اس کی زیادہ تر یہ وجہ تھی کہ گرین لینڈ مین اکثر برف جمی رہتی۔ اور درخت بہت بڑے نہین ہو سکتے تھے۔ لہذا وہان مکان بنانے کے لیے لٹھون کی ضرورت پڑتی جو آمریکہ سے لائے جاتے۔ کیونکہ وہان گھنے جنگلون کی کوئی کمی نہ تھی۔ اور لکڑی بہ افراط پیدا ہوتی۔ گرین لینڈ سے یہ لوگ جا کے آمریکہ سے لکڑیون کے لٹھے لے آتے۔ پھر ان نارمن لوگون نے آمریکہ کے ساحل پر بھی اپنی ایک نوآبادی قائم کر دی تھی۔ مگر آمریکہ کے قدیم باشندون نے اُنھین وہان نہین ٹھہرنے دیا اور چند سال کے بعد نارمن لوگ جو آمریکہ کے ساحل پر بس گئے تھے اس سرزمین کو چھوڑ کے گرین لینڈ اور آیس لینڈ ہوتے ہوے یورپ کے ممالک ناروے اور ڈنمارک مین واپس چلے آئے۔

لہذا کولمبس پہلا شخص نہین ہے جس نے آمریکہ کو معلوم کیا۔ اس سے پہلے انسان تو وہان پہونچ ہی چکا تھا۔ اور روے زمین کے ان دو حصون مین تعلقات منقطع ہو جانے کے بعد بھی بعض لوگ وہان پہونچ چکے تھے جیسا کہ نارمن لوگون کے حال مین بیان کیا گیا۔ بہت ممکن ہے کہ کولمبس نے یہ قدیم افسانے سنے ہون اور اُنھین کی بنا پر اُسے اس یقین کے ساتھ اتنی دور سمندر مین جانے کی جرأت ہوئی ہو۔ اتنا ضرور ہے کہ اگر اُسے کچھ معلوم تھا تب بھی اُس نے بہت بڑی جرأت کی جس کی وجہ سے اُس کا نام ہمیشہ یاد رہے گا۔

قسمت کی نیرنگی

اندلس کے آخری اسلامی دور حکومت میں شاہ یوسف بن محمد غرناطہ کے تاج و تخت پر بیٹھا ہوا حکومت کر رہا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام اُس نے خود اپنے نام پر یوسف رکھا۔ منجھلے بیٹے کا نام محمد تھا۔ سنجھلے کا علی اور چھوٹے کا نام احمد تھا۔ بادشاہ یوسف کا منجھلا بیٹا محمد بن یوسف بڑا بہادر اور منچلا جوان تھا۔ اس مین تیزی اور حوصلہ مندی کے جذبات بھی موجود تھے۔ اس نے دیکھا کہ بڑے بھائی یوسف کو مجھ پر ترجیح دیجاتی ہے۔ اور محض بڑے ہونے کی وجہ سے اُسے یہ حق حاصل ہو گیا ہے۔ حالانکہ مین اس سے زیادہ قابل اور بہادر ہوں۔ پھر بادشاہ بھی اسی کو چاہتا ہے اور اسے ولی عہد مقرر کر دیا ہے۔ محمد بن یوسف کی منچلی طبیعت نے اِسے گوارا نہ کیا اور اس نے ارادہ کیا جس طرح ممکن ہو مجھے تاج و تخت حاصل کرنا چاہیے۔

اس جوش مین اُس نے بادشاہ یعنے اپنے باپ کی بھی پروا نہ کی اور مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ اندلس مین مسلمانون کی حالت رو بہ تنزل تھی اور فتنہ و فساد کے لیے صرف بہانہ کافی ہوتا تھا۔ بہت سے لوگ اُسکے طرفدار ہو گئے۔ شہر کے عوام اور وہ غیر مطمئن لوگ جو ہمیشہ ایسے موقعون پر اُٹھ کھڑے ہوا کرتے ہین اس دفعہ بھی شہزادہ محمد کے ساتھ ہو گئے۔ اور یہ بے اطمینانی کی حالت قائم رہی۔ شاہ یوسف نے انتقال کیا جس کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے۔

فاس کے بادشاہ نے شاہ یوسف کے پاس چند قیمتی ہدیے بھیجے اور اُن مین ایک نہایت ہی بھاری زربفت کا جوڑا بھی تھا۔ اصل مین فاس کا بادشاہ یوسف سے دشمنی رکھتا تھا۔ لہذا اس جوڑے کو ایک نہایت تیز قسم کے زہر مین تر کر کے خشک کر لیا گیا تھا۔ بادشاہ یوسف نے ایک دفعہ اس جوڑے کو پہنا تو اُسکے سارے جسم مین درد پیدا ہو گیا۔ اور اسی تکلیف سے اس نے اپنی جان دی۔ کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔

شاہ یوسف کے منجھلے بیٹے محمد نے اِسی دن کے لیے سازشون اور مکاریون کا جال بچھا رکھا تھا۔ باپ کے مرتے ہی وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور کل شیوخ و امرا اُس کے طرفدار ہو گئے۔ کسی نے شہزادہ یوسف کے حقوق کا لحاظ نہ کیا اور شہزادہ محمد کو زیادہ چست و چالاک اور بہادر دیکھ کے سب اُسی کے طرفدار ہو گئے۔ اُنھون نے اسی منجھلے بیٹے کی حکومت کا اعلان کر دیا اور وہ تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔

محمد بن یوسف کو تخت پر بیٹھتے ہی سب سے پہلے یہ فکر ہوئی کہ اپنے بڑے بھائی یوسف کو گرفتار کر لے۔ وہ شہزادہ اپنی قسمت پر قانع ہو کے گھر مین خاموش بیٹھ رہا تھا۔ اور چاہتا تھا کہ اس طرح خاموشی اور امن کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کر دے۔ اس خیال سے وہ نہ اپنے گھر سے باہر نکلا۔ نہ انقلاب پسند لوگون سے ملا۔ اور نہ اُنھین کسی قسم کی ترغیب دی۔ مگر اُس کا چھوٹا بھائی اُسے آزاد نہین رکھنا چاہتا تھا۔ لہذا اسے گرفتار کر کے قلعۂ شلوبانیہ مین بھیج دیا اور حکم دیا کہ اس کی نہایت سختی کے ساتھ نگرانی رکھی جائے۔ مگر اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ جس چیز کی اُسے ضرورت ہو فوراً مہیا کر دی جائے۔ اس حکم کے مطابق وہ شہزادہ اپنے حرم اور لونڈی غلامون کے ساتھ اس قلعے مین پہونچا دیا گیا۔

کئی سال اسی حالت مین گزر گئے۔ شاہ محمد بن یوسف غرناطہ پر حکومت کرتا رہا۔ آخر وہ بیمار ہوا اور اُس کا مرض اس حد تک پہونچ گیا کہ طبیبون نے جواب دیدیا۔ اُنھین نظر آیا کہ اس بیماری کا نتیجہ سوا موت کے اور کچھ نہ ہوگا۔ خود محمد بن یوسف کو اپنی زندگی کی امید نہین باقی رہی۔ اُسے یہ خیال کر کے بہت رنج ہوتا کہ میرے بعد میرا بڑا بھائی تخت و تاج کا مالک ہوگا۔ اور میری اولاد اس سے محروم رہے گی۔ لہذا ارادہ کیا کہ یوسف بن یوسف کو قتل کرا دے۔ اس نے قلعۂ شلوبانیہ کے قائد کو ایک خط لکھا اور اپنے معتبر خادم رئیس احمد بن مشرق کے ہاتھ اس کے پاس بھیجا۔ اس

خط مین لکھا تھا "میرے وفادار خادم قلعۂ شلوبانیہ کے قائد۔ جیسے ہی تمین رئیس احمد بن شرق کے ہاتھ سے میرا یہ خط ملے تم پر لازم ہے کہ میرے بھائی یوسف کو قتل کر ڈالو۔ اور اسی قاصد کے ہاتھ اُن کا سر کاٹ کے میرے پاس بھیج دو۔ دیکھو میری وفاداری مین تم سے کوتاہی نہ ہونے پائے"

رئیس احمد بن شرق یہ خط لیکے قلعۂ شلوبانیہ مین پہونچا۔ اس وقت شہزادۂ یوسف قلعے کے قائد کے ساتھ شطرنج کھیل رہا تھا۔ شہزادۂ یوسف کے لیے اس کے رتبے کے مطابق ہر قسم کا سامان عیش بہم پہونچا دیا گیا تھا۔ اور اس کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔ وہ اس وقت نہایت پرتکلف قالینون پر بیٹھے تھے اور کارچوبی تکیے رکھے ہوے تھے۔ قائد نے بادشاہ کا خط پڑھا تو اُسے بڑا صدمہ ہوا۔ اور اُس کے چہرے سے رنج وافسوس ظاہر ہونے لگا۔ جو شخص شہزادۂ یوسف سے ملتا اُس کی نیکی اور اعلیٰ صفات کی وجہ سے اُس کی قدر کرنے لگتا۔ اس قائد کو بھی اس کے ساتھ رہنے سہنے کی وجہ سے بڑی محبت ہو گئی تھی۔ لہذا قائد نے جیسے ہی شاہ محمد ابن یوسف کا خط پڑھا اُس کا دل بیٹھ گیا۔

رئیس احمد بن شرق جو یہ خط لایا تھا اس حکم کی تعمیل کرانا چاہتا تھا۔ اُس نے قائد سے کہا کہ بادشاہ کا یہ حکم بالکل قطعی ہے اور اس کی تعمیل مین تاخیر نہ کی جائے۔ مگر قائد کا دل اب بھی اس بات کو کسی طرح نہین گوارا کرتا تھا کہ ایسے ظالمانہ اور بےرحمی کے حکم کو شہزادۂ یوسف کے کانون تک پہونچائے۔ لہذا وہ خاموش بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کیا کرے۔ شہزادۂ یوسف ان باتون سے سمجھ گیا۔ اور قائد کے چہرے کی پریشانی اور اضطرار دیکھ کے اُس نے پوچھا کہ کیا بادشاہ نے میرے قتل کا حکم دیا ہے۔ جو آپ اس قدر پریشان نظر آتے ہین؟ قائد نے زبان سے کوئی جواب نہین دیا بلکہ بادشاہ کا خط شہزادے کے ہاتھ مین دے دیا۔ اسے پڑھ کے شہزادۂ یوسف نے کہا "اچھا مجھے چند گھنٹون کی اجازت دیجیے تاکہ اپنے خاندان والون سے رخصت

ہو لون۔ اور اپنے پس ماندون کو آخری مرتبہ اپنے ہاتھ سے ہدیئے ویدون۔

مگر احمد بن شرق نے جواب دیا کہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل مین ذرا سی بھی دیر نہین کی جا سکتی۔ میرا وقت مقرر کر دیا گیا۔ میرے یہان تک آنے اور واپس جانے کا پورا حساب لگا کے مجھے بتا دیا گیا ہے کہ فلان وقت تک واپس پہونچ جانا چاہیئے۔ شہزادے نے کہا خیر تو ہمین یہ بازی تو ختم کر لینے دو۔ مگر یقین ہے کہ اب مین ہی ہارون گا۔ کھیل پھر شروع ہوا مگر قائد کا دل اس قدر متاثر ہو گیا تھا کہ وہ کوئی مہرہ بغیر غلطی کیے نہ چل سکتا۔ اور شہزادے نے کئی دفعہ اُسے توجہ دلائی۔

اب خدا کی قدرت اور قسمت کی نیرنگی دیکھیے کہ وہ بازی ابھی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ دو شہسوار اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوے غرناطہ کی جانب سے آئے۔ اور شاہ محمد بن یوسف کے انتقال کی خبر دی۔ شہزادہ یوسف کو اپنی بدقسمتی کی بدولت ابھی اس کا یقین نہ آتا کہ مین کیا دیکھ رہا ہون۔ مگر تھوڑی دیر مین دیگر معززین اور اُمرا بھی آ پہونچے۔ اور اُنھون نے بھی اس خبر کی تصدیق کی جو پہلے دونون شہسوارون نے پہونچائی تھی۔ اس کے بعد سب لوگ یہان سے خوشی خوشی نکلے اور نہایت تیزی کے ساتھ دارالسلطنت کی جانب چلے۔ غرناطہ مین یوسف کا بڑے جوش و خروش کے ساتھ استقبال ہوا اور وہ تخت سلطنت پر بٹھا دیا گیا۔

بیداری

از جناب مولوی غلام طیب صاحب بی اے بی ٹی
مددگار عثمانیہ کالج اورنگ آباد دکن

کل نہ تھا یہ درد دل مین اور یہ الجھن نہ تھی ۔۔۔ مجھ کو تڑپاتی کسی کی بوے پیراہن نہ تھی
شمع کے جلنے پہ مین آتش بجان ہوتا نہ تھا ۔۔۔ رقص پروانہ پہ دل کا امتحان ہوتا نہ تھا
یہ نہ آوارہ خیالی تھی نہ آوارہ نظر ۔۔۔ قلب تھا نا آشنائے اضطراب بال و پر

رات کی ٹھنڈی ہواؤں مین مجھے آتی تھی نیند
صبح کے مے ریز نغمون سے اُچٹ جاتی تھی نیند

صبح دم جب آج چڑیان آشیانون سے اُٹھین
چادرین زلف سیہ کی جب مکانون سے اُٹھین

صبح نے ہر سمت چھیڑا جبکہ ساز سرمدی
جبکہ پھیکی پڑ گئی ماہ سحر کی روشنی

آسمان پہ جبکہ شب بیدار تارے سو گئے
ختم پروانون کے قصے سوز دل پہ ہو گئے

جب دعاؤن کے لیے باب اجابت کھل گیا
جبکہ دھبہ ظلمت شب کا نظر سے دھو گیا

صبح سے جب رات مل مل کر جدا ہونے لگی
اور دھندلے سبزہ زارون پہ جلا ہونے لگی

سبزہ خوابیدہ جب مستی مین لہرانے لگا
جب فضاے دہر پہ رنگ سحر چھانے لگا

جبکہ قطرے اوس کے آنکھون مین گھر کرنے لگے
اور ذرے خاک گلشن کے سحر کرنے لگے

ایک صورت کیطرف کھنچنے لگی میری نظر
تھا مجسم سامنے مجموعہ حُسن سحر

میرے دل مین یکا یک کچھ گدگدی ہونے لگی
ایک صورت جس طرف دیکھا نظر مین پھر گئی

سارے پردے اُٹھ گئے منظر نظر آنے لگے
پھول کے ہر برگ مین دفتر نظر آنے لگے

جو شجر خاموش تھے اب گفتگو کرنے لگے
اور غنچے بات مجھ سے دو بدو کرنے لگے

بند دل کے کھل گئے چشمے نئے بہنے لگے
بزم دل مین پھول باغ حُسن کے کھلنے لگے

عشق تو نے اک نظر مین کیا تماشا کر دیا
دل کو صحرا کر دیا آنکھون مین دریا بھر دیا

قدردانان دلگداز

دلگداز کی اشاعت مین اس مرتبہ غیر معمولی تاخیر ہو گئی ہے۔لیکن آیندہ کے لیے اہتمام کر لیا گیا ہے کہ رسالہ وقت پہ شائع ہوا کرے۔ان رسالون کے پہونچنے کے بعد انشاء اللہ بقیہ رسائل بھی جلد ہی پہونچ جائینگے۔اور کوشش کیجائے گی کہ دسمبر کا پرچہ اپنے وقت پہ شائع ہو۔

خاکسار حکیم سراج الحق۔منیجر دلگداز

زریاب

عربون کے زمانۂ حکومت اسپین مین جن لوگون نے بڑا نام پیدا کیا اُن مین ایک زریاب بھی ہین۔ ان کا پورا نام ابوالحسن علی بن نافع تھا۔ اور لقب زریاب تھا۔ مگر یہ لقب اس قدر مشہور ہوا کہ لوگ اصلی نام بھول گئے۔ سب اسی لقب سے اُنھین یاد کرتے تھے۔

زریاب دراصل بغداد کے رہنے والے اور ایرانی نسل سے تھے۔ اُنھون نے موسیقی مین بڑا نام پیدا کیا جس کی تعلیم اُنھون نے ہارون رشید کے دربار کے مشہور مغنی ابواسحق موصلی سے پائی تھی جو اپنے زمانے کے باکمال استاد تھے۔ آخر مین زریاب اپنے استاد سے بھی بڑھ گئے۔ اور اُن سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ زریاب فقط موسیقی کے ماہر نہ تھے بلکہ ہر قسم کے علوم و فنون مین اُنھین کافی دستگاہ حاصل تھی۔ اور اُن کی قابلیت مسلم تھی۔ مگر موسیقی مین خاصکر اُنھین کمال حاصل تھا۔

ایک دن ہارون رشید نے اسحق سے کہا کہ کسی نئے شخص کا گانا سناؤ اسحق نے عرض کیا کہ میرا ایک شاگرد ہے جو بہت اچھا گانے لگا ہے۔ اور مین نے اس کے ساتھ جو محنت کی ہے بیکار نہین گئی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ میرا نام روشن کریگا رشید نے حکم دیا کہ اسے فوراً حاضر کرو۔ زریاب شاہی دربار مین پہونچے اور ایسے سحرآفرین انداز سے باتین کین کہ خلیفہ حیران رہ گیا۔ خلیفہ نے پوچھا کہ تم موسیقی جانتے ہو؟ زریاب نے جواب دیا کہ مین معمولی گانا بھی جانتا ہون مگر اُس کے ماسوا

مجھ مین ایک ایسا کمال موسیقی بھی موجود ہے جس سے اور سب لوگ ناواقف ہین۔ اور وہ محض آپ کے ایسے قدردانان فن کے کانون کے لیے مخصوص ہے آپ کہین تو مین اُسی طرح گاؤن جس طرح اور سب لوگ گاتے ہین ورنہ اس خاص طریقے سے گاؤن جسے اب تک کسی کے کانون نے نہین سنا ہے۔

خلیفہ نے حکم دیا کہ ابو اسحٰق کا سرود زریاب کو دیا جائے۔ مگر زریاب نے کہا کہ مین خاص اپنے سرود پر گانا زیادہ پسند کرتا ہون۔ خلیفہ نے تعجب سے پوچھا کہ تم اپنے استاد کے سرود کو بھی نہین پسند کرتے؟ زریاب نے عرض کیا کہ اگر آپ میرے استاد کا ایسا گانا سننا چاہین تو مین استاد ہی کے سرود پر گاؤن۔ لیکن اگر آپ خاص میرا گانا سننا چاہتے ہین تو مجھے اپنے ہی سرود پر گانے کی اجازت دین۔ خلیفہ نے زریاب کا سرود لے کر دیکھا اور کہا کہ یہ بھی اسحٰق کا سا سرود ہے۔ زریاب نے کہا کہ بظاہر دونون ایک ہی جیسے ہین مگر میرا سرود اول تو بہت ہلکا ہے دوسرے اُس کے تار ریشم کے ہین جو خاص طور پر بنائے گئے ہین پھر اس مین کئی اور باتین بھی ہین۔ سرود مین عام طور پر چار تار ہوا کرتے ہین مین نے ایک تار اور بڑھا دیا ہے جس سے بڑا فائدہ ہو گیا ہے۔ اور لکڑی کی کھونٹیون کے بجائے عقاب کے پنجے لگائے ہین جس سے آواز بہت بلند اور صاف نکلتی ہے۔ اس کے بعد زریاب نے گانا شروع کیا۔ یہ خلیفہ ہارون رشید کی شان مین ایک قصیدہ تھا۔ خلیفہ نے سنا تو واقعی اُس پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ اس کی روح وجد مین آنے لگی۔ اور وہ بے اختیار ہو گیا۔ گانا ختم ہونے کے بعد خلیفہ نے اسحٰق سے کہا کہ تم نے ایسے باکمال شخص کو اب تک میرے سامنے کیون نہ پیش کیا۔ اسحٰق نے کہا حضور اب تک مین خود اِن کے اس غیر معمولی کمال سے بے بہرہ تھا۔ اور اسحٰق نے یہ بالکل سچ کہا کیونکہ زریاب نے اپنا یہ جوہر ذاتی اب تک اسحٰق سے پوشیدہ رکھا تھا۔

مگر اسی وقت اسحٰق کے دل مین حسد کی آگ روشن ہو گئی اور گھر پہونچتے ہی زریاب سے کہا کہ تم نے مجھے بڑا دھوکا دیا۔ اپنے غیر معمولی

ہنر کو مجھ سے چھپائے رکھا۔ اور اس وقت جبکہ خود مین نے تمھین بارگاہ خلافت مین لے جاکر پیش کیا تو اس کمال کو ظاہر کر کے اس سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ مین تم سے صاف صاف کہے دیتا ہون کہ مجھے تم پر حسد آتا ہے کیونکہ میرا پیشہ وہی ہے جو تمھارا ہوگا۔ اور مین یہ نہین دیکھ سکتا کہ اس فن مین کوئی مجھ سے زیادہ عزت اور نام پیدا کرے خواہ وہ میرا بیٹا ہی کیون نہ ہو۔ اب خلیفہ کو تمھارا گانا پسند آگیا ہے۔ اور تم یہان رہے تو خلیفہ کی ساری عنایتین تمھاری جانب مبذول ہو جائین گی اور مین کس مپرسی کے عالم مین پڑا رہون گا۔ میرا جی تو یہ چاہتا ہے کہ اسی وقت تم کو قتل کر ڈالون مگر تم میرے شاگرد ہو لہذا رحم آجاتا ہے۔ اب سن لو اور اپنے لیے ان دو صورتون مین سے کوئی بات اختیار کر لو۔ ایک تو یہ کہ اسی وقت بغداد سے روانہ ہو جاؤ اور کسی دور دراز ملک کا راستہ اختیار کرو۔ اور اس کی قسم کھاؤ کہ پھر کبھی یہان نہ آؤ گے۔ اس صورت مین مین تمھین ضروری سامان اور کچھ روپیہ فراہم کر دون گا۔ دوسری صورت تمھارے یہان ٹھہرنے کی ہے تو یہ جان لو کہ مین تمھارا سخت ترین دشمن بنا رہون گا اور تمھین تباہ و برباد کر کے قتل کر دینے مین بھی دریغ نہ کرون گا خواہ اس کا نتیجہ بعد مین کچھ ہی ہو۔ اب تم ان دونون صورتون مین سے کوئی صورت اسی وقت اختیار کر لو۔

زریاب نے فوراً رائے قائم کر لی اور اپنے لیے پہلی صورت پسند کی۔ اسحق سے ضروری سامان سفر لیا۔ اور بغداد سے چل کھڑا ہوا۔

چند روز بعد خلیفہ ہارون رشید نے پھر زریاب کو یاد کیا۔ اور اسحق سے کہا کہ اپنے اُسی شاگرد کو لاؤ۔ اسحق نے جواب دیا کہ حضور وہ شخص تو اس قابل نہین کہ شاہی دربار مین بلایا جائے۔ وہ تو مجنون ہو گیا ہے۔ کہتا ہے کہ رات کو مجھے جنات آ کے گانا سکھایا کرتے ہین۔ اس کے علاوہ وہ اس قدر مغرور ہو گیا ہے کہ دنیا مین کسی کو اپنے برابر نہین سمجھتا حضور نے اس دن بلا کے اُس کا گانا سنا تھا مگر اسے نہ انعام دیا اور نہ اُس کی عزت افزائی فرمائی اس پر وہ ناراض ہو کر کہین چلا گیا۔ اب نہین معلوم

کہان ہے۔ مگر مین تو خدا کا شکر کرتا ہون کہ حضور کو اس دیوانے شخص سے نجات مل گئی۔ بعض اوقات جب اُس پر دیوانگی کا دورہ ہوتا ہے تو اس کی صورت بڑی خوفناک ہو جاتی ہے۔ اور دیکھ کے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ یہ سن کر خلیفہ کو اس نوجوان مغنی کے چلے جانے کا بڑا افسوس ہوا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ شخص اسحٰق سے بھی زیادہ باکمال مغنی ہوگا۔

اصل یہ ہے کہ جو کچھ اسحٰق نے خلیفہ کے روبرو بیان کیا تھا اس کی اصلیت ضرور تھی۔ زریاب یہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مین سوتے مین جنون کے گیت سنا کرتا ہون اور رات کو جن آ کر مجھے ایک نئی دھن سکھا جاتے ہین۔ بعض اوقات وہ سوتے سوتے چونک پڑتے۔ بستر پر اُٹھ کے بیٹھ جاتے اور اپنی لونڈیون غزالہ اور ہنیدہ کو پکارتے۔ اُن سے کہتے کہ اپنے برود لاؤ پھر اُنھین وہی نغمہ سکھا دیتے جو سوتے مین سنا تھا۔ اور اُن اشعار کو لکھ لیتے۔ اور سو جاتے۔ اسحٰق یہ خوبی جانتے تھے کہ اُن کی یہ حرکت دیوانگی پر مبنی نہ تھی۔ ہر سچے ہنرمند کو خواہ وہ اجنہ کا قائل ہو یا نہ ہو بعض ایسے لمحات ضرور پیش آئے ہین جب کہ وہ غیر معمولی اور ناقابل بیان جذبات کے تابع ہو گیا ہے۔ اور اُس کی تشریح خود اس کے اختیار مین بھی نہین رہی ہے۔ اور یہ ایک مافوق العادت چیز ہوتی ہے خود اسحٰق الموصلی کی نسبت یہ مشہور ہے کہ اُن کا مخصوص نغمہ اُنھین کسی جن نے آکے سکھایا تھا۔

زریاب ارض مغرب کی جانب چلے۔ افریقہ مین پہونچ کر اُنھون نے اسپین کے بادشاہ الحکم کو لکھا اور اس کے دربار مین حاضر ہو کر وہین قیام کرنے کی اجازت چاہی۔ زریاب کی شہرت ارض مغرب اور اسپین مین پہونچ چکی تھی۔ اسپین کے مسلمان اب وہ سادے مزاج عرب نہین رہے تھے۔ جنھون نے آتے ہی ایک حملے مین سارے اسپین کو فتح کر لیا تھا۔ اب اُن مین دولتمندی کے ساتھ عیش و عشرت کی خواہشین بھی پیدا ہو چلی تھین الحکم نے جب زریاب کا یہ خط پایا تو بہت خوش ہوا۔ اُس نے زریاب کو لکھا کہ آپ فوراً قرطبہ مین آ جائیے۔ اور یہین رہیے۔ مین آپ کے رہنے

رہنے کا مناسب بندوبست کر دوں گا۔

زریاب اپنے بال بچوں کو لے کر افریقہ سے روانہ ہوے۔ اور آبنائے جبرالٹر کو پار کرکے اسپین مین داخل ہوے۔ الجزیرہ مین جہاز سے اترتے ہی اُنھین معلوم ہوا کہ شاہ الحکم کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر سے انھین بڑی مایوسی ہوئی اور ارادہ کیا کہ افریقہ مین واپس چلے جائین۔ الحکم نے اپنے دربار کے یہودی مطرب منصور کو زریاب کے استقبال کے لیے الجزیرہ مین بھیج دیا تھا۔ وہ زریاب سے ملا۔ اُنھین واپس جانے سے روکا اور یقین دلایا کہ الحکم مرحوم کا بیٹا اور جانشین عبدالرحمن بھی اپنے باپ کی طرح موسیقی کا شائق اور قدردان ہے۔ قرطبہ پہونچتے ہی وہ آپ کو ہاتھون ہاتھ لے گا اور آپ کو خوش رکھے گا۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ منصور کا خیال صحیح تھا۔ عبدالرحمن کو زریاب کے آنے کی خبر ہوئی تو بڑے شوق کے ساتھ اپنے دربار مین بلا بھیجا۔ الجزیرہ سے قرطبہ تک راستے کے کل قائمدون کو حکم دیدیا کہ زریاب کی ضرورتون اور آرام و آسائش کا خیال رکھین اور عزت و توقیر کے ساتھ قرطبہ تک پہونچا دین۔ پھر دربار کے ایک خواجہ سرا کے ہاتھ بہت سے تحفے اور خچر اور سواریان بھیج دین تاکہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔

قرطبہ مین پہونچ کر زریاب ایک عالیشان محل مین ٹھہرائے گئے جہان ضرورت اور آسائش کی تمام چیزین پہلے سے مہیا کر دی گئی تھین۔ عبدالرحمن نے تین روز اُنھین آرام کرنے دیا تاکہ سفر کا تکان دور ہو جائے۔ اس کے بعد چوتھے روز اپنے محل مین بلایا۔ بادشاہ نے سب سے پہلے زریاب کو شاہی خلعت سے سرفراز کیا پھر بتایا کہ یہان آپ کو ماہانہ دو سو اشرفیان ملا کرین گی۔ اس کے علاوہ سال مین چار انعام ملین گے۔ دونون عید دن کے موقعون پر ایک ایک ہزار اشرفیان دی جائین گی اور موسم بہار کے آغاز پر پانچ سو اور نوروز مین پانچسو اشرفیان سالانہ دو سو من جو ایک سو من گیہون بھی بادشاہ کی طرف سے

دیے جائین گے۔ کئی عالیشان محل اور فرحت بخش باغ بھی زریاب کو دیے گئے۔

بادشاہ عبدالرحمن کو جب اس کا اطمینان ہو گیا کہ زریاب خوش ہین اور اپنے بود و باش کی طرف سے بے فکر ہین تو ایک روز اُنھین شاہی محل مین بلا کر گانا سنا۔ اس محفل طرب مین زریاب کی جادو بھری آواز نے بادشاہ کو مسحور وازخود رفتہ کر دیا۔ اُس کے دل و دماغ پر ایسا اثر پڑا کہ اس کے بعد اُسے کسی کا گانا پسند نہ آتا۔ اسی دن سے عبدالرحمن کو زریاب کے ساتھ بیحد اُنس ہو گیا زریاب فقط مغنی ہی نہ تھے بلکہ جملہ علوم مین اچھی قابلیت رکھتے تھے زندہ دلی اور ذہانت و طباعی اور فراست و دانائی مین اُن کا ثانی نہ تھا۔ مذاق ایسا پاکیزہ اور سنجیدہ پایا تھا کہ تھوڑے ہی زمانے مین تمام شائستہ صحبتین اُن کی دلدادہ ہو گئین۔ علم ادب لطف معاشرت آداب مجلس جادو بیانی اور شاہی خدمات کی انجام دہی مین وہ استاد مانے جاتے تھے۔ علم ہیئت اور جغرافیہ کی اُنھون نے باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی اقلیمون کی تقسیم۔ ممالک کے اختلافات ہر ہر جگہ کی آب و ہوا اور دریاؤن کے حالات اور مختلف ممالک کے باشندون کی خصوصیتین سب اُنھین بخوبی معلوم تھین۔ شاہ عبدالرحمن ان کی بڑی قدر کرنے لگا۔ تاریخ و سیر شعر و سخن اور دیگر علوم و فنون کے متعلق ان سے بے تکلفی کے ساتھ باتین کرتا۔ زریاب کو وہ اکثر اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کے کھانا کھلاتا اور کبھی اپنے بیٹون کے ساتھ کھانے کی اجازت دیتا۔ آخر مین بادشاہ کو زریاب کے ساتھ اتنی خصوصیت ہو گئی کہ شاہی محل کا ایک دروازہ زریاب کے لیے مخصوص کر دیا گیا اور بادشاہ جب چاہتا اسی راستے زریاب کو فوراً اپنے پاس بلا لیتا۔

موسیقی مین زریاب کے کمال کی یہ حالت تھی کہ جو کوئی اُن کا نغمہ دلکش ایک دفعہ سن لیتا زندگی بھر کے لیے اس کی تمنا رہ جاتی۔

دس ہزار نغموں کی دھنین اور اُن سب کے اشعار اُنھیں زبانی یاد تھے۔
وہ شاعر بھی تھے۔ مگر جس چیز نے اُن کے وسیع علم مین جان ڈال دی تھی وہ
اُن کی فراست اور مذاق سلیم تھا جس صحبت مین وہ آجاتے اس کا رنگ
دفعتہً بدل جاتا۔ بذلہ سنجی اور مذاق کی باتون مین کوئی ان کی برابری
نہ کرسکتا۔ کسی نکھری صحبت مین کسی شخص کی گفتگو ان سے زیادہ دلچسپ اور
معنی خیز نہ ہوتی۔ حُسن وجمال کی قدردانی مین کوئی ان سے زیادہ صحیح رائے
نہ قائم کرسکتا۔ لباس کے معاملے مین اُن سے زیادہ خوش وضع اور
کوئی نہ نظر آتا۔ کوئی شخص دعوت یا تقریب کے انتظامات کو ان سے
زیادہ کامیابی اور سلیقہ کے ساتھ نہ انجام دے سکتا۔ اندلس کی
معاشرت مین زریاب نے بڑا اثر ڈالا۔ اُنھون نے وہان بہت سی نئی
نئی باتین پیدا کردین جن کا اس سے پہلے لوگون کو خیال بھی نہ تھا اس
معاملے مین اندلس کے باشندے یہان تک کہ بادشاہ ارکان سلطنت
اور امرا بھی زریاب کو اپنا رہبر سمجھنے لگے۔ اور ذوق وشوق کے ساتھ
اُن کی تقلید کرتے۔

زریاب کے اندلس مین آنے سے پہلے لوگ لمبے بال رکھتے
تھے اور بیچ سر مین مانگ نکالا کرتے۔ امرا کے یہان سونے کے برتنون
مین کھانا کھایا جاتا تھا۔ اب لوگون نے زریاب کی تقلید مین چھوٹے
چھوٹے بال رکھنے شروع کیے اور ٹیڑھی مانگ نکالی اور یہ وضع
اندلس ہی سے سارے یورپ مین پھیلی۔ چاندی سونے کے برتنون
کے بجاے زریاب نے شیشے کے برتنون مین کھانا پینا شروع کیا جو اُن
سے زیادہ خوش نما بے تکلف اور اس کے ساتھ ہی پاک وصاف رہتے
اس سے پہلے لوگ لکڑی کی سادی میز یا چوکی پر کھانا رکھ کر کھاتے تھے زریاب
نے میز کے اوپر ایک چمڑے کا دسترخوان بچھایا جو آسانی سے صاف
کیا جاسکتا ہے اور میز بھی میلی نہ ہوتی۔ یہ سب چیزین اندلس سے
رائج ہو کر سارے یورپ مین پھیل گئین۔

زریاب نے اندلس والون کو یہ بھی بتایا کہ موسمی تغیرات کے ساتھ اپنے لباس بدل ڈالا کرین۔ اس سے پہلے لوگ صرف تین مہینے گرمیون کے سادے کپڑے پہنتے تھے اور باقی نو مہینے جاڑون کے کپڑے پہنے رہتے۔ زریاب نے بتایا کہ جاڑون اور گرمیون کے درمیان مین جو فصل ہوتی ہے اُس مین ہلکے رنگ کے خز۔ ململ۔ اور ریشمی کپڑے پہننے چاہیین تاکہ مسلسل نو مہینے تک ایک ہی قسم کے کپڑے پہنتے پہنتے طبیعت نہ گھبرا جائے۔

اس سے پہلے بادشاہ اور امرا خوشبو کے لیے گلاب اور دیگر اقسام کے پھول پسوا کے اپنے کپڑون پر چھڑک لیتے تھے۔ اس مین ہزار احتیاط کی جاتی مگر پھر بھی کپڑون مین دھبے پڑ جاتے اور کپڑے میلے ہو جاتے۔ زریاب نے اپنی ذہانت سے خوشبودار پھولون کا عرق نکال کے اس کا ایک سفوف تیار کر لیا۔ اس کے لگانے سے کپڑے ویسے ہی پاک و صاف رہتے اور خوشبو بھی پیدا ہو جاتی۔ یہ ترکیب سب کو بہت پسند آئی اور اب تک یورپ مین پھولون کے عرق یا سفوف کا رواج چلا آتا ہے۔

زریاب نے اہل اندلس کو بہت سی ترکاریان بھی بتائین جو وہان بہ کثرت پیدا ہوتی تھین مگر کوئی اُن کا استعمال نہ جانتا تھا کئی قسم کے کھانے بھی زریاب کی طرف منسوب ہین اور اب تک یورپ مین بڑی پر تکلف نعمتین سمجھی جاتی ہین۔ غرض زریاب نے اندلس والون ہی کو نہین بلکہ پورے یورپ کو بود و باش کھانے پینے پہننے اور رہنے جلنے کی بہت سی جزئی باتین بتائین۔ اور اُن مین رائج کر دین اور وہ اس قدر دل آویز تھین کہ سب اُنھین پسند کرتے اور فوراً اختیار کر لیتے۔ اسپین مین جب تک مسلمانون کی حکومت رہی زریاب کا نام بھی مشہور ماہرین فن۔ شاعرون بہادر سپہ سالارون مدبر وزیرون اور کامیاب حکمرانون کے ساتھ لیا جاتا رہا۔

زریاب کو عبدالرحمن کے دربار مین اس قدر رسوخ حاصل ہوگیا تھا اور عبدالرحمن اُن پر اتنا مہربان تھا کہ لوگ اپنی عرضیان لے کر اُن کے پاس آتے کہ وہ اپنی سفارش کے ساتھ بادشاہ تک پہونچا دین۔ زریاب حتی الامکان لوگون کے کام نکال دیا کرتے۔ مگر انھون نے کبھی امور سلطنت مین دخل نہین دیا۔ وہ جانتے تھے کہ ان معاملات مین پڑنے سے سازش کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور اس سے بڑی خرابیان پیدا ہونے کا اندیشہ ہی۔

زریاب کی وجہ سے اندلس مین لوگون کو موسیقی کا شوق پیدا ہوا۔ اور یہ عام طور پر سارے یورپ مین مشہور تھا کہ اہل اندلس خوش پوش پاک وصاف رہنے والے اور سب سے زیادہ کھیل اور گانے بجانے کے مشتاق ہین۔

اندلس مین جب کوئی شخص کسی استاد کے پاس گانا سیکھنے جاتا تو استاد اُس سے کوئی شعر پڑھوا تا خواہ وہ کسی دھن مین ادا کرے۔ اس کے بعد اُسے آواز مین لوچ پیدا کرنا بتایا جاتا۔ یہ طریقہ موسیقی کے استادون نے زریاب ہی سے لیا تھا کیونکہ انھین نے سب سے پہلے اسے رائج کیا۔ زریاب کا یہ قاعدہ تھا کہ جو کوئی اُن سے گانا سیکھنے آتا اُسے ایک قالین پر بیٹھا دیتے اور بلند آواز مین اُس سے چند شعر پڑھواتے۔ جب اس بات کا اطمینان ہوجاتا کہ آواز کافی بلند ہے تو گانے کے اصول اسے بتاتے۔ لیکن اُس شخص کی آواز اگر کمزور ہوتی تو اُس سے کہتے کہ اپنا عمامہ سر سے اتار کے پیٹ کے گرد کس کے لپیٹ لو اس سے اُس کی آواز اونچی ہوجاتی اور سانس بھی نہ پھولتی۔ اگر کسی شخص کا مونھہ پورا نہ کھلتا تو اس سے کہتے کہ تین انگل چوڑا لکڑی کا ایک ٹکڑا مونھہ مین رکھ کے سو رہو۔ اس ترکیب سے اُس کا مونھہ کھلنے لگتا۔ ان ابتدائی امتحانون کے بعد اگر وہ دیکھتے کہ یہ شخص موسیقی کی تعلیم کے قابل ہی تو اُسے اس کے اصول بتانا شروع کرتے اور اس سے مشق کراتے۔ ورنہ اسے صاف جواب دیتے کہ آپ موسیقی کے پھیر مین نہ پڑیے۔ کسی اور جانب توجہ کیجیے۔

زریاب کے آٹھ بیٹے اور دو بیٹیان تھین۔ اُن کے بیٹون مین عبدالرحمن۔ عبیداللہ اور قاسم نے موسیقی مین بڑی مہارت حاصل کی۔ زریاب

کی بیٹی حمدونہ وزیر ہشام بن عبدالعزیز کو بیاہی گئی۔ اور اُس نے بہت بڑی عمر پائی۔ عالم لوگون اور محتاجون کی وہ بہت مدد کرتی تھی۔ جب اس کا انتقال ہوا تو لوگون کو بہت صدمہ ہوا۔

قدیم تمدن ایران

(از جناب لطافت حسین صاحب)

ایران کی طبیعی خصوصیات

حدود سرزمین ایران براعظم ایشیا کا وہ خطہ مرتفع ہے جس کے شمال مین کوہ آلبرز۔ جنوب مین بحر ہند۔ مشرق مین کوہ ہندوکش اور آنڈس کی وادیان ہین۔ مغرب مین دجلہ۔ خلیج فارس پشت کوہ اور اراردت کی پہاڑیان ہین۔ ان حدود مین بہت کچھ حصہ افغانستان اور بلوچستان کا بھی آگیا ہے۔

صوبہ جات مشہور قدیم صوبون مین عراق عجم۔ آذربائجان۔ طہران۔ (قدیم سلطنت میڈیا عه۱) فارستان (قدیم سلطنت فارس عه۲) عربستان د خوزستان و لورستان (قدیم سلطنت ایلم) اور کرمان (قدیم کرمینیا) ہین۔ گیلان و مازندران جو بحر خضر لعه کے قریب واقع ہین ایران کی قدرتی سرحد کے باہر ہین مگر پولیٹکل حیثیت سے ہمیشہ اسی مین شامل سمجھے گئے ہین۔

پہاڑیان یہ ملک نہ صرف چارون طرف پہاڑی سلسلون سے گھرا ہوا ہے بلکہ جگہ جگہ اندرونی حصے مین بھی وہ متوازی یعنی ایک دوسرے کے آگے پیچھے چلے گئے ہین اور ان کی بعض وادیان بیس میل تک چوڑی ہین۔ شمالی سلسلے مین سب سے بڑے پہاڑ ہندوکش اور آلبرز ہین۔ جنوبی سلسلے کی مشہور چوٹیان

عه۱ اس کے تین حصے تھے (۱) میڈیہ میگنا یعنی عراق عجم (۲) میڈیہ اتروپے تی نی یعنی آذربائجان (۳) میڈیہ رغیانہ یعنی نزد طہران۔ عه۲ فارس یا پرساڈمہ قدیم درنیا۔ لعه قدیم ہرکے نی ین بحر کیس پی ین یا بحر گیلان۔

کوہ ہزار اور کوہ لالہ زار اور ہمدان کے قریب کوہ آلوند[۵] ہین۔

ریگستان اس سرزمین کے وسط مین ایک عظیم الشان ریگستان ہے جسے اس کا قلب مردہ کہنا چاہیے۔ اسے لوط کہتے ہین یہان زبردست آندھیان[۶] چلتی ہین اور گرمی اور سردی دونون شدت سے ہوتی ہین۔ اس کے کنارون پر بعض مشہور شہر آباد ہین۔ مثلاً طہران اور مشہد شمال مین۔ یزد اور کرمان جنوب مین۔

سمندر جنوب اور جنوب و مغرب مین خلیج فارس ہے جہان سے دنیا مین جہازرانی کی ابتدا ہوئی۔ اور سب سے قدیم تمدن اسی کے ساحل پر قائم ہوا۔ شمال مین بحر خضر ہے۔ سکندر کے زمانے مین اس سمندر کی سطح موجودہ سطح سے ڈیڑھ سو فٹ زیادہ اونچی تھی۔

جھیل ملک مین متعدد جھیلین ہین جن مین سب سے بڑی اُرمیا ہے جس کا پانی کھاری ہے۔ جھیل وان اور گوتچہ بھی مشہور ہین۔

دریا اس ملک مین دریا بہت کم ہین۔ اور کوئی بہت بڑا نہین۔ تمام ایران مین سوا قارون کے اور کوئی دریا جہازرانی کے قابل نہین زندہ رود قارون کے قریب سے نکلتا ہے اور صوبہ اصفہان کو سیراب کرتا ہوا ایک دلدل مین غائب ہو جاتا ہے۔ شمال مین کوہ ارارات کے قریب سے دریاے ارس نکلتا ہے۔ مشرق مین قزل عزم ایران کا سب سے زیادہ لمبا دریا ہے جو بحر خضر مین گرتا ہے۔ مشرق مین ایک دریا تجن بھی ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی چھوٹی ندیان ہین جو تھوڑی دور چلنے کے بعد ریگستان مین پہونچ کر سوکھ جاتی ہین۔ اور سوا موسم بہار کے اور کسی زمانے مین نہین نظر آتی ہین۔ مختلف مقامات مین نالے بھی ملتے ہین۔ مگر ان کا پانی کھاری ہوتا ہے۔ دریاے عمان ایران سے دور ہے مگر کسی زمانے مین وہی دریا ایران کی مشرقی سرحد مانا جاتا تھا۔ یہ پامیر سے

---

[۵] قدیم اران ٹیز۔ [۶] انھین آندھیون کے سبب سے شاید ایران مین زمانۂ قدیم سے ہوا کی چکیون کا رواج چلا آتا ہے۔

نکل کے بحر ارل مین گرتا ہے سکندر کے زمانے تک وہ بحر خضر مین گرتا تھا۔

زرخیزی گیلان اور مازندران نہایت سرسبز اور شاداب ہین آذربائجان بھی کسی قدر غنیمت ہے۔ عربستان مین بھی خلیج فارس کے قریب بکثرت نخلستان (کھجورون کے جھنڈ) موجود ہین۔ مگر عراق عجم خوزستان۔ اور فارس مین بہ استثناے چند وادیون کے زراعت بہت کم ہوتی ہے۔ مشرقی حصہ جس مین خراسان بھی شامل ہے اکثر بنجر ریگستان اور بیابانون مین کہین سبزے کا پتہ نہین۔ اکثر محققین کا خیال ہے کہ یہ تمام مرتفع خطۂ ایران روز بروز زیادہ خشک ہوتا جاتا ہے۔ اور چشمے و دریا سوکھ رہے ہین یا غائب ہوتے جاتے ہین۔

آب و ہوا اس ملک کی آب ہوا مین بھی حد درجہ اختلاف ہے۔ پہاڑیان بہت سرد ہین۔ کوہ البرز کی چوٹی دماوند جو بیس ہزار فٹ اونچی ہے۔ اکثر برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ بہ خلاف اسکے دوسرے حصے بہت گرم اور خشک ہین۔ مازندران اور گیلان کی آب وہوا مرطوب ہے۔ گرمی کے موسم مین راتین عموماً خشک ہوتی ہین۔ سردی کا زمانہ نہایت خوشگوار اور صحت بخش ہے۔

آبادی اس ملک کی آبادی زمانہ قدیم مین ڈیڑھ کرور سے زیادہ تھی۔ مگر آج کل صرف ایک کرور رہ گئی ہے۔ اس مین گیارہ ہزار مجوسی ہین نو لاکھ سُنّی اور باقی سب شیعہ ہین۔

شاہ راہین سب سے قدیم وہ شاہ راہ ہے جو بابل سے شروع ہوکر پشت کوہ کی وادیون مین سے ہوتی ہوئی کرمان شاہ اور ہمدان تک جاتی ہے دوسری ہخامنشی زمانے کی یادگار سارڈیس سے ہمدان تک اور وہان سے رے اور باختر تک جاتی ہے۔ مغربی دنیا اور ایشیا کی یہی سب سے بڑی شاہ راہ تھی اور اسی پر سکندر نے دارا کا تعاقب کیا تھا۔ ایران مین عمدہ سڑکین بہت کم ہین۔ سب سے زیادہ آسان شمال مغربی راستہ ہے جہان ترابزند اور طفلس سے مختلف سڑکین تبریز مین آکر مل جاتی ہین۔

نباتات سوا مازندران اور گیلان کے جہان بڑے بڑے گھنے

جنگل اور چراگاہین ہین اور خلیج فارس کے ساحل کے قریب جہان کثرت سے نخلستان ہین باقی ہر جگہ نباتات اور پیداوار کی قلت ہے۔ پہاڑیان بے گیاہ خشک ہین۔ فقط ان مقامات پر کچھ سبزہ نظر آجاتا ہے جہان دریا ہین۔ درختون مین بید۔ بید مجنون۔ چنار۔ اخروٹ۔ شاہ بلوط وغیرہ ہین صنوبر اور سرو بہت کم ہین۔ پھولون مین لالہ۔ چمبیلی۔ گلاب۔ اور گل محمودہین پھلون مین سیب۔ نارنگی۔ آڑو۔ ناسپاتی۔ سفرجل۔ بیر آلو بخارا۔ انگور۔ کھجور۔ شہتوت۔ انجیر۔ انار۔ پستہ۔ بادام۔ خربوزے۔ وغیرہ ہین۔ دنیا مین سب سے پہلے انگور کی کاشت مازندران مین ہوئی اور پستہ۔ بادام مختلف پھول پھل اور لوسرن وغیرہ ایران ہی سے یورپ۔ چین اور ہندوستان مین گئے۔ ترکاریون مین گوبھی بینگن۔ ککڑی۔ مولی پیاز وغیرہ بہت عام ہین۔ اناج مین گیہون۔ چاول۔ باجرا۔ جوار اور مٹر ہین۔ اور دیگر اشیاے پیداوار مین تمباکو۔ افیون۔ کپاس اور بھنگ بوئی جاتی ہین۔

حیوانات شیر اب تقریباً مفقود ہے۔ ریچھ بھی بہت کم ہین۔ چیتے بحر خضر کے قریب نظر آجاتے ہین۔ بھیڑیا۔ تیندوا۔ لکڑبھگا۔ لومڑی۔ سیار جنگلی سور بھیڑ۔ بکری۔ اور اونٹ بہ کثرت ہین۔ میدانون مین غزال جھیلون کے قریب گورخر۔ پہاڑون پر جنگلی بھیڑین اور ہرن۔ مازندران مین بارہ سنگھے اور عربستان اور بحر خضر کے اطراف مین بھینسے موجود ہین۔ میدیہ کے گھوڑے جنھین نسائی گھوڑے کہتے تھے زمانہ قدیم مین ساری دنیا مین مشہور تھے یہ گھوڑے سمند ابلق یا بھورے رنگ کے ... اور تیز رفتاری وجفاکشی مین اپنا ثانی نہین رکھتے تھے۔ سفید گھوڑے متبرک سمجھے جاتے تھے۔ بادشاہ ان کی قربانی کرتے اور آجکل بھی اُن کی بڑی قدر کی جاتی ہے۔ پرندون مین باز۔ شاہین۔ گدھ۔ چیل۔ کوے۔ بلبل۔ دراج۔ تیتر۔ بھٹ تیتر مرغابی راج ہنس۔ اور ماہی خور وغیرہ ہین۔

معدنیات قدیم زمانے سے ایران معدنیات کے لیے مشہور تھا الم ہی مین سب سے پہلے تانبے کی کان دستیاب ہوئی تھی کوہ دماوند

سے لاجورد نکلتا تھا۔ اور زمرد۔ پکھراج۔ نیلم۔ عقیق۔ سونے۔ چاندی۔ لوہے اور سیسے وغیرہ کی کانین بھی بکثرت تھین۔ اور اب بھی موجود ہون گی۔ مگر لوگ اُن کی طرف سے غافل ہین۔ اب سوا ے تھوڑے سے کوئلے اور تانبے۔ گندھک۔ گیرو۔ اور مٹی کے تیل کے اور کسی چیز سے فائدہ نہین حاصل کیا جاتا۔

انقلاب

یہ نظم ہمارے عنایت فرما مولوی غلام طیب صاحب بی اے بی ٹی مدگار عثمانیہ کالج اورنگ آباد دکن نے ہمین دلگداز کے لیے عنایت فرمائی ہے۔ ہم اسے شکریہ کے ساتھ درج کر کے ہدیۂ ناظرین کرتے ہین ہمارے ناظرین اس کا اندازہ خود ہی فرمالین کہ حقیقی جذبات کو کس موثر پیرائے مین ادا کیا گیا ہے۔

محمد صدیق حسن
ایڈیٹر

نوٹ

ایک شاعر اپنی محبوبہ کو سپرد خاک کر کے اپنے خیالات سے ہمکلام ہے۔

اے مری جان مری ساری دنیا
اے مرے دل کی پیاری دنیا

خواب راحت سے ذرا ہو بیدار
تیرے بالین پہ کھڑا ہے تیرا یار

کیسے بھایا تجھے یہ فرش زمین
تو کبھی تھی دل عاشق کی مکین

ناز و انداز تجھے بھول گئے
بستر نرم گیا بھول گئے

آج تنہائی ہے اور گوشۂ تنگ
اور خاموشی دل ہم آہنگ

ہے غضب کچھ نہین ملتا ہی جواب
یہ تغیر یہ خموشی یہ حجاب

خیر جاتا ہون نہ آؤن گا کبھی — تم کو آکر نہ ستاؤن گا کبھی
خواب مین تم ہو تو بیدار ہون مین — تم تو غافل ہو یہ ہشیار ہون مین
تم کو اللہ نے مہلت دے دی — اور مجھے رنج کی لذت دیدی
راحت روح تمھین درد مجھے — تم کو غفلت نفس سرد مجھے
ہان مگر یہ تو مین پوچھون گا ضرور — مجھ سے رہتے ہو بھلا کتنی دور
ساتھ کس کا ہے کہان رہتے ہو — کس کے پردے مین نہان رہتے ہو
کیا تمھین دھیان مرا ہے کہ نہین — دل محبت سے بھرا ہے کہ نہین
کیا خیال غم دنیا بھی ہے — مجھ سے ملنے کی تمنّا بھی ہے
کبھی آتا ہے تمھین گھر کا خیال — کیا تمھین ہے دل مضطر کا خیال
تم تو خاموش ہو یہ بات ہے کیا — موت بھی کوئی خرابات ہے کیا
مست رہتے ہین جہان پیر و جوان — اور سنتے نہین غیرون کی فغان
ان کی فطرت بھی بدل جاتی ہے — اور طبیعت بھی بدل جاتی ہے
توڑ دیتے ہین وہ رشتے سارے — مرکے بنتے ہین فرشتے سارے
جکڑے رہتے ہین وہ زنجیرون مین — محو رہتے ہین کہ تصویرون مین
اب بھی تم چپ ہو یہ حالت کیا ہے — سچ بتاؤ یہ مصیبت کیا ہے
آج تک ایسی طبیعت تو نہ تھی — تم مین چپ رہنے کی عادت تو نہ تھی
دل تمھارا کبھی یون سرد نہ تھا — سنگ خارا نہ تھا بے درد نہ تھا
دوسرا نام ہے بدخوئی کا — موت حیلہ ہے ستم جوئی کا
یا کہ سیرت کا بدل جانا ہے — اپنے آپے سے نکل جانا ہے
یا ستم کش ہو کہ مجبوری ہے — بے تعلق ہو کہ مہجوری ہے
کیا تمھین یاد نہین کل کی ہے بات — بے ہنسے تم کو نہ ملتی تھی نجات
چھیڑ کر تم مجھے بلواتے تھے — میرے چپ رہنے پہ جھنجھلاتے تھے
دور جانے نہ کبھی دیتے تھے — وعدے سو سو طرح کے لیتے تھے
میرے جانے سے ستم ٹوٹتا تھا — مین نہ آتا تھا تو دم ٹوٹتا تھا
چار دن کے لیے باہر جانا — تم پہ ہوتا تھا قیامت لانا

آج اس درجہ تکلف سے ہے تمھین
نہین ملتی ہے اجازت ملنے کی ہمین
کیا تمھین بھول گئین وہ باتین
عہد وصل کی زندہ راتین
دل سے بجلی کا وہ آنا جانا
اپنی ہی باتون سے شرما جانا
رواں رواں تھا زبان دل دفتر
وہی باتین وہی مست شام وسحر
بدلیان اور وہ ساون کا سمان
جبکہ دل آٹھ پہر تھا خندان
وہ ہواؤن سے تعطّر کا اُڑنا
اور سینے سے خنک کا اُڑنا
لے پئیے وہ مئے صافی کی ترنگ
مستی و عیش و مسرت کی اُمنگ
ہاے وہ گوش و نظر کی جنت
وہ مرے قلب وجگر کی جنت

آج خاموش پڑی ہے تہ خاک
نہ وہ سودا نہ وہ قلب بیباک

موت اور زیست کا کیا ساتھ بھلا
گر جدا راگ جدا ساز جُدا
چاہے بولو کہ نہ بولو ہم سے
یہ کہے جاتے ہین جانان تم سے
موت کے پھیر مین مت آ جانا
سوز الفت سے نہ گھبرا جانا
تم رہو دور کہ نزدیک رہو
عیش و آرام ملے نہ رنج سہو
پر نہ تکمیل سے غافل رہنا
اور نہ تحصیل سے غافل رہنا

روح کو درد مجسم کرنا
ہم سے چھٹنے کا نہ ماتم کرنا

اطلاع

جملہ خریداران دلگداز کی خدمت مین التماس ہے کہ خط وکتابت مین اپنا نمبر خریداری لازمی طور پر بتایا کرین جو اُن کے پتہ کے ساتھ لکھا ہوتا ہے جسٹرڈ نمبر اے ۱۳۱۱ ڈاکخانہ کا نمبر اس کے حوالہ کی ضرورت نہین۔ اگر نمبر کا حوالہ نہ ہوگا تو ممکن ہے جواب مین تاخیر ہو یا جواب ہی نہ دیا جاسکے۔

منیجر دلگداز

(از جناب مولانا شرر صاحب مرحوم و مغفور)

شاعر کو معشوق چاہیے۔ اور شراب ارغوانی۔ بس یہی دو چیزیں اس کی دنیا ہین۔ اور انھین دو پر اس کی زندگی ہے۔ ہمارے فارسی اور اردو شاعرون کا معشوق ایک خوبصورت لڑکا ہے جسے نہ انھون نے کبھی دیکھا ہے۔ اور نہ اسے پہچانتے ہین۔ اپنے دل کی لوح پر وہ مصور کی طرح اس کی ایک خیالی تصویر کھینچتے ہین۔ اور اس پر عاشق ہو جاتے ہین۔ یہ معشوق اگرچہ ہمیشہ ان کے دل مین رہتا ہے اور ہر وقت ان کے پاس موجود ہوا کرتا ہے مگر انھین فراق کی شکایت ہے۔ اسی غم مین روتے پیٹتے ہین۔ آہ و زاری کرتے ہین اور ایک ایک کے آگے دکھڑا روتے پھرتے ہین۔

اسی آتش فراق کی گرمی سے بیتاب ہو کر جب وہ اس کی تلاش مین نکلتے ہین تو وہ انھین کسی بت خانے مین مل جاتا ہے۔ اور اس کا ذوق و شوق بیتاب کرتا ہے تو بت پرست بن کے کعبے کی طرف سے منہ پھیر لیتے ہین۔ اور زنار گلے مین ڈال کے برہمن بن جاتے ہین۔ اسی طرح جب مئے ارغوانی کی جستجو مین سرگردان ہوتے اور دل کی لگی بجھانے کو نکلتے ہین تو وہ انھین آتش پرستون کے بوڑھے مقتدا (پیر مغان) کے پاس ملتی ہے۔ اور اس آب آتشین کا شوق انھین آتش پرست بنا دیتا ہے۔

دنیا کے صاحب فہم لوگ اس بات کو کس قدر حیرت اور تعجب سے دیکھتے ہون گے کہ ایک شاعر جو اپنے آپ کو مسلمان بتاتا ہے۔ توحید کا قائل ہے۔ شرک کو کفر جانتا ہے وہی شعر کہتے وقت یکا بت پرست بنجاتا ہے۔ اپنی زبان سے اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہے اور بآواز بلند کہتا ہے ع "کافر عشقم مسلمانی مرا درکار نیست"۔ اسی طرح شراب کو وہ حرام ونجس جانتا ہے۔ اور اس کی مضرتون سے بخوبی واقف ہے۔ مگر شاعری کی دنیا مین آیا اور صدا لگائی کہ ع "بدہ ساقیا آب آتش لباس" اور اس کے بعد دعوے کے ساتھ کہتا ہے۔

"من از شراب منخورم ببانگ کوس منخورم | پیالہ ہائے دہ منی علی الرؤس منخورم
شراب گبری چشم سے مجوس منخورم"

اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ کوئی ہندو جب فارسی کا شاعر بنتا ہے تو کافر بننے کے شوق مین مسلمان بنتا ہے اور مسلمان ہونے کے بعد کفر کا دعوی کرکے بتون کو پوجتا اور شراب ارغوانی کے جام لنڈھاتا ہے۔

اسی پر منحصر نہین۔ ہمارا مسلمان شاعر مذہبًا اگرچہ بت پرست بن گیا ہے اور علانیہ طور پر بتون کے آگے سجدہ کرنے کا اعتراف کرتا ہے۔ مگر تعجب کی یہ بات ہے کہ جس طرح ہم اسے کعبے سے منہ پھیر کے بتخانے کی طرف جاتے دیکھتے ہین اسی طرح یہ بھی دیکھتے ہین کہ کبھی وہ کنشت (آتشکدہ) کی طرف نکل گیا۔ اور کبھی دیر (گرجے) مین گھس گیا۔ اُس کے کنشت مین جانے کی تو خیر یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ شراب خانۂ خراب کے شوق مین جو ارادت و عقیدت اُسے پیر مغان کے ساتھ ہو گئی ہے وہی شاید اُسے آتش پرستون کے معبد مین کھینچ لے گئی ہوگی۔ مگر یہ کسی طرح سمجھ مین نہین آتا کہ وہ دیر مین کیون گیا؟ وہان کیا رکھا ہے؟ اور کس چیز کا شوق معبد نصاریٰ مین کھینچ لے گیا؟ نہین معلوم یہ اُس کا اضطراری و اتفاقی فعل ہے۔ یا محض ایک حرکت اضطراری ہے۔

ممکن ہے کہ شراب کے نشے مین بہک کے بعوض تنجانے کے گرجے مین جا پڑا ہو۔ یہ بھی خیال ہوسکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے موجودہ گرجے مین نہ گیا ہوگا جو زیادہ تر پروٹسٹنٹ مسیحیون کے ہین بلکہ وہ پرانے کیتھولک عیسائیون کے کسی کنیسے مین جس صد ہا تصویرین اور مورتین موجود ہوتی ہین تنجانے کے دھوکے مین چلا گیا ہوگا۔

لیکن یہ توجیہین شاعرانہ خیال آفرینیان ہین۔ اصلیت کچھ اور ہی ہے جس کا حال مسلمان شعرا کی تاریخ پر غور کرنے سے شاید معلوم ہوسکے اور ہم سمجھتے ہین کہ معشوقون کی یہ تاریخ دلچسپی سے بھی خالی نہ ہوگی۔

عرب مین شاعری اسلام سے پہلے تھی۔ اور وہ ایسی شاعری تھی جس کے فطری جذبات کا پتہ بعد والے ترقی یافتہ شعراے عرب کے کلام مین نہین ملتا۔ پرانے شعراے عرب کی عام معشوقہ ان کی بنت عم (چچا کی بیٹی) ہوا کرتی تھی۔ جو اکثر اُن کی منکوحہ بی بی ہوجاتی۔ اُس کا نام وہ بے تکلف و بلا تامل اپنی نظمون مین لیتے۔ اور اُس کے عشق مین جذبات دلی کو ظاہر کرتے۔ اگر اُن کی آرزو کے خلاف اُس کے ساتھ شادی نہ ہوئی اور وہ اُن سے چھوٹ کے اور بچھڑ کے کسی اور وادی یا صحرا مین چلی گئی تو اُس زمانے کو جب اُس سے ملتے جلتے تھے اُن مقامون کو جہان اس کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے تھے اس کے گھر کو۔ اس کے خیمے کے گرد کے منظر کو پاس کے پیلو کے درخت کو۔ اور اس کی ٹہنیون پر بیٹھ کے گونجنے والے کبوترون کو یاد کرکر کے روتے۔ اور جب کبھی موقع ل جاتا تو راتون کو جب سب لوگ سوتے ہوتے اور ہر طرف خاموشی کا عالم طاری ہوتا۔ وہ تارون کی روشنی مین اُس کے قبیلے کی صحرائی فرودگاہ مین دبے پاؤن جاتے۔ چورون کی طرح اس کے خیمے مین گھستے۔ آہستہ سے اُسے جگاتے اور باہر لا کے کسی تودۂ ریگ کے گھونگھٹ مین یا کسی پیلو کے درخت کے نیچے بیٹھ کے اُس سے عشق و محبت کی باتین کرتے۔ وہ ڈراتی کہ یہان اپنے دشمنون مین بے دھڑک کیون گھس آئے ہو؟ میرے باپ

بھائی اور میرے قبیلے والے ذرا بھی سُن گُن پا جائین گے تو بوٹیان اڑا دین گے۔ یہ اس کے جواب مین اپنی بہادریان ظاہر کرتے۔ اپنی شمشیرزنی و نیزہ بازی کے کمالات بیان کرتے۔ پھر صبح سے پہلے ہی اُسے اُس کے خیمے مین واپس بھیج کے پلٹ آتے۔ اور اس واقعے کو نہایت ہی مزے اور جوش کے الفاظ مین موزون کر کے قدر دانان سخن کے سامنے پیش کر دیتے۔

اگرچہ بادی النظر مین یہ بہت ہی بد اخلاقی کا نمونہ معلوم ہوتا ہے مگر پرانے شعرا اور اُن کے حال سے واقفیت رکھنے والے وثوق کے ساتھ کہتے ہین کہ ان عاشقانہ ملاقاتون مین بد اخلاقی بدنیتی اور بے عصمتی کو ذرا بھی دخل نہ ہوتا تھا۔ لیکن معشوقہ کے ساتھ اگر شادی ہو چکی ہوتی تو اپنی نظمون مین وہ اس سے جام شراب مانگتے۔ پھر اس کے حسن و جمال کی تعریف کرتے اور اُس کے بعد اپنے قبیلے کے مفاخر اور اُن کی بہادری فیاضی اور عظمت کے کارنامے زور و شور اور جوش و خروش کے ساتھ بیان کرنا شروع کر دیتے۔

یہ تھی عرب کی پہلی شاعری۔ جس مین اُن کی معشوقہ ہمیشہ ایک خوبصورت عورت ہوتی اور وہ بھی اُن کے چچا کی بیٹی یا قبیلے کی کوئی اور لڑکی جو اُن کی منگیتر یا منکوحہ بی بی ہو سکتی یا ہوتی۔ یہی مذاق اسلام کے بعد والی پہلی دو صدیون کے شعرا کا بھی تھا۔ فرق اتنا تھا کہ شعراے جاہلیت کی معشوقائین لازمی طور پہ کچھ زیادہ امتیاز نہ رکھتی تھین۔ اور اُن کے شوق مین غزل سرائی کرتے وقت وہ اُس کی جس قدر تعریف چاہین کر جائین۔ مگر اپنی کہنے مین اُس کی بہت کم سنتے تھے۔ اس زمانے کی بہت سی عورتین گو کہ شاعرہ تھین مگر وہ زیادہ تر اپنے عزیزون یا شوہرون کی موت پر نوحہ خوانی کرتین۔ اُن کے فضائل بیان کرتین۔ اُن کی شجاعت۔ سخاوت۔ ایثار نفس اور ہمدردی کے کارنامے سناتین۔ اس کے دشمنون کی تحقیر کرتین اور خاموش ہو جاتین مگر معشوقہ کی حیثیت سے عاشقون کے جذبات پر اپنے خیالات ظاہر

کرنے کا اُن دنون رواج کم تھا۔
اسلام کے بعد یہ ہو گیا کہ عاشقانہ جذبات ظاہر کرنے والے تمام شاعرون کی معشوقائین اُن کے عشق کی قدر کرتین اور اُن کے بیتابانہ جوش وخروش کا جواب اپنے سوز وگداز بھرے ہوے شعرون مین دیتین اس عہد کے اکثر شاعرون کی معشوقائین بھی انھین کی طرح مشہور ہین۔ اور اُن کے دیوان صرف اُن کے نہین بلکہ اُن کے اور اُن کی محبوبہ کے کلام کے مجموعے ہین۔ جمیل شاعر کی معشوقہ بثینہ تھی۔ کثیر کی معشوقہ عزہ تھی۔ قیس بن ذریح کی معشوقہ لبنی تھی۔ مجنون عامری کی معشوقہ لیلی تھی۔ عروہ بن خزام کی معشوقہ عفرا تھی۔ عبداللہ بن عجلان کی معشوقہ ہند تھی۔ ذوالرمہ کی معشوقہ میّہ تھی۔ مالک کی معشوقہ جنوبا تھی۔ عبداللہ بن علقمہ کی معشوقہ جبیس تھی نصیب کی معشوقہ زینب تھی۔ مرقس کی معشوقہ اسمار تھی۔ عقبہ بن حباب کی معشوقہ ریّا تھی۔ کعب کی معشوقہ میلا تھی۔ اور اسی طرح کے اور بہت سے عاشق ومعشوق تھے جن کے حالات عربی تاریخ وادب کی کتابون مین مذکور ہین۔
ان دنون شعروسخن کا ذوق عربون کی سوسائٹی مین اس قدر بڑھ گیا تھا کہ بعض شریف زادیان خود ہی چاہتین کہ اُن پر کوئی شاعر عاشق ہو کے ان کی تعریف مین غزل سرائی شروع کر دے۔ اُسکے اعزہ گو اس کو گوارا نہ کر سکتے مگر وہ بھی محض کسی شاعر کی تشبیب کی وجہ سے پاکدامن خاتون کی عصمت پر شبہہ نہ کرتے۔ اس لیے کہ شاعرون کے عشق کے لیے بالاتفاق پاکبازی وعصمت لازمی تھی۔ اور شعرا کی تشبیب سے کسی شریف زادی کے ناموس پر حرف نہ آتا۔ یہ بات جاہلیت مین بھی موجود تھی۔ آخر زمانہ جاہلیت کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ مستند شاعر اعشیٰ تھا۔ جس نے حضرت رسول خدا صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کے آپ کی نعت مین چند شعر بھی کہے تھے۔ تمام شعرائے عرب اُسے سب سے بڑا شاعر مانتے تھے۔ اور عرب مین گھر گھر مشہور تھا کہ وہ جس کی تعریف کرتا ہے وہ چمک جاتا ہے۔ اور جس کی مذمت کرتا ہے وہ مٹ جاتا ہے۔ اس کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی میری تین بیٹیان ہین اور تینون کنواری بیٹھی ہین۔

آپ اُن مین سے ایک پر اشعار مین اظہار عشق کیجیے تو اس کی شادی ہو جائے۔ اعشیٰ نے منظور کر لیا۔ اور اُس کے شوق مین چند اشعار کہے ہی تھے کہ اُس کی ماں نے ایک اونٹ ہدیۃً بھیجا اور اطلاع دی کہ اس لڑکی کی تو آپ کی عنایت سے شادی ہو گئی۔ اب آپ دوسری پر اظہار عشق کرین۔ اعشیٰ نے دوسری کی تعریف مین بھی شعر کہے اور اُس کی شادی بھی ہو گئی۔ اسی طرح تیسری کی شادی بھی اعشیٰ کی تشبیب سے ہو لی۔

عہد بنی عباس کے اوائل مین امین الرشید کے ایسے بد اخلاق خلیفہ اور ابو نواس کے ایسے بے ننگ و بے حمیت شاعر کی بدکاریون نے پہلے پہل شعرا کے معشوقون مین امرد حسین لڑکون کو داخل کرنا شروع کیا ہمین صحیح طور پر نہین معلوم کہ امرد پرستی کا مرض ایرانیون مین ساسانیون کے وقت سے چلا آتا تھا یا عربون کے فتحیاب ہوتے کے بعد اُن عربون مین جو صحرائی وطن کو خیرباد کہ کے خراسان و عجم مین آباد ہو گئے تھے اور اپنی بیبیون سے دور تھے خود بخود پیدا ہو گیا لیکن دوسری صدی ہجری کے وسط ہی سے ہم تعجب کے ساتھ دیکھتے ہین کہ بعض بعض شعراے عرب کے معشوق بجاے اُن کی بیبیون یا قبیلے کی نازآفرین لڑکیون کے نوعمر لڑکے بن گئے۔

ان دنون شام و تدمر اور عراق و آرمینیہ وغیرہ مین عیسائیون کے صدہا گرجے تھے اور اُن کے متعلق بڑی بڑی خانقاہین تھین۔ ان خانقاہون مین نفس کش راہبون کے علاوہ بہت سے نوعمر اور حسین لڑکے تقدس و رہبانیت کے مخصوص سادے لباسون مین رہا کرتے اور روحانی تعلیم پاتے۔ ریاضتین کرتے۔ ضربین لگاتے۔ اور نفس کشی کی کوشش کرتے۔ ان مین سے اکثر حسین و خوبرو ہوتے اور اُن کی خاص وضعون مین سادگی کے ساتھ کچھ ایسا بانکپن ہوتا کہ عاشق مزاج اُن پر فریفتہ ہو جاتے۔ اور مشہور ہو گیا تھا کہ حسینون کا مجمع دیکھنا ہو تو گرجون اور خانقاہون کی سیر کرنا چاہیے۔ ان خانقاہون کے متعلق پُرفضا باغ ہوتے اور راہب اپنے ہاتھ کی محنت سے اُنھین نہایت پُرفضا اور سرسبز و شاداب رکھتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز مین

شعراے عرب کے معشوق یہ خانقاہون کے خوبرو لڑکے بن گئے۔ اور گرجون کی سواد وہ چمن قرار پا گئے جس مین عربی باغ سخن کے بلبل آکے نغمہ سنجی کا جوش دکھاتے۔

روز بروز مذاق بڑھتا گیا اور بے تکلفی نے شعراے عرب کی زبان سے کہلا دیا کہ ہمارا معشوق دیر کا ایک خوبصورت لڑکا ہے جو نصرانی ہے اور اس کے شوق مین ہم صلیب پرستی کو تیار ہین۔ یہان تک کہ مدرک بن علی شیبانی جو ایک بڑا صاحب فہم شاعر اور زبردست ادیب تھا اور اسلامی دنیا مین وقعت و وقار پیدا کر چکا تھا عمرو بن یوحنا نام ایک خوبصورت مسیحی لڑکے پر عاشق ہو گیا جو شرقی بغداد کی مشہور خانقاہ "دیر روم" مین رہا کرتا تھا۔ مدرک نو عمر لڑکون کو درس دیا کرتا تھا اور اُسکی درس گاہ مین یہ مسیحی لڑکا بھی آتا تھا۔ ملا مدرک صاحب پڑھاتے پڑھاتے اس پر عاشق ہو گئے۔ اور عشق نے اس قدر بیتاب کیا کہ ایک دن اثناے درس مین آپ نے ایک رقعہ لکھ کے اس کی طرف پھینکا جس مین دل کی بیقراری و بیتابی کو صاف صاف ظاہر کر دیا تھا۔ عمرو بن یوحنا کو وہ رقعہ پڑھ کے ایسی شرم آئی کہ اُن کی درس گاہ مین آنا ہی چھوڑ دیا۔ اب مجبوراً ملا صاحب معشوق کی زیارت کے لیے دیر مین پہونچنے لگے۔ اُس نے وہان بھی ان سے ملنا ترک کر دیا۔ تب ملا صاحب بیمار پڑ گئے۔ ہوش و حواس مین فرق آ گیا۔ اور حالت ایسی نازک ہوئی کہ لوگ گھیر گھار کے اُس لڑکے کو بغرض عیادت لائے۔ ملا صاحب نے معشوق کی صورت دیکھتے ہی چند شعر حسب حال پڑھے۔ اور ایک آہ کے ساتھ جان دیدی۔ جس کا بڑا اثر پڑا۔ اور اُن کا عشق عشق صادق قرار پا کے اسلامی صحبتون مین غیر معیوب خیال کیا جانے لگا۔

اُن ملا صاحب نے اپنی ساری شاعری اسی نصرانی معشوق کے فراق کی شکایت مین صرف کر دی ہے۔ خصوصاً ان کا مخمس تو بہت ہی

مقبول ہوا جس مین اُنھون نے میسحیون کے تمام عقائد و خیالات اور اُن کے مقتداؤن اور معبدون کا ذکر کیا ہے۔ پہلے کہتے ہین کہ میرا گناہ صرف اتنا ہے کہ مسلمان ہون لیکن میرے افعال نے میرے اسلام کو ایسا ناقص کردیا ہے کہ اس کی شکایت ہی کیا؟ پھر کہنا شروع کیا ہے کہ کاش مین صلیب ہوتا کہ وہ اُسے چومتا۔ اس کا زنار ہوتا کہ اس کی کمر مین لپٹا رہتا۔ اس کا کرتا ہوتا کہ سینے سے لگا رہتا۔ اس کا پائجامہ ہوتا کہ اُس کی ٹانگون کو اپنے آغوش مین لیے رہتا۔ اُس کا کنیسہ ہوتا۔ اس کی انجیل ہوتا۔ پھر اس کے بعد اسے باپ بیٹے "روح القدس" "حضرت مریم" حواریون۔ سنتر داعیون۔ میسحی ولیون اور راہبون اور خدا جانے کن کن چیزون کا واسطہ دلایا ہے کہ مجھ پر ترس کھا۔

اب اس زمانے مین اکثر عربی شعرا کا کوے جانان کوئے دیر اور گرجا تھا اور اُن کا معشوق کوئی نصرانی لڑکا۔ ابن المعتز عباسی جو عہد مولدین عرب کا بڑا مقبول عام شاعر تھا اپنی ایک دلچسپ نظم مین کہتا ہے:—

"دیر عبدون پر اور مطیور کے اُس نشیمن پر جس مین خوب سایہ دار اور گھنے درخت ہین گھنگھور گھٹا برسی۔ اور اکثر یہ ہوا ہے کہ صبح تڑکے ہنوز چڑیان اپنے نشیمنون سے نہین اڑنے پائی تھین کہ راہبان دیر نے اپنی عبادت کی صداؤن سے مجھے جام صبوحی پینے کے لیے جگا دیا (کون سے راہب؟) جو سیاہ قبائین پہنے ہین۔ صبح کے وقت زور و شور سے ضربین لگاتے ہین۔ کمرون مین زنار باندھے ہین۔ اور سرون پر اپنے بالون سے اُنھون نے تاج سے بنا لیے ہین۔ اُن مین سے اکثر خوبرو ہین جن کی آنکھون مین کا سُرمہ لگا ہے۔ اور پلکین آنکھون کی براق سفیدی و سیاہی پر اپنی چلمنین ڈالے ہین (ان مین سے ایک کو مین نے ایسے شوق کی نظر سے دیکھا کہ راضی کر کے اشارے اشارے مین ملاقات کا وعدہ لیا اور (وعدے کے مطابق) وہ رات کے کرتے مین بدن چُرائے اور کسی نمام کے خوف سے جلدی جلدی

قدم اٹھاتا ہوا آیا۔ مین نے شوق استقبال مین عاجزی کے ساتھ اپنے رخسارے بچھا دیے۔ اور اس طرح دامنون کو زمین پر کھینچتا ہوا چلا کہ اس کے نقش قدم مٹتے جاتے تھے۔ ہلال آسمان پر چمک رہا تھا اور ڈر معلوم ہوتا تھا کہ یہ ہمین رسوا نہ کر دے۔ اور بعینہٖ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی کا ناخن کٹ کے الگ ہو گیا ہے۔ پھر اس کے بعد جو ہوا سو ہوا۔ مین اُس کا ذکر نہ کرون گا۔ بس تو نہ بدگمانی کر اور نہ پوچھ۔"

تاہم قدامت کا اتنا اثر ضرور باقی تھا کہ عورت معشوقائین بالکل نہین چھوٹنے پائی تھین اور اس عہد کے شعراے عرب کی یہ حالت ہے کہ اُن کا معشوق کوئی معین و مخصوص شخص نہین ہوتا۔ جسے کبھی وہ عورت بناتے ہین اور کبھی مرد۔ جب عورت ہوتی ہے تو عموماً اُن کے چچا کی بیٹی ہوتی ہے لیکن جب وہ مرد ہوتا ہے تو اکثر وہ اُسے کسی دیر مین جا کے ڈھونڈتے ہین۔

اسی زمانے سے فارسی شاعری شروع ہوئی۔ اور اُسے چونکہ عربون کے "بوم" و وطن سے تعلق نہ تھا اس لیے وہ پُرانی رفیق چچا کی بیٹی گھر ہی مین چھوٹ گئی جس نے اپنے صحرائی خیمون کو نہ چھوڑا اور اُنھین بھی اُس سے کچھ سروکار نہین رہا۔ اس لیے اب اس فارسی شاعری کا معشوق وہی خوبصورت لڑکا رہ گیا۔ جو پہلے پہل دیر مین ملتا تھا اور چونکہ مسلمان شعرا کو شعر و سخن کی معرفت کافرون کے معبدون مین جانے کی عادت پڑ گئی تھی اس لیے وہ ایران مین دیر نصاریٰ کے عوض آتش پرستون کے کنشت کیطرف نکل گئے یہ ہمین نہین معلوم کہ ان دنون کنشتون کی کیا حالت تھی۔ خدا جانے دیرون کی طرح وہان بھی عاشقانہ دلچسپیون کا سامان تھا یا نہین۔ لیکن کفرستان مین جانے کی عادت شعرا کو اکثر کنشت مین لے گئی خصوصاً اس چیز نے آتش پرستون کے معبد سے زیادہ مانوس کر دیا کہ شراب جو شام و بغداد مین نصاریٰ کے ہاتھون سے ملتی تھی یہان صرف زرتشتی عقائد والون سے ملتی۔ چنانچہ پیر مغان کی خدمت مین حاضر ہونے کے بعد کبھی کبھی انھون نے یہ بھی قبول کیا کہ ہمارا معشوق کنشت مین ہے۔

اب شعرائے عجم اپنے فکر کی آزادیون مین اور آگے بڑھے۔ ایرانیون کو چین والون سے پُرانی رقابت تھی۔ وہ چین کی نقاشی و صورت گری کے قائل تھے خصوصًا مانی کے واقعات سے ان مین چین کی مصوری کا بڑا شہرہ ہو گیا تھا۔ اس شہرت نے انھین چین کے بت خانون کا شوق دلایا۔ اور بغیر اس بات کے معلوم کیے کہ چینیون کے بت خانون مین در اصل کیا ہوتا ہے۔ انھین اُن خیالی تصویرون کا شوق ہوا۔ جو اُن کے خیال کے مطابق بت خانہ ہائے چین مین تھین۔ اس نئے خیال کا آنا تھا کہ فارسی شعرا مین بت خانون کا چرچا ہونے لگا۔

اسی اثنا مین مسلمانان عجم ہندوستان مین آئے۔ اور اُردو زبان پیدا ہوئی۔ اور اُس کی شاعری نے فارسی شاعری کے آغوش مین پرورش پائی اسی فارسی شاعری کی معرفت وہ کنیسہ ہاے شام کا کافر ماجرا معشوق اردو شعرا کو مل گیا جسے مسلمان لائے تو باہر سے تھے۔ مگر اس کا مسکن یہان نہ گرجا رہا نہ کنشت بلکہ ہندوستان کے بتخانے ہو گئے۔ شعراے فارسی کی تقلید مین وہ معشوق کی جستجو کرتے وقت کبھی کبھی دیر و کنشت کو بھی جھانک کے دیکھ لیا کرتے ہین مگر اب ان کا اصلی رجحان بتخانون کیطرف ہے۔ بت پرستی کے تمام شعائر اُنھون نے اختیار کر لیے ہین اور بت ہی کو اپنا اصلی معشوق بتاتے ہین۔

ایرانیون ہی کی تقلید مین اردو کا معشوق بت ہونے کے ساتھ ایک خوبصورت لڑکا ہے۔ عورت کے حسن سے اُنھین سروکار نہین۔ اور بڑی حیرت کی یہ بات ہے کہ جن بت خانون مین اپنے بُتِ دلربا کو بتاتے ہین ان مین دیوتاؤن کی بھی مورتین ہین۔ اور دیویون کی بھی۔ مگر دیوتاؤن کی مورتین عمومًا عظمت و جبروت اور قوت و طاقت کا نمونہ ہوتی ہین۔ اُن کے بہت سے ہاتھ اور کئی سر ہوتے ہین۔ وہ ایسے رعب و داب کے مظہر ہوتے ہین جنھین دیکھ کے بجاے عشق و محبت کے اِن سے خوف اور ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ہان دیویون کی مورتین البتہ حسن و جمال کی مکمل تصویرین ہوتی ہین۔ اس لیے ان بتکدون مین اگر معشوقیت کی شان ہے تو دیویون مین۔ لیکن ہمارے شعرا کو ان سے سروکار نہین وہ بے دیکھے بھالے اور بے سوچے سمجھے اپنے استاد شعراے فارسی

کی اندھی تقلید مین ان بت خانون کے مرد معشوقون ہی پر عاشق ہین۔

یہ ہے تاریخ ہمارے شعرائے اسلام کے معشوق کی۔ جو ان کے دلون مین ہے۔ اور پھر بھی جدا ہے۔ اور جسے وہ پہچانتے نہین۔ مگر عاشق ہین۔ یقین ہے کہ اس تاریخ کے پڑھنے سے یہ معمہ بخوبی حل ہو گیا ہو گا کہ اُن کا معشوق کیون ایک خوبصورت لڑکا ہے۔ عورت نہین؟ کیون اس کے شوق مین وہ زیادہ تر بتخانون کیطرف اور کبھی کبھی دیر و کنشت مین جاتے ہین؟ ہم انھین اس جرم خلاف وضع فطری مین مبتلا دیکھ کے افسوس کرتے اور پچھتاتے ہین کہ کاش اگر سلسلۂ نسب کے دور پڑ جانے سے پرانی بنت عم چھوٹ گئی تھی تو کوئی اس کی ہندوستانی بہن ہی معشوقہ بن جاتی۔ یا اگر ہندوستان کے اثر سے ہمارے شعرا مین مردانگی کی قوت بالکل فنا ہو گئی تھی۔ تو وہ ہندی شعرا کی طرح عورت بن جاتے۔ اور عورت بن لینے کے بعد کسی مرد کو اپنا معشوق بناتے۔ مگر آہ! نہ یہ ہوا اور نہ وہ ہوا۔ اور محض مجرمین کی کثرت کی وجہ سے ہماری فیاض گورنمنٹ کو ہمارے ان ملزمان جرم وضع خلاف فطری کو تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۷۷ کے اثر سے مستثنیٰ کرنا پڑا۔

ساریۃ الجبل

یہ وہ الفاظ ہین جو ایک مرتبہ دوران خطبہ مین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے بے اختیار نکل گئے۔ جبکہ آپ مدینے مین تھے اور یہی الفاظ اسی وقت سرزمین ایران مین سُنے گئے۔ اس کی اتنی شہادتین ہین۔ اور ایسے ایسے معتبر مورخین راوی ہین کہ اس واقعے سے کسی طرح انکار نہین کیا جا سکتا۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر مین بے انتہا فضائل جمع کر دیے تھے اور اُن کے ہاتھون اسلام کو وہ خوبیان حاصل ہوئین کہ اُن کا شمار مشکل ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایران پر فوج کشی فرمائی تو مختلف سرداروں کو مختلف مقامات کے جھنڈے مرحمت فرمائے۔ چنانچہ آپ نے ساریہ بن زنیم کو

فسا اور دارا بگرد کی جانب روانہ فرمایا۔ حضرت ساریہ یہ جھنڈا لے کر روانہ ہوے۔ اور مملکت ایران مین داخل ہو گئے وہان پہونچ گئے۔ ایک زمانۂ دراز تک ایرانیون کا محاصرہ کیے پڑے رہے۔ یہ دیکھ کر ایرانیون نے ادہر ادہر سے مدد طلب کی اور اُن کی بہت سی فوجین جمع ہو گئین۔

اب ساریہ اور اُن کے ساتھی مسلمان سخت مصیبت مین مبتلا تھے اور ایرانیون نے اُنھین گھیر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ مدینۂ طیبہ مین تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے خواب مین دیکھا کہ مسلمانون اور ایرانیون مین جنگ ہو رہی ہے۔ صبح کو آپ اُٹھے تو مدینے مین پکروا دیا کہ "الصلوٰة جامعة"۔ اور لوگ جمع ہونے لگے۔ جب وہ وقت آیا جو آپ نے خواب مین دیکھا تھا تو آپ باہر تشریف لائے۔ حضرت ساریہ بن زنیم اور مسلمانون کی حالت میدان جنگ مین اس وقت بہت نازک ہو رہی تھی۔ وہ ایک ایسے جنگل مین تھے کہ اگر ذرا دیر بھی اُس مین اور ٹھہرتے تو ایرانیون مین بالکل گھر جاتے اور پھر جان بچنے کی کوئی صورت نہ رہتی۔ اُن کے پیچھے ایک پہاڑ تھا۔ اگر وہ اس پہاڑ پر چڑھ جاتے تو پھر فقط ایک ہی سمت سے ایرانیون کا مقابلہ کرنا پڑتا۔

غرض اُس وقت حضرت عمرؓ ممبر پہ تشریف لائے اور تقریر کرتے ہوے فرمایا کہ "مین نے ان دونون لشکرون کو خواب مین دیکھا ہے اور اب اُن کی مفصل حالت تم سب کے سامنے بیان کرتا ہون"۔ آپ نے اپنی تقریر مین یہین تک فرمایا تھا کہ دفعةً آپ زور سے پکار کے فرمانے لگے "ساریہ الجبل" "ساریہ الجبل" یعنی "ساریہ پہاڑ کا رخ کرو! ساریہ پہاڑ کیطرف جاؤ"۔ یہ معلوم ہوا کہ جیسے میدان جنگ کا نقشہ آپ کی آنکھون کے سامنے پھر گیا۔ اور آپ نے موقع کے لحاظ سے ساریہ کو یہ ہدایت فرمائی۔ یہ کہنے کے بعد آپ پھر تقریر کرنے لگے اور فرمایا کہ خدا کے بہت سے لشکر ہین بہت ممکن ہے کہ اُن مین سے کوئی میری یہ آواز ساریہ تک پہونچا دے اور مسلمان تباہی سے بچ جائین۔ اور خدا کی قدرت سے ایسا ہی ہوا۔ یہ آواز حضرت ساریہ اور اُن کے ساتھیون نے سنی اور پہاڑ پہ چڑھ کے مقابلہ کرنے لگے۔ اور

اسی کا نتیجہ تھا کہ آخر مین خدا نے ایرانیون کو شکست دی اور مسلمانون کو فتحیاب کیا۔

تاریخ کامل ابن اثیر نے بھی یہ واقعہ لکھا ہے اور بہت سے ائمۂ حدیث نے بھی مختلف صحیح سندون سے روایت کیا ہے جن مین خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر بیہقی۔ ابو نعیم۔ ابن مردویہ۔ لالکائی۔ ابن اعرابی اور خطیب ہین۔ ان سبھون نے اس واقعے کو مختلف الفاظ مین بیان کیا مگر مطلب سب کا ایک ہی ہے۔ چنانچہ ان روایتون مین ایک روایت جناب ابن عمرؓ سے ہے وہ فرماتے ہین کہ حضرت عمرؓ نے ایک لشکر روانہ کیا۔ اور اُس کا سردار ایک شخص ساریہ نامی کو بنایا۔ یہ لشکر روانہ ہو چکا تھا کہ ایک دن حضرت عمرؓ اثنائے تقریر مین فرمانے لگے "یا ساریۃ الجبل۔ یا ساریۃ الجبل۔ یا ساریۃ الجبل" اس کے کچھ روز بعد اسی لشکر کا ایک قاصد حضرت عمرؓ کی خدمت مین حاضر ہوا۔ آپ نے اُس سے لشکر کا حال پوچھا۔ اس نے عرض کیا امیر المومنین ہم نے دشمنون کو شکست دی۔ جس عرصہ مین ہم لوگ لڑ رہے تھے ہم نے تین بار آواز سنی "یا ساریۃ الجبل" تو ہم لوگ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اور پھر ہم نے دشمنون کو بھگا دیا۔ حضرت عمرؓ کی خدمت مین عرض کیا گیا کہ یہ آواز آپ ہی کی تھی۔ اور وہ پہاڑ جس کے پاس ساریہ تھے ملک ایران مین شہر نہاوند کے قریب تھا۔

ایک دوسری روایت انہی حضرت ابن عمرؓ سے یہ ہے کہ حضرت عمرؓ ایک روز جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے۔ خدا معلوم کیا بات پیش آئی کہ آپ فرمانے لگے "اے ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ۔ جو شخص بھیڑیون کو چرانا چاہتا ہے اپنے اوپر ظلم کرتا ہے" اس پر لوگون کو تعجب ہوا اور سب ایک دوسرے سے سرگوشیان کرنے لگے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ پوچھنا چاہیے۔ یہ آپ نے کیا کہا۔ لوگون نے حضرت عمرؓ سے پوچھا تو آپ فرمانے لگے کہ مجھ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ مشرکین نے ہمارے مسلمان بھائیون کو شکست دیدی اور وہ ایک پہاڑ کی طرف بھاگ رہے ہین۔ اگر پہاڑ کے اوپر پہونچ جائین گے تو اُن کو صرف

ایک سمت سے مقابلہ کرنا پڑے گا اور اگر اس مقام سے آگے بڑھنے کی کوشش کرینگے تو ہلاک ہو جائینگے۔ اس خیال سے بے اختیار میرے مونہہ سے وہ الفاظ نکل گئے جو آپ لوگون نے سنے اس کے ایک مہینے کے بعد ایک شخص اس لشکر سے فتح کی خوشخبری لے کر آیا تو اس نے کہا کہ ہم نے اُسی دن حضرت عمرؓ کی آواز سُنی اور اُسی کے مطابق ہم پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے پھر خدا نے ہمین کامیاب کیا۔

عمرو بن حارث سے ایک روایت ان الفاظ مین ہے کہ حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے کہ آپ نے خطبہ چھوڑ دیا اور دفعتہً فرمانے لگے "یا ساریۃ الجبل"۔ یہی الفاظ آپ نے دو بار یا تین بار فرمائے اور پھر خطبہ پڑھنے لگے۔ اس پر لوگون کو تعجب ہوا اور بعض حاضرین کہنے لگے کہ آپ بہکی ہوئی باتین کر رہے ہین۔ لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو آپ کے متعلق اطمینان تھا۔ وہ کہتے تھے کہ کوئی خاص بات ہے۔ جب آپ خطبہ ختم کر چکے تو وہی عبدالرحمٰن آپ کے پاس آئے اور عرض کیا آپ نے اثنائے خطبہ مین فرمایا "ساریۃ الجبل" اس کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مین اپنے اختیار مین نہ تھا۔ مین نے دیکھا کہ مسلمان ایک پہاڑ کے قریب لڑ رہے ہین۔ اور دشمن اُن کے سامنے اور پیچھے سے آرہے ہین۔ تو مین بے اختیار ہو گیا۔ اور مین نے پکار کے کہہ دیا "یا ساریۃ الجبل" تاکہ وہ لوگ پہاڑ پر چڑھ جائین۔ جہان اُنھین فقط ایک ہی جانب سے دشمنون کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس کے چند روز بعد ساریہ کا قاصد اُن کا خط لے کر آیا۔ جس مین لکھا تھا کہ ایرانیون سے ہم سے جمعہ کے دن مقابلہ ہوا۔ ہم اُن سے لڑ ہی رہے تھے کہ جمعہ کی نماز کا وقت آگیا۔ ہم نے دو تین بار ایک پکارنیوالے کی آواز سنی کہ "یا ساریۃ الجبل" اور ہم پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اس کے بعد ہم دشمنون پر برابر غالب ہوتے رہے یہان تک کہ خدا نے اُنھین شکست دی اور وہ قتل ہوے۔

اس جنگ مین مسلمانون نے دیگر مال غنیمت کے ساتھ ایک صندوقچہ

پایا جس مین جواہرات بھرے ہوے تھے۔سب نے وہ صندوقچہ حضرت ساریہ کو دے دیا۔ ساریہ نے اس کو حضرت عمرؓ کی خدمت مین بھجوا دیا۔جس وقت قاصد اُسے لے کے بارگاہ خلافت مین پہونچا تو حضرت عمرؓ کھانا کھا رہے تھے۔آپ نے قاصد سے کہا بیٹھو کھانا کھاؤ۔جب کھانا کھا کے اُٹھے تو وہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔آپ نے خیال کہ اس نے ابھی سیر ہو کے نہین کھایا ہے تو آپ اُسے اپنے ساتھ گھر کے اندر لے گئے۔اور روٹی۔زیتون اور نمک لا کر رکھ دیا گیا۔ دونون نے مل کر پھر کھایا۔کھانے سے فرصت پا کے اُس شخص نے کہا "امیر المومنین مین ساریہ کا قاصد ہون۔آپ نے فرمایا "مرحبا" خوش آمدید" پھر آپ اُس کے پاس گھٹنے سے گھٹنا ملا کے بیٹھ گئے۔اور مسلمانون کی خیریت پوچھی۔اُس نے حالات بیان کیے۔اور صندوقچہ کا واقعہ کہا۔اس کو سُن کے آپ چلائے اور فرمانے لگے کہ اس کو مین نہین لون گا۔اسے رکھ لو جب وہ لشکر واپس آئے گا تو یہ اُنھین لوگون مین تقسیم کر دیا جائے گا۔اُس نے عرض کیا "امیر المومنین میرا اونٹ کمزور ہو گیا ہے اور مال غنیمت کے بھروسے پہ مین قرضدار ہو گیا ہون۔اس مین سے کچھ مجھے مرحمت ہو جائے تو مین دوسرا اونٹ خرید لون۔آپ نے اس کا اونٹ صدقہ کے اونٹون مین سے بدلوا دیا۔وہ واپس جانے لگا تو مدینے کے لوگون نے اُس سے پوچھا کہ تم نے جنگ کے دن کوئی آواز سُنی تھی۔اُس نے کہا ہان۔ہم نے سنا "یا ساریۃ الجبل" اس وقت ہم سب ہلاکت کے قریب پہونچ گئے تھے۔مگر جب ہم نے یہ آواز سُنی تو پہاڑ پہ چڑھ گئے۔اور اس تدبیر سے خدا نے ہمین کامیاب اور فتحمند کیا۔

ریویو

حرم۔یہ زنانہ لٹریچر کا ماہوار رسالہ ہے۔جس کی ایڈیٹر ڈاکٹر بیگم عبدالغفور صاحب لیڈی ڈاکٹر۔ایل ایم۔پی۔ہین۔جو نہایت ہی توجہ سے اسے مرتب فرماتی ہین

اس وقت اس کا یکجائی نمبر ۵ و ۶ بابتہ ماہ اگست و ستمبر ۱۹۲۷ء ہمارے سامنے ہے جس مین عورتون کے مضامین کے علاوہ مشاہیر مردون کے بھی متعدد مضامین ہین کاغذ سفید لکھائی چھپائی عمدہ تقطیع ۲۰×۳۰/۸ اور حجم ان دو نمبرون کا ۸۴ صفحہ ہے۔ قیمت تین روپیہ سالانہ ہے جو پیشگی وصول کی جاتی ہے۔ یہ قیمت اس رسالے کے اجرا کے اس مقصد پر نظر ڈالتے ہوے کہ "اس سے جو کچھ آمدنی ہوگی وہ غریب اور بیمار عورتون کے علاج پر صرف کی جائے گی" کسی طرح زائد نہین ہے۔ اس رسالے مین دیگر مضامین نگارون کے علاوہ جناب علامہ سید مولوی محمد عبدالودود صاحب بریلوی اور جناب شیخ عبداللہ صاحب بی اے ایل ایل بی اور جناب نذر سجاد حیدر صاحبہ کے ایسے مشاہیر اہل قلم کے لکھے ہوے مضامین ہین۔ ناظرین ذیل کے پتہ سے طلب فرمائین۔

ڈاکٹر بیگم عبدالغفور صاحب۔ ایل ایم پی۔ محلہ کھان پیلی بھیت۔ یو پی

ڈاکٹر۔ یہ ہومیو پیتھی کا ایک دلچسپ رسالہ ہے۔ جس کے ایڈیٹر جناب ڈاکٹر نظام الدین صاحب۔ ایم بی۔ ہومیو ہین۔ اس رسالہ کے اجرا کا مقصد یہ ہے کہ علاج ہومیو پیتھک سے ہر خاص و عام واقف ہو جائے۔ مرضون کے اسباب اور اس کا طریقۂ علاج بہت خوبی سے درج کیا جاتا ہے ۱۸×۲۲/۸ کی تقطیع کے ۴۸ صفحات ہوتے ہین۔ اور چندہ سالانہ صرف عہ/ ہے۔ نمونہ کا پرچہ بلاقیمت روانہ ہوتا ہے۔ خریداری کے واسطے منیجر رسالہ ڈاکٹر پوسٹ بکس نمبر ۷۸۔ لاہور کے پتہ پر مراسلت کی جاے۔

انگلستان کی عورتین

(مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم و مغفور)

ذیل کا مضمون مولانا مرحوم کا ایک لکچر ہے جو آپ نے انگلستان سے واپس تشریف لانے کے بعد ہی حیدرآباد کے ایک بہت بڑے جلسے مین ارشاد فرمایا تھا۔ یہ غالباً ۱۸۹۷ء کا واقعہ ہے اور مضمون کی مناسبت کے لحاظ سے حیدرآباد دکن کے مرحوم رسالہ معلم نسوان مین شائع ہوا تھا۔ مین مولوی محب حسین صاحب ایڈیٹر رسالہ معلم نسوان کا بہت ممنون ہون کہ انھون نے اپنی مہربانی سے اس مضمون کی ایک نقل مجھے مرحمت فرمائی۔ مین اب اُسے صرف اس غرض سے شائع کرتا ہون کہ مولانا مرحوم کا اس قسم کا کل متفرق لٹریچر دلگداز کے صفحات پر جمع ہو جائے۔ اس کے علاوہ دلگداز کے ناظرین مین سے بہت کم ہون گے جنھون نے اسے دیکھا ہو۔

آخر مین ایک بات مجھے خاص طور پر عرض کرنی ہے کہ اسے پڑھتے وقت اس بات کو ضرور مدنظر رکھا جائے کہ یہ اب سے تیس سال قبل لکھا گیا تھا اور اس وقت مین اور اب مین زمین و آسمان کا فرق ہو گیا ہے۔ اس مین تیس سال قبل کی انگلستان کی عورتون کی ایک جیتی جاگتی تصویر نظر آ جائے گی۔

محمد صدیق حسن ایڈیٹر

جناب پریسڈنٹ اور حاضرین جلسہ مین آج اپنے بعض معزز اور پرجوش دوستون

کی خواہش کے مطابق انگلستان کی عورتون کے متعلق کچھ حالات بیان کرنے اور اُن کے طرز عمل اور معاشرت پر اپنے خیالات ظاہر کرنے کی غرض سے کھڑا ہوا ہون جہان تک مین خیال کرتا ہون یہ ایک نہایت ہی نازک اور دشوار سبجکٹ ہے۔ بات یہ ہے کہ اخلاق انسانی مین سے جو اوصاف کہ نظام عالم کے قائم رہنے اور دنیا مین ایک بے ضرر زندگی بسر کرنے سے تعلق رکھتے ہین۔ وہ تو ہر ملک اور ہر قوم مین قریب قریب متحد ہین۔ چوری سب جگہ منع ہے زناکاری ہر جگہ حرام ہے۔ فریبی اور دغا ہر جگہ ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مگر وہ اوصاف جن کو دنیا مین بود و باش کرنے۔ باہم ملنے جلنے۔ اور شادی بیاہ کی تقریبون سے تعلق ہوتا ہے۔ مین خیال کرتا ہون کہ ہر جگہ بدلے ہوتے ہین۔ اور یہی چیزین ہین جن کے اعتبار سے ہر قوم کچھ اپنی خاص عادات و اطوار رکھتی ہے۔ اور یہ چیزین ایسی ہوتی ہین جن پر فلسفہ اور تہذیب کا بہت کم اور دیر مین اثر پڑتا ہے۔ بلکہ تمدن اور حکومت مین ترقی ہونے کے بعد ہر قوم کی عموماً یہی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے طرز عمل اور طریقہ زندگی کو شائستگی کا معیار قرار دیدے۔ چونکہ یہ معیار کسی فلسفی اصول اور عقلی استدلال پر نہین قائم کیا جاتا ہے لہذا دوسری قومین اُس کی پیروی مین بھی اتنی پیش قدمی نہین کرتین جتنی کہ کسی سائنس اور فلسفہ کے اصول کے اختیار کرنے یا عام اصول اخلاق کے اخذ کرنے کے لیے سرگرمی دکھاتی ہین۔ اس اصول کو آپ خود اپنے ملک مین دیکھ رہے ہین کہ مغربی فلسفہ قریب قریب سارے ہندوستان کا مذہب ہوگیا اور ہوتا جاتا ہے۔ جدید سائنس جو یورپ سے آیا ہے۔ اس مین ترقی کرنے کا کون ہے۔ جو مشتاق نہین۔ مگر انگریزی طرز معاشرت آج بھی ہندوستانی گھرون کے درواندون سے اتنی دور ہے جتنی دور کہ سو برس پہلے تھا۔ یہ انگریزون کی حقیقی معاشرت نہین ہے جو آپ دیکھتے ہین کہ ہمارے بہت سے دوست کوٹ پتلون پہنے ہوے ہین۔ یا اکثر اہل اسلام اور ہموطنون کی جسم پر شیروانیان ہین جو انگریزی ہی وضع کی متابعت مین ایجاد کی گئین یا اُس سے بھی بڑھ کر کہہ دیا جائے کہ بعض ہندوستانی شریف زادیان انگریزی گون پہننے لگی ہین۔ کوئی نہین کہہ سکتا کہ یہ انگریزون کی معاشرت ہے۔ اِن کی حقیقی معاشرت یہ ہے کہ عورتین کس حال مین رہتی ہین۔ اور اُن کے مرد اپنی عورتون مین اور اپنے گھرون کے اندر کیسی زندگی بسر کرتے ہین۔ اُن کے ہیان شادی بیاہ مین کیا ہوتا ہے۔ اور

شادی کیونکر ہوتی ہے۔ بچہ کیونکر پرورش پاتے ہین۔ اور دنیاوی معاشرت مین مرد کے فرائض منصبی کیا ہین۔ اور عورت کن کن کامون کی ذمہ دار ہے۔

آپ خود سمجھ سکتے ہین کہ اِن باتون مین آپ کی معاشرت یوروپین معاشرت سے اس وقت تک بالکل جدا ہے۔ طرز معاشرت کا اثر اتنا گہرا ہوتا ہے کہ اپنی معاشرت کی خوبیان دل پر نقش ہوجاتی ہین۔ اور انسان تمام دوسری قومون کی زندگی کو اپنے خیال مین بالکل جانورون کی زندگی سمجھنے لگتا ہے۔ اس کا تعصب انسان کے دل مین مذہبی تعصب سے بھی کسی قدر زیادہ ہوتا ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسری قوم کی معاشرت مین کوئی امر تسلیم کرے یہ درکنار اس کے طریقہ زندگی کو صحیح طور پر سمجھ بھی نہین سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ انگریز سو برس تک ہندوستان مین رہنے کے بعد بھی ہندوستانی معاشرت کی بعض مسلمہ خوبیون کو نہین سمجھ سکتے۔ اسی طرح بہت کم ہندوستانی ہین جو انگریزون کی معاشرت کو اچھی طرح جانتے ہون اور اس وجہ سے میرا خیال ہے کہ انگریزون کی معاشرت اور خاصتہً معاشرت کا وہ حصہ جو اس ترقی یافتہ قوم کی عورتون سے تعلق رکھتا ہے مشکل ہے کہ آپ کو پسند آئے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ باوجود اس مخالفت و نفرت کے دونون طرف مین تفتیش حالات کا شوق یکسان پاتا ہون۔ جس طرح آپ انگلش عورتون کے حالات سننے اور معلوم کرنے کے مشتاق ہین اس سے زیادہ مشتاق مین نے انگریزون کو اور خاصتہً وہان کی عورتون کو پایا جو ہر وقت اپنی ہندوستانی بہنون کے حالات ہی پوچھا کرتی ہین۔ مذکورہ بالا اختلاف مذاق کی دشواری کے علاوہ ہندوستان مین انگلش معاشرت اور خاصتہً وہان کی عورتون کی نسبت بہت سی بے سروپا باتین مشہور ہین اور اس قدر مشہور ہین کہ دلون پر نقش ہوگئی ہین مجھے مشکل نظر آتا ہے کہ اُن بے بنیاد واقعات و حالات کے خلاف مین کچھ بیان کردن تو پایۂ قبول کو پہونچے۔

اس سے پیشتر ایک لکچر مین مین انگریزون کی بہت سی اخلاقی باتون کو ظاہر کرچکا ہون[ع]

ع اس لکچر کے متعلق مین نے بہت دریافت کیا۔ مگر بالکل پتہ نہین چلتا۔ ممکن ہے کہ شائع ہی نہ ہوا ہو۔ یا مولانا مرحوم مغفور نے بغیر لکھے زبانی ارشاد فرمایا ہو۔
محمد صدیق حسن

اگرچہ ان باتوں کو بھی انگلش معاشرت سے بہت کچھ تعلق تھا۔ لیکن وہ اس قسم کے امور تھے جن کی خوبی کو غالباً ہر شخص نے تسلیم کر لیا ہو گا۔ اور جائز ہے کہ بغیر وجوہ اور اسباب دریافت کیے اُن باتوں پہ ہر ہندوستانی شخص آنکھیں بند کر کے عمل کرے مگر آج چونکہ مین انگلش عورتون کے حالات ظاہر کرنے کے لیے کھڑا ہوا ہون لہذا اس حصۂ معاشرت سے بحث کرتا ہون جس کو زیادہ تر رسم و رواج سے تعلق ہے۔ اور ضرور نہین کہ اِن مین سے ہر بات کی پیروی اور پابندی بھی کی جائے۔

اس موقع پہ مجھے ایک اہم تاریخی واقعہ کے پیش کرنے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ بغیر اس کے بیان کیے۔ دنیاوی معاشرت کا مسئلہ اچھی طرح حل نہین ہو سکتا۔ اصل یہ ہے کہ جس وقت خدا کا خاص دین یعنی اسلام روے زمین پر ظاہر ہوا ہے۔ اس وقت کرۂ زمین کے مشرقی رخ یعنی ایسٹرن ہمسفیر کے اس تمام حصہ پہ جو ہندوستان کے مغربی حدود سے لے کے انتہاے مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔ صرف دو قومون کی معاشرت کا اثر پڑا ہوا تھا۔ ایرانیون کا جو زرتشتی مذہب کے پابند تھے اور رومیون کا جو چند ہی صدی پیشتر سے دین مسیحی کو اختیار کر چکے تھے۔ اگرچہ یہودیون کی قوم ایک خاص قسم کی خصائص قومی رکھتی تھی۔ مگر مسیحیت ہم سے پہلے ہی اُس کا اثر مٹا چکی تھی۔ فتوحات اسلام کے بعد زرتشتی مذہب کے ساتھ اُس کی معاشرت بھی مٹ گئی۔ اور اسلامی معاشرت جو مذہبی احکام عرب کے قومی خصائص اور ایرانیون کے اس اثر سے جو عباسیہ کے دربار پہ وقتاً فوقتاً پڑتا رہا مرکب تھی یورپ کے سوا تمام حصۂ زمین پہ اثر کر گئی۔ صرف یہی نہین ہوا کہ مسلمان قومون ہی مین اس معاشرت کا رواج ہوا ہو۔ نہین اُن غیر قومون پر بھی اس کا اثر پڑا جو حکومت اسلام کے تابع ہین۔ اگرچہ مختلف ملکون کی آب وہوا اور حقیقی حاجتون نے ہر سرزمین کے مسلمانون مین بھی بعض خاص قسم کے رسم ورواج جاری کر دیے۔ مگر اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ مسلمانون کے اخلاق مین چاہے وہ کسی حصہ زمین پہ ہون ایک گونہ مشابہت و موافقت پائی جاتی ہے مسلمان ہی نہین وہ غیر قومین بھی جو اُن کے پاس آباد ہین یا اُن کے ماتحت رہ چکی ہین اپنے عادات و اطوار مین مسلمانون کی بہت سی باتین پائین گی۔ ہر تقدیر یہ ظہور

اسلام کے چند ہی روز بعد نظر آگیا کہ ساری دنیا پر اسلامی اور عربی معاشرت کا پورا اثر پڑا ہوا ہے۔ مگر یورپ جہان دین مسیحی کا قدم بہت مضبوطی سے جما ہوا تھا۔ ہماری معاشرت سے بالکل متاثر نہ ہو سکا جس طرح اسلام کی اس تیرہ سو برس کی زندگی مین مذہبی حیثیت سے کراس اور کرسنٹ یعنی صلیب و ہلال لڑتے رہے ہین۔ اسی طرح ان دونون کی معاشرت بھی باہم ایک دوسرے کی حریف رہی ہے۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم انگلستان کی معاشرت کو اس قدر علیحدہ اور دور پاتے ہین کہ ان کی کوئی بات اور کوئی رسم ہماری باتون اور رسمون سے نہین ملتی یہی پردہ کا مسئلہ ہے کہ (معاف کیجیے مین اس موقع پر اس مسئلہ کے حل کرنے کے لیے نہین کھڑا ہوا ہون کہ پردے کا ثبوت شریعت اسلام سے ہوتا ہے یا نہین) عورتون کو پردے مین چھپنا چاہیے تاریخی طور پر ابتدائے عہد قدیم کی کئی اور قومون مین بھی پایا جاتا ہو یا نہ پایا جاتا ہو۔ مگر اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ اس رسم کو اسلام نے یہان تک اختیار کیا کہ ہر حصۂ زمین پر مسلمانون کا کیرکٹر سٹک یعنی خصیصۂ معاشرت ہو گئی۔ اور مسلمانون کی وجہ سے ان تمام مشرقی قومون مین جن پر مسلمانون کے معاشرت کا اثر پڑا ہے۔ ہر خاندان کا معیار شرافت یہی قرار پا گیا۔ آپ جانتے ہین کہ مسلمان در کنار ہندوستان مین اور چند روز پیشتر گجرات کے پارسیون تک مین یہ خیال موجود تھا کہ جس خاندان کی عورتین جہان تک زیادہ غیرون اور نامحرمون سے چھپتی ہین اسی قدر وہ خاندان زیادہ شریف اور ممتاز ہے۔ اسی طرح طہارت و نجاست کا مسئلہ ہے کہ دنیا کے جن جن حصون پر اسلام کا اثر پڑا ہوا ہے اُن مین طہارت کا وہی مفہوم اور وہی طریقہ ہے جو مسلمانون مین مروج ہے۔ آپ اس پر فخر نہ کرین۔ اس لیے کہ زمانہ کی رفتار کا یہی تقاضا ہے۔ مین یہ بھی دکھا سکتا ہون کہ بہت سی مسلمان قومین جو مدت ہائے دراز تک عیسائیون کے پڑوس مین رہی ہین اُن پر اُن کا پورا پورا اثر پڑا ہوا ہے۔ جنوبی حصۂ روس کے مسلمان جو مغلوبیت کے ساتھ صدیون تک عیسائیون مین رہے ہین اُن کی عورتون مین بالکل پردے کا رواج نہین ہے۔

خلاصہ یہ کہ انگلش طرز معاشرت وہ خالص رومی یا عیسائی طرز معاشرت ہے جس پر کسی امر اور کسی رسم مین آپ اپنا اثر نہ پائین گے۔ آپ اپنے قرب و جوار کی تمام

قوموں اور اُن کی عورتوں میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور پالیں گے جو آپ کے مذاق کے موافق ہے۔ اور جس کے اعتبار سے آپ اپنے خیال کی شرافت کا تھوڑا سا حصہ اُن کو بھی دیدیں گے گر یورپ کی قومیں اور وہاں کی عورتیں جس وضع کی زندگی بسر کر رہی ہیں وہ آپ کے معیار شرافت سے اس قدر جدا جاتی ہے اور یہاں تک علیحدہ رہتی ہے کہ بمشکل ان مغربی خاتونوں کو آپ کی زبان سے کوئی تعریف کا لفظ نصیب ہوگا۔ تاہم زمانہ اب دنیا کی تمام قوموں کو ایک ہی اسٹیج پہ لا رہا ہے۔ اور تبادلۂ خیالات کے ساتھ قوموں میں باہمی تبادلہ مذاق و عادات بھی ہو رہا ہے۔ لہذا میں بکمال ادب عرض کرتا ہوں کہ ان کی معاشرت کو ایک مسلمان کی نظر سے نہیں بلکہ ایک حکیم یا فلسفی یا ایسے شخص کی نگاہ سے دیکھیے جس کے دل پر کسی خاص مذاق اور معاشرت کا اثر نہ پڑا ہو اور وہ ساری دنیا کی قوموں کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہو۔ اگر آپ اُن کی زندگی کو ایسی صاف اور سادی نگاہ سے دیکھیں گے تو بہت سے فائدہ اُٹھا سکیں گے۔ اس لیے کہ دنیا کی کوئی قوم نہیں جس میں صرف برائیاں ہی برائیاں ہوں ہر جگہ برائیوں کے دامن میں خوبیاں چھپی ہوتی ہیں۔ اور آپ کی تو اسلامی شان یہ ہونا چاہیے کہ "الحکمۃ ضالۃ المومنین فہو احق بہا حیث وجدہا"

کسی تاریخی کتاب میں دیکھنا تو مجھے یاد نہیں مگر میں نے بعض لائق احباب کی روایت سے سنا ہے کہ پہلے پہل انگریز جب ہندوستان کے ساحل پر اترے تو اُن کو عورتوں کے نہ ہونے یا بہت کم نظر آنے پر تعجب ہو گیا اور خیال گزرا کہ شائد اس ملک میں عورتیں نہیں ہوتیں۔ بخلاف اس کے انگلستان کے ساحل پر قدم رکھتے ہی ایک مشرقی شخص کو جو سب سے پہلے قابل حیرت چیز نظر آئی ہے وہ یہ ہے کہ مرد کم ہیں اور جدھر دیکھیے زیادہ عورتیں ہی چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ عورتیں بھی کوئی معمولی قسم کی نہیں۔ یہ ماما اصیلیں اور مزدورنیاں نہیں جو آپ کو یہاں بھی مردوں کے غول میں ملی جلی نظر آجاتی ہیں بلکہ وہ شریف عورتیں جو اپنے گھروں کا زیور اور اپنی قوم کی عزت ہیں اور جن کے شوہر آج اقصائے عالم میں پھیلے ہوئے ہیں اور ملکوں پہ ملک فتح کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے لباس کے متعلق آپ کو میرے پہلے ہی لکھنے بتادیا ہوگا کہ کس قدر صاف اور ستھرا ہے۔ مگر اس موقع پر مجھے اس قدر زیادہ کہنا چاہیے کہ اُس میں انتہا درجہ کا بانکپن

اور حد درجہ کی جدت بھی پائی جاتی ہے۔

اُن عورتون مین زیادہ حصہ تو ان کا ہے جو سودا سلف لینے کے لیے بازارمین آتی ہین۔ ان کے بعد اُن کا نمبر ہے جو کارخانون یا اپنے آفسون اور دفترون میں کام کرنے جاتی ہین بعض جگہ وہ کم سن لڑکیان دکھائی دین گی جو اسکولون کو جا رہی ہین۔ اور بعض جگہ وہ خادمائین نظر آئین گی جو صاف اور براق ایپرن یعنی وہ کپڑا جو لباس کے صاف رکھنے کے لیے کمر مین لپیٹ لیا جاتا ہے۔ باندھے کسی دُکان کی طرف دَوڑی جاتی ہین۔ اور انھین کے غول مین ایک آدھ ایسی لڑکی بھی نظر سے گزر جائے گی۔ جو نیڈلن یا اور کوئی باجہ ہاتھ مین لٹکائے اپنے موسیقی کے استاد کیطرف چلی جارہی ہے۔ انھین عورتون کے غول مین آپ کو بعض وہ نوعمر میان بی بی یا منگیتر بھی ملین گے جو بی بی یا معشوقہ کا ہاتھ ہاتھ مین لے کے ٹہلنے کو نکلتے ہین۔ اور ایک دوسرے کی باتون مین مشغول نہایت ہی آہستگی سے قدم اٹھائے ہوے چلے جاتے ہین۔ اور آخر مین آپ افسوس کے ساتھ کبھی کسی جگہ اس عورت کو بھی پائین گے جو سڑکون پر اپنی قسمت ڈھونڈھنے کو نکلی ہے بعینہٖ اسی طرح جس طرح کہ آپ اپنی سڑکون پہ ہر مذاق ہر خیال اور ہر قسم کے چال چلن کے مردون کو دیکھتے ہین اسی طرح آپ وہان کی سڑکون پہ ہر قسم ہر مذاق کی عورتون کو دیکھین گے اور اس کے ساتھ آپ کو اپنے خیال اور اپنے مسلمات کے خلاف یہ ہی نظر آئے گا کہ جس طرح آپ کی سڑکون پر ہر قسم اور ہر وضع کے لوگ مِل جُل جانے کے بعد پھر بھی اپنی اپنی وضع پہ قائم رہتے ہین اور ایک کا دوسرے پہ اثر نہین پڑتا۔ یعنی شریف شریف ہی باقی رہتے ہین اور پاجی پاجی ہی اسی طرح وہان کی عورتین باوجود اس کے کہ سب ایک ہی سڑک پہ گزرتی ہین۔ مگر جو جس وضع اور رفتار کی ہین اپنی اپنی وضع اور رفتار پہ قائم رہتی ہین۔

لندن کی سڑک کی ایک اجمالی تصویر دکھا دینے کے بعد اب مجھے ضرورت معلوم ہوئی ہے کہ عورتون کے اصلی اور تفصیلی حالات سے آپ کو مطلع کرون۔ جس کے لیے مناسب ہے کہ سب کے پہلے مین یہ بتا دون کہ ایک لڑکی کی زندگی ابتدا سے انتہا تک کس وضع کس حالت اور کن اصول پہ گذرتی ہے۔ بچپن ہی سے وہان کی لڑکیون کی زندگی آپ کی لڑکیون سے بالکل بدلی ہوئی ہوتی ہے۔ آپ کو شاید یہ سن کے تعجب ہوگا کہ وہان حسن و عشق کی جذبات آپ کے مذاق کے خلاف جائز ہی نہین! انسانی

زندگی کے لیے ضروری و لازمی تصور کیے جاتے ہین۔ اور جہان تک مین خیال کرتا ہون وہان ہر قسم کی تعلیم سے پہلے ہی لڑکون اور لڑکیون پہ عاشق اور معشوق بننے کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔ اسی وقت سے سکھا دیا جاتا ہے کہ لڑکا اگر لڑکی پہ عاشق ہو تو کن الفاظ اور کن اشارات و حرکات سے اظہار عشق کرے۔ اور لڑکی کو بھی بتا دیا جاتا ہے کہ اگر اس پہ کوئی اظہار عشق کرے تو وہ کیا کرے۔ اور کیونکر پیش آئے۔ اسی قدر نہین اور اس کو ضمناً اس بات کی بھی تعلیم شروع ہو جاتی ہے کہ وہ کسی لڑکے کو اپنے دام محبت مین گرفتار کرنا چاہتے تو کن اداؤن سے کام لے اور وہ کون کون سے حرکات ہین جو مرد کے جذبات عشق کو حرکت مین لا سکتی ہین۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ کے یہان اور مین خیال کرتا ہون کہ تمام اُن ممالک مین جن پر اسلامی معاشرت کا اثر پڑا ہوا ہے اس قسم کے امور بالکل خود رد ہوتے ہین اور مرد عورت کو محض فطرت کی تعلیم سے حاصل ہوتے ہین۔ اور وہان اس کے خلاف ان امور مین بھی انسانی کاریگری اور آرٹ کو بہت کچھ دخل ہو گیا ہے۔

انگلستان کی اس ابتدائی تعلیم کو مین کسی کے کہنے سننے یا روایت کی بنا پر نہین بیان کرتا ہون بلکہ مین کہہ سکتا ہون کہ ان تمام باتون کو مین نے خود اپنے ذاتی تجربہ سے اخذ کیا ہے۔ مین جس محلہ مین رہتا تھا اور جن لوگون سے ملتا جُلتا تھا اِن مین سے اکثر لوگ اگرچہ وہان کے رہنے والے تھے جن کی عورتین عموماً انگریزی قوم کے مذاق مین شہر والون سے زیادہ باعصمت اور پاک دامن خیال کی جاتی تھین۔ مگر انھین کے بچون کی اس تعلیم کو خود اپنی آنکھ سے دیکھا کرتا تھا۔ خود وہ پاکدامن عورت جس کی پاکدامنی اور عصمت شعاری کا نقش کبھی میرے دل سے نہ مٹے گا۔ یعنی وہ عورت جس کے گھر مین مجھے ایک سال سے زیادہ زمانہ تک رہنے کا اتفاق ہوا۔ اس کے دو چھوٹے بچے فرینکی اور جیرلڈ خوبصورت بچہ تھے اور بہت پیاری پیاری باتین کرتے تھے۔ ایک کی عمر چھ برس کی اور ایک کی چار سال کی تھی۔ یہ دونون بچے دس گی دو لڑکیون پہ عاشق تھے۔ ان لڑکیون کو جن کی عمرین بھی تین چار سال سے زیادہ نہ تھین اپنے گھر مین لاتے اور کہتے کہ یہ ہماری سویٹ ہارٹ یعنی معشوقہ ہین۔ یہ بچہ آپس مین بوسہ لیتے اور لڑکیان اُسی ناز سے اور اسی طرح انکار کے بعد بوسہ دیتین۔

جس طرح کہ کوئی جوان اور بالغ لڑکی کرے گی۔ ان باتون پر بوڑھے ہنستے تھے۔ اور خوش ہوتے تھے۔ مین نے کبھی کبھی یہ بھی دیکھا کہ لڑکون کی مان خود اپنے بچون سے کہتی کہ اپنی سیوٹ ہارٹون کو بلا لاؤ۔ وہ لڑکیان آتین۔ اور ہم اُن کی اس معصومانہ محبت کے کھیل کو دیکھ کر خوش ہوتے۔

اسی طرح ایک مقام پر مجھے پندرہ روز تک ایک ایسی صحبت مین رہنے کا اتفاق ہوا جہان دس بارہ مرد اور آٹھ دس عورتین ساتھ ہی رہتی تھین۔ کھانا پینا ساتھ تھا۔ دن کو بھی اکثر صحبت رہا کرتی۔ اس صحبت مین ایک چھوٹی پانچ چھ برس کی لڑکی تھی جو کٹی کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ ایک دن میز پر یہ لڑکی ایک بوڑھے شخص کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی جن کی بی بی اُن کے دوسرے ہاتھ پر تھین۔ یہ بوڑھے بزرگ ایک فوجی کپتان تھے۔ لڑکی کی مان نے چلا کے اپنی لڑکی سے کہا "کٹی دیکھو تم کو کسی ایسے شخص کے پاس بیٹھنا چاہیے جو جوان اور کنوارا ہو۔ کپتان..... بیاہے ہوئے آدمی ہین تم نہین دیکھتین اُن کی بی بی دوسری طرف بیٹھی ہوئی ہین؟" اس واقعے سے آپ اندازہ کر سکتے ہین کہ خود مان ہی کی گود سے ان باتون کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

علاوہ ازین اسی مکان مین ایک لڑکا تھا۔ ہیریٹ۔ جس کی عمر شاید دس برس کی ہو۔ یہ لڑکا دن رات اسی لڑکی کٹی پر عشق ظاہر کرتا۔ دونون رات کو بچھڑنے پر جاتے وقت ایک دوسرے کا بوسہ لے کے جدا ہوتے۔ اور صبح کو ملتے ہی بوسہ لیتے۔ مگر لڑکی اور لڑکا دونون کے والدین ان باتون کو جائز بلکہ ضروری کھیل سمجھے ہوئے تھے۔ مزاحم ہونا درکنار بلکہ ایسے موقع دیتے رہتے تھے کہ ان دونون معصوم عاشقون کو اظہار ذوق و شوق کی جراٴت ہو۔ جہان تک مین نے اندازہ کیا مین سمجھتا ہون کہ ایسی باتون اور اس قسم کی تعلیمون کی وہان ضرورت بھی ہے۔ وہان کی سوسائٹی مین مرد اور عورت دونون کے لیے زندگی کا سب سے پہلا اور اہم مرحلہ یہی ہے کہ لڑکا کسی لڑکی کے دل کو جیت لے اور لڑکی اپنے لیے کوئی جانباز عاشق پیدا کرے۔

علاوہ ازین سوسائٹی مین جب مرد اور عورت ملتے ہین تو وہان سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ مرد اور عورت دونون بیباکی سے اور بغیر اس کے کہ لجائین اور شرمائین ہر قسم کے خیال کو جو اُن کے مذاق مین مخش نہ ہو بے تکلف

اور جرأت کے ساتھ ادا کر جائین۔ جس لڑکے اور لڑکی مین یہ بات نہین ہے۔ وہ دراصل وہان کی صحبت مین ملنے اور شریک ہونے کے قابل ہی نہین ہین۔ آپ کے ہندوستانی لڑکے جو وہان جاتے ہین چونکہ بچپن سے اُن کے مذاق مین ایک شرم پیدا رہتی ہے لہذا وہان کی سوسائٹی کے قابل کبھی نہین ہو سکتے۔ عموماً یہ لڑکے مارے شرم کے خاموش بیٹھے رہتے ہین۔ اور بمشکل اسکی بھی جرأت کر سکتے ہین کہ وہان کی عورتون مین منھ کھول سکین۔ بخلاف اس کے انگلش لڑکے اور لڑکیان بچپن ہی مین اس قدر بیباک اور جری ہوتے ہین جتنے کہ آپ بُڑھاپے مین بھی نہین ہو سکتے۔ انگریزون کی چھوٹی بچی سے بھی آپ اُس کی شادی کے متعلق کچھ پوچھیے تو وہ نہایت بیباکی اور متانت سے جواب دے گی۔ اور اُس کے چہرے پر نام کو بھی لجاہٹ نہ ہو گی۔ بخلاف اس کے اگر آپ اپنے جوان بیٹون سے بھی ایسا ہی کوئی سوال کیجیے تو وہ شرما کے سر جھکا لین گے۔ اصل یہ ہے کہ اس ملک کے مذاق مین یہ شرم عیب سمجھی جاتی ہے۔ اور آپ کے مذاق مین ایک حد تک ہنر۔ لیکن اس عشق اور محبت کے تعلیم کے ساتھ اُن کی عفت کا بھی بہت کچھ خیال رکھا جاتا ہے۔ آپ کو یہ سن کے حیرت ہو جائیگی اور شائد بمشکل یقین آئے گا کہ باوجود اِن تمام باتون کے جن کو آپ اپنے مذاق مین انتہا درجہ کی بے عفتی خیال کرتے ہین۔ وہان کی لڑکیان کثرت سے ایسی پاک دامن رہتی ہین کہ سن بلوغ تک پہونچنے بلکہ اس کے بعد بھی دو چار برس گزر جاتے ہیں اس سے بھی نہین واقف ہوتین کہ مرد اور عورت مین اصلی فرق کیا ہے۔ اور مرد کیون مرد۔ اور عورت کیون عورت ہے۔ حقیقت مین یہ ایک ایسی بات ہے کہ اکثر ہندوستانیون کی سمجھ سے باہر ہے مگر اس کی زیادہ تر وجہ میرے خیال مین یہ ہے کہ وہان عوام اور بازاریون تک کی زبان سے کبھی فحش الفاظ اور ایسی غلیظ گالیان نہین سُنی جاتین جیسی کہ یہان ہر مرتبہ گھر سے باہر نکلتے ہی آپ سُن لیا کرتے ہین۔ ہمارے بچے بچپن ہی مین اِن ناپاک الفاظ کو سڑکون پہ سنتے ہین۔ اور اپنے دل ہی دل مین اِن کے معنی سمجھنے کے متجسس ہوتے ہین۔ اور آخر اسکول دوستون یا خدمتگارون مین سے کوئی ایسا بھی مل جاتا ہے جو ان معاملات کو خوب حل کر کے بتا دیتا ہے اور محبت کے جذبات پیدا ہونے سے پہلے ان کو یہ ناپاک باتین معلوم ہو جاتی ہین۔ اور شاید

یہ اسی کا نتیجہ ہے جو مجھے انگلستان مین نظر آیا۔ کہ بدکاری وہان سِن رسیدہ لوگون بلکہ بڈھون مین زیادہ ہے اور یہان نو عمرون مین اور بعض تجربات مجھے ایسے حاصل ہوے ہین جن کی بنا پر مین یہ بھی کہہ سکتا ہون کہ یہان کے نابالغون مین بھی۔

الغرض اسی قسم کی گھریلو تعلیمون اور اسی طرح محبت کے کھیلون مین لڑکیان اس عمر کو پہونچ جاتی ہین کہ اسکول بھیجی جائین۔ اگرچہ لڑکیون کے مدارس مین بقول ہمارے حیدرآبادی دوستون کے ننھے ننھے مرد بچے بھی نے سیلہ جاتے ہین۔ مگر حقیقت مین وہان تو لڑکون اور لڑکیون کے مدارس جُدا جُدا ہین۔ لڑکون کے مدارس الگ ہین اور لڑکیون کے مدارس الگ۔ اس موقع پر مجھے اتنا کہہ دینا چاہیے کہ امرکیہ والون کو اس بارۂ خاص مین اہل انگلینڈ سے اختلاف ہے۔ اُن کے وہان لڑکون اور لڑکیون کے لیے مدارس کی کوئی تفریق نہین۔ اور جب دونون مین بدکاری پیدا ہونے کا اندیشہ ظاہر کرکے اس تفریق کی ضرورت بتائی جاتی ہے تو امرکیہ والے کہتے ہین کہ یہ اندیشہ بالکل بیجا ہے۔ اور وہ محبت بھی زیادہ سچی پائدار اور قابل قدر ہوگی۔ جس کو لڑکے اور لڑکیان اسکول سے لے کے باہر آئین۔ تاہم انگلستان والے اب تک مدارس کی جداگانہ رکھنے کی ضرورت کو مانے جاتے ہین۔ اور آج تک یہ تفریق قائم ہے۔

اب مجھے یہ بتانا چاہیے کہ لڑکیون کو وہان تعلیم کن چیزون کی دلائی جاتی ہے۔ اور اسی کے ذیل مین یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہان کی سوسائٹی مین عورت کو کن کن چیزون کی ضرورت ہے۔ اور انسانی معاشرت مین عورت کیا پارٹ لیتی ہے۔ جن جن علمون اور فنون کی تعلیم مین بتاتا ہون یہ صرف موجودہ سلسلہ تعلیم کی بنا پر ہے۔ مگر چند سال سے عورتون مین اس قدر ترقی ہوگئی ہے کہ میرے خیال مین بہت جلد یہ کورس بدلا چاہتا ہے۔ اس لیے کہ روز بروز عورتین اپنے زیادہ حقوق اور دنیاوی اغراض مین اپنی زیادہ ضرورتین ثابت کرتی جاتی ہین۔ اس وقت تک عام طور سے لڑکیون کو ابتدائی مدارس مین پڑھنے لکھنے سینے پرونے۔ کاڑھنے۔ کھانے پکانے۔ تصویر کھینچنے۔ گانے۔ ناچنے۔ اور پیانو بجانے کی تعلیم دلائی جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ بعض قسم کی ورزشین بھی تعلیم کے ساتھ ضروری سمجھی

جاتی ہین۔ یہ ابتدائی تعلیم جس طرح لڑکون کے لیے جبریہ ہے۔ اسی طرح لڑکیون کے لیے بھی ہے۔ جو مان باپ لڑکے یا لڑکی کو اسکول مین نہ بھیجین تو اسکول کی نرس کی رپورٹ پر یا کسی اور کی مخبر رسانی پر اُن کو جرمانہ وغیرہ کی سزا ہو جاتی ہے۔

ان مدارس مین تعلیم پانے کے بعد پھر لڑکیون کو اختیار ہے کہ جس علم و فن کی طرف چاہین توجہ کرین۔ اور ہر قسم کی اعلیٰ تعلیم گاہین خاص لڑکیون کے لیے موجود ہین۔ وہ کالجون مین جا کے بی۔ اے۔ اور ایم۔ اے۔ کی ڈگری پاس کر سکتی ہین۔ ڈاکٹری کا اعلیٰ درجہ کا امتحان دے سکتی ہین۔ یا معمولی درجہ تک اصول حفظ صحت اور طریقۂ تیمارداری کو سیکھ کے نرس بن سکتی ہین۔ یا بعض ڈیپارٹمنٹل امتحان پاس کر کے سرکاری خدمات حاصل کر سکتی ہین۔ اس وقت تک چونکہ مرد وہان عورتون کو دبا رہے ہین۔ اور عورتون مین اس قسم کی ایک حس پیدا ہو گئی ہے کہ وہ دبائی جاتی ہین۔ لہذا طلب علم مین وہ لڑکون اور مردون سے زیادہ گرم جوشی دکھانے لگی ہین جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگرچہ اس وقت تک طلبہ مین زیادہ شمار مردون ہی کا ہے مگر وہ تھوڑی لڑکیان بھی اس ذوق و شوق سے پڑھتی اور تعلیم پاتی ہین کہ اکثر لڑکون سے زیادہ نمبر پا جاتی ہین۔ صرف یہی نہین جن محکمون مین عورتون کو ملازمت دیجانے لگی ہے۔ ان مین عورتین صرف اپنی لیاقت کا ثبوت دینے اور حقوق قائم کرنے کے لیے ایسی ایمانداری اور جفاکشی سے کام کرتی ہین۔ کہ عموماً رپورٹین عورتون کی فیور اور طرفداری مین ہوتی ہین۔ ڈاک خانہ اور تار برقی کے محکمہ مین زیادہ تر عورتون کو جگہین مل گئی ہین۔ ان محکمون کی سالانہ رپورٹون سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو جو دفتر عورتون کے ہاتھ مین تھے ان مین بمقابلہ اُن دفترون کے جو مردون کے ہاتھ مین تھے۔ راست بازی اور محنت سے کام ہوا اور زیادہ کام ہوا۔ اور دیکھنے ہی سے کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ پھرتی اور چالاکی اگرچہ وہان ہر شخص کی طبیعت و خمیر مین ہے۔ مگر جیسی پھرتی اور چالاکی عورتون کی رفتار و عادات سے ظاہر ہوتی ہے وہ مردون سے بدرجہا زیادہ ہے۔ عورتون اور مردون مین چونکہ ایک کمپلیشن یعنی مقابلہ شروع ہو گیا ہے۔ لہذا نوع انسان کی ان فطرتی دو حصون

مین باہمی تعصب شروع ہو گیا ہے۔ جو روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ جس کا ثبوت وہان کے اُن اخبارون اور رسالون سے ہو سکتا ہے۔ جو سوسائٹی پیپر کہلاتے ہین۔ اِن مین بہت سے رسالے مردون کے ہاتھ مین ہین۔ اور بہت سے عورتون کے ہاتھ مین۔ اور دونون ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کرتے رہتے ہین۔ مگر مین کہون گا کہ اس بارۂ خاص مین بھی عورتون کی رفتار بمقابلہ مردون کے نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ہے جس سے کامیابی کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ اس لیے کہ وہ اخبار جو مردون کے وکیل ہین ہمیشہ عورتون پر طعن و تشنیع کرتے ہین۔ بخلاف اس کے عورتون کے اخبار زیادہ تر عورتون کو ترقی پر آمادہ کرتے اور اُن کو ترقی کے راستہ بتانے مین مشغول رہتے ہین۔ اور بہت کم جواب دینے کی طرف متوجہ ہوتے ہین۔

یہ تفریق وہان مدت سے قائم ہو گئی ہے کہ بوجھ اُٹھانے اور سخت جسمانی محنت کے کامون کو عورتین ہاتھ نہین لگاتی ہین۔ وہ زیادہ تر انھین کامون کو اپنے ہاتھ مین لیتی ہین جن مین زیادہ تر دکھانا مقصود و خاطر ہو۔ بخلاف اس کے تمام وہ کام جن کو سخت جسمانی محنت سے تعلق ہے سب مردون کے ہاتھ مین ہین۔ آپ کے یہان مین بالکل اس اُلٹا دیکھتا ہون اس لیے کہ یہان کی عورتین عام طور پر تو معطل ہی کر دی گئی ہین اور جو چند کام کرتی ہین تو ایسے سخت کہ مردون سے بھی مشکل ہو سکین بعض دُبلی اور ناتوان عورتون کو دو دو ڈھائی ڈھائی تین تین من کا بوجھ پیٹھ پر اُٹھاتے ہوے یہان کی سڑکون پر جاتے دیکھ کے یقین ہے کہ میری طرح آپ کو بھی اکثر افسوس ہوا ہو گا۔ وہان بالکل ایسا نہین ہے۔ اول تو وہان ہاتھ سے ٹھیلنے اور پاؤن سے چلانے کی گاڑیان اس کثرت سے پھیل گئی ہین کہ کوئی مرد بھی بوجھ اُٹھائے ہوے نہین نظر آتا۔ لیکن اسٹیشنون اور بندرگاہون پر اس قسم کے کامون کی تھوڑی بہت ضرورت باقی ہی رہ گئی ہے تو عموماً مردون کے ہاتھ سے اجرا پاتی ہے۔ اس کے مقابل مین عام قسم کے جو کام عورتون کے ہاتھ سے اجرا پاتے ہین وہ یہ ہین کہ خدمتگاری کا کام عموماً عورتین کرتی ہین۔ دوکانداری مین گاہکون سے ملنا اور چیزون کو بیچنا عام طور پر عورتون کا کام ہے۔ چاے خانون اور عام قسم کے ہوٹلون مین کل کام عورتون ہی کے ہاتھ سے

اجرا پاتے ہین شراب پلانیوالیان سب عورتین ہین بڑے بڑے کارخانون مین جو کام تھوڑی محنت سے اور جلد کرنے کے یا ایک جگہ بیٹھ کے کرنے کے اور نیز وہ کام جن کو صفائی اور ستھرے پن سے تعلق ہے سب عورتون کے ہاتھ مین ہین - یہ کام پہلے عموماً مردون کے ہاتھ مین تھے - مگر تدریجاً سب جگہ سے مرد نکل گئے اور عورتین اُن کی قائم مقام ہوگئین - اس کی زیادہ وجہ اول تو یہ ہے کہ جن کامون مین پھرتی اور چالاکی کو دخل ہوتا ہے - اُن مین اکثر عورتین مردون سے غالب رہتی ہین - دوسرے یہ کہ اُن کے مزاج مین صفائی مردون سے زیادہ ہوتی ہے - ہر چیز کو صاف رکھنا جیسا عورتین جانتی ہین مرد نہین جانتے - اور تیسرا اور سب سے قوی سبب یہ ہے کہ مردون کے مقابلہ مین عورتین بہت کم تنخواہ پر رہتی ہین کارخانہ دارون کو جتنی کفایت عورتون کے رکھنے مین پڑتی ہے - اتنی مردون کے نوکر رکھنے مین نہین پڑ سکتی - اس کے اسباب پر بھی مین نے بہت غور کیا - اور آخر غور کرتے کرتے اور وہان کی لائف کا تجربہ اُٹھاتے اُٹھاتے اصل وجوہ کا پتہ لگ گیا - بات یہ ہے کہ مردون کے سر عموماً اپنے ساتھ بی بی بچون کا بھی بار ہوتا ہے - اور عورتین جو کام کرتی آتی ہین عموماً کنواری رہتی ہوتی ہین - ان کو سوا اپنی ذات کے اور کسی کی فکر نہین ہوتی یہان مشہور ہے کہ انگلستان مین مرد کم شادی کرتے ہین - اعلیٰ اور درمیانی طبقہ مین ایک حد تک مین اس کو مان لونگا - مگر عام لوگون کا حال بالکل اس کے خلاف ہے - اس لیے کہ بہت کم ایسے مرد ہوتے ہین جن کی شادی نہ ہوئی ہو - قطع نظر اس کے وہان اور شائد یہان بھی یہ عام قاعدہ ہے کہ مرد جو شادی نہین کرتے ان مین سے زیادہ اکثر ایسے ہوتے ہین جو کسی عورت سے ناجائز تعلق رکھتے ہوتے ہین اُن کے سر جائز بی بی سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ بار ایک ناجائز معشوقہ کا ہوتا ہے - بخلاف عورتون کے کہ جتنی کنواری ہین ان مین سے بکثرت بلکہ قریب قریب کل ایسی ہوتی ہین کہ حقیقت مین کنواری ہوتی ہین - اور سو مین چار پانچ اگر آوارہ بھی ہوتی ہین تو بجاے اس کے کہ مرد کو کچھ دین تھوڑا بہت اس سے اور وصول کر لیا کرتی ہین - علاوہ ازین اگر کسی عورت کے حرام سے بچہ بھی ہو جاے تو وہان کا قانون بچہ کے پرورش کے مصارف

اسی شخص سے دلواتا ہے جس کا نطفہ ہو- جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کے کوئی بچہ ہو تو بھی وہ اس کی پرورش کے بار سے سبکدوش رہتی ہے۔

اِن تمام کامون کے بالاستقلال اپنے ہاتھ مین لے لینے سے اگر عورتون کو کوئی چیز روک سکتی تھی تو وہ وضع حمل اور ایام رضاعت کا زمانہ تھا اس کی تنہا یہی معقول تدبیر یہ ہو گئی ہے کہ اول تو جب سے سوس ملک جس کو آپ اپنی اصطلاح مین ڈبے کا دودھ کہتے ہین جاری ہوا. وہان کے امیر غریب اور قریب قریب ساری عورتون نے دودھ پلانا چھوڑ دیا. صرف بچہ کا گود مین لیے رہنا رہ گیا تھا اس کا یون انتظام کر دیا گیا کہ اس قسم کے خاص خاص مکانات اکثر محلون مین جاری کر دیے گئے ہین- جن مین بچون کے پالنے کے لیے دائیان نوکر ہین- اور جو عورت اپنا بچہ اور اُس کے ساتھ چھ پنس جو آپ کے آٹھ آنے کے برابر ہوتا ہے دیے جائے اس کا لڑکا صبح سے شام تک پوری نگرانی کے ساتھ رکھا جاتا ہے- اور دن بھر اُس کو جو دودھ پلایا جاتا ہے اُس کی قیمت بھی انھین چھ پنس مین شامل ہے- ان مکانات کے جاری ہونے سے یہ آسانی ہو گئی ہے کہ ہر عورت ایک ہفتہ کی رخصت لے کر وضع حمل سے فراغت کر لیتی ہے- اور اُس کے بعد سے روزانہ کارخانہ جاتے وقت اپنا بچہ انھین مکانون مین دائیون کے حوالے کر دیتی ہے اور شام کو گھر آتے وقت لے لیتی ہے-

مین سمجھتا ہون کہ ان عام لوگون کا تذکرہ بیان کرتے کرتے مین اصلی تعلیم کے سبجکٹ سے بہت دور جا پڑا- یہ اوپر بیان کر چکا کہ عموماً تعلیم کن چیزون کی دلائی جاتی ہے- اور ابتدائی تعلیم کے بعد جو انسانی ضرورتون کے لیے لازمی سمجھی گئی ہے. عورتین کن کن سبجکٹون مین ترقی کر سکتی ہین- اور ہر امر مین ترقی کا دروازہ اُن کے لیے کھلا ہوا ہے مرد چونکہ پہلے سے اس قدر ترقی کر چکے تھے کہ پڑھا لکھا آدمی ہر کام اور ہر پیشہ کو کرتا اور کر سکتا تھا لہٰذا ہندوستان کے مردون کی طرح وہان عورتون کی تعلیم نے یہ خرابی نہین پیدا کی کہ ہر پڑھا لکھا آدمی اسکول سے نکلتے ہی تعلیم اور نوکری کیطرف متوجہ ہو جائے اور اپنے قدیم پیشہ کو چھوڑ دیے. شاید یہ دشواری وہان کے مردون مین تعلیم کے رواج پذیر ہونیکے وقت پیش آئی ہو- لیکن عورتون نے تعلیم پا کے کبھی کسی کام کے کرنے سے شرم اور عاجزی ظاہر نہین کی- وہ پڑھنے کے بعد بھی اپنے انھین کامون کو کرتی رہین

جن کو پہلے کرتی تھین۔ اور جب انھون نے خود کمانے اور اپنے قوت بازو سے روپیہ پیدا کرنے کی طرف توجہ کی تو ہر کام اور ہر پیشہ کو جو عورت کے مناسب ہو سکتا ہے اختیار کر لیا۔ اور جو خانہ داری کے کام پہلے سے کر رہی تھین ان کو زیادہ لیاقت و دانائی سے کرنے لگین۔

وہ علمی مذاق اور دماغی کام جن کو دنیا کی تمام گزشتہ عمر مین مردون نے اپنے ساتھ مخصوص رکھا تھا اور عورتون کو یہان تک اُن کامون سے علیحدہ کر دیا تھا کہ عورتون کی جہالت اور کم فہمی صرف آپ ہی کے یہان نہین یورپ اور خاص انگلینڈ مین بھی ضرب المثل ہو گئی تھی عورتون نے صرف اپنی کوشش اور بے انتہائی ترقی سے غلط اور بے اصل ثابت کر دیا۔ آج آپ وہان جا کے دیکھیے تو صاف نظر آتا ہے کہ علمی ذوق اور دماغی نازک خیالی مین عورتین کسی درجہ مردون سے کم نہین ہین آپ وہان دفترون اور لکھنے پڑھنے کے کامون مین عورتون کو اسی کرسی پر بیٹھا پائین گے جس پر آپ نے سوا مرد کے کبھی عورت کو دیکھا ہی نہین۔ برٹش میوزیم کا کتب خانہ جو صرف عالی دماغ مصنفون کے لیے کھولا گیا ہے۔ وہان مردون کے برابر ہی آپ عورتون کو بھی مطالعہ کتب مین مشغول اور منہمک پائین گے۔ اور مین تعجب اور حیرت کے ساتھ دیکھتا تھا کہ وہ کتابین قرض دینے والی لیبریریان جن کی شاخین انگلستان کے ہر چھوٹے سے چھوٹے گاؤن مین بھی کھلی ہوئی ہین اُن سے زیادہ فائدہ اُٹھانے والی عورتین ہی تھین تصنیف و تالیف کا سلسلہ عورتون نے بھی جاری کر دیا اور اُن کی چند ہی روز کی توجہ کا یہ نتیجہ ظاہر ہو گیا کہ عام خیال قائم ہو گیا ہے کہ عورتین مردون سے اچھی ناولسٹ ہوتی ہین۔ اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیے۔ اس لیے کہ ناول نگاری کا دارومدار ایک تو زبان پر ہے اور دوسرے ان باتون مین بصیرت ہونے پر جن کو خانہ داری اور معاشرت سے تعلق ہے اور ان دونون مین عورت فطرۃً مرد سے اچھی ہوتی ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہان کی عورتین ناول نگاری مین عنقریب مردون کو شکست اور فاش شکست دیا چاہتی ہین۔ صدہا عورتین ایسی ہین جو مضمون نگاری اور اخبارون کی ایڈیٹری پر زندگی بسر کر رہی ہین۔

قدیم تمدن ایران

بقیہ صفحہ ۹۴

(از جناب لطافت حسین صاحب)

باشندے۔ تمدن اور طرز معاشرت

نسل آریہ

سرزمین ایران کی سب سے مشہور اور نادر شے اس کے باشندے ہین جو آریہ نسل سے ہین۔ ژند یداد مین لکھا ہے کہ ان کا اصلی وطن آذربائیجان یا شاید شمالی ترکستان مین ایک مقام آیرایانا وایگو تھا۔ شدت سرما یا دیگر وجوہ سے مجبور ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام سے دو ہزار برس پہلے اس قوم نے وہان سے ہجرت کرنا شروع کی اور رفتہ رفتہ ایران کے کل حصون مین پھیل گئی۔

آریون کے بعض قبیلے مشرق کی جانب روانہ ہوے۔ اور غالباً افغانستان مین پہونچ کر اُن کے دو حصے ہو گئے۔ ایک کوہ ہندوکش کو پار کرکے پنجاب مین آبسا اور دوسرا باختر پہونچا جہان کیانی سلطنت کی بنیاد پڑی اور وہین علم و تمدن کا پہلا مرکز قائم ہوا۔

دیگر قبائل بلوچستان۔ مرو اور بلخ کے اطراف مین منتشر ہو گئے بعضون نے ایشیاے کوچک کا رخ کیا۔ اور بعض مغربی و شمالی ایران یا میدیہ (مید) مین جاکر آباد ہوئے۔ اور آیندہ چل کر ایک سلطنت کے بانی ہوے۔ جس کی مغربی سرحد ملک اِلَم سے ملحق تھی۔ اور اسی لیے آخر الذکر کے تمدن کا اُن پر بہت زیادہ اثر پڑا۔ آریہ نسل کا ایک حصہ صوبۂ فارس مین بھی جابسا۔ جس سے آیندہ خاندان

ہخامنشی کا آغاز ہوا۔ ہجرت اور نو آبادیان قائم کرنے کا یہ تمام زمانہ جس کا اندازہ اور تاریخ معلوم کرنا ناممکن ہے اغلب یہ ہے کہ کئی صدیون تک جاری رہا ہو گا۔

تقسیم و فرقہ بندی شروع زمانے مین سب آریہ چرواہے تھے۔ ان کے مختلف قبیلے تھے۔ ہر قبیلے مین ایک مکھیا یا سردار ہوتا تھا جس سے اہل خاندان وابستہ تھے۔ اور وہی اُن کی حفاظت اور باہمی نزاع وغیرہ کے تصفیہ کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ کورش کے زمانے کی یہی طرز معاشرت تھی بلکہ آجکل بھی ایران کی بختیاری قوم اسی اصول پر کاربند ہے۔ شاہنامے مین منقول ہے کہ سب سے پہلا شخص جس نے ایران مین فرقہ بندی کی وہ جمشید تھا۔ اُس نے چار تقسیمین کین یعنی پروہت۔ سپاہی ع۵۔ کسان۔ اور اہل حرفہ۔ مگر کتاب بندھشن (؟) مین لکھا ہے کہ یہ اصلاح زرتشت کے زمانے مین ہوئی۔ زرتشت کے تین لڑکے تھے۔ پہلا رئیس روحانیان ہوا۔ دوسرا جہان پہلوان اور تیسرا سردار دہقان۔ زمانۂ مابعد مین جب غیر آریہ اقوام یعنی تورانیون سے زیادہ سابقہ پڑنے لگا تو مفتوحہ قوم کا ایک نیا طبقہ قائم ہوا اور اُن مین سے جنھون نے زرتشتی مذہب کو نہین قبول کیا اُنھین دیوسن یا دیو پرست کہنے لگے۔ اور اُنھین حد درجہ ذلیل اور قابل نفرت سمجھتے۔ ساسانیون نے بھی مذکورۂ بالا تقسیم کو قائم رکھا اور اس کے علاوہ اپنی

ع۵ اس فرقے مین رتھشتاران (رتھا + استا = ایستادہ در گردونہ) بھی شامل تھے۔ یہ لقب اُنھین اس لیے دیا گیا کہ ایران مین سرداران باوقار پاپیادہ جنگ کرنا عار سمجھتے تھے۔ اشکانیون اور ساسانیون کے زمانے مین انھین پہلوان (یعنی دارندہ یا محافظ شہر) کہنے لگے۔ یہ فرقہ اپنی جسارت۔ شجاعت۔ قابلیت۔ اور خوش اخلاقی کے لحاظ سے محبوب عام تھا۔ زمانہ صلح مین۔ ان کا مشغلہ زمینداری نیزہ بازی اور سیر و شکار تھا۔ مگر لشکرکشی یا دشمن کے حملے کے وقت یہ اپنے قبیلون کے ساتھ فوراً میدان جنگ مین پہونچتے اور شہنشاہ کے شریک حال ہوتے۔ شاہان کیانی بھی اسی فرقے سے تھے۔ لیکن لفظ کوئی (یعنی عالم روحانی) اُن کے نام کے ساتھ ملحق ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگجو ہونے کے علاوہ روحانی سرداری کا بھی دعوی رکھتے تھے۔

(ایران نامہ)

قوم مین ایک پانچوان طبقہ قائم کیا جسے کاتب کہتے تھے۔ اس کا کام قوانین کتابت اور احکام شاہی کو منضبط کرنا تھا۔ شاعر، حکیم اور نجومی بھی اسی طبقے مین شامل تھے۔ ایران مین بہ خلاف ہندوستان ذات پات کا کبھی سختی کے ساتھ لحاظ نہین کیا گیا۔ ہر شخص بڑے عہدے پر پہونچ سکتا تھا۔ اور ہر پیشہ ور اگر کوئی خاص قابلیت رکھتا ہو تو بادشاہ کی منظوری کے بعد اُسے دوسرے طبقہ مین شامل ہونے کی اجازت مل جاتی تھی۔ یعنی عسکری یا دہقان کے لیے ہیربد ہونا ممکن تھا۔ فرزند دستور اگر چاہتا تو کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکتا تھا۔

طریقۂ بود و باش عوام

اوائل زمانہ مین آریہ خانہ بدوش بختیاریون کی طرح پہاڑون اور بلند مقامون پر جانورون کی کھال یا بالون کے خیمون مین رہتے تھے۔ گرم موسم سرما کے آتے ہی وہ اپنے گلون سمیت گرم میدانون مین اُتر آتے اور اپنا کل سازوسامان گھوڑون اور اونٹون پر لادے ہوے جگہ جگہ پھرتے رہتے۔ بعد ازان جس حد تک شائستگی اور مدنیت آتی گئی مکانات بنائے گئے۔ بستیان اور شہر قائم ہوے۔ اور صنعت و حرفت کو ترقی ہوئی۔ محلات شاہی کے علاوہ جن کے آثار موجود ہین صحیح طور پر علم نہین ہے کہ عوام کس طرح رہتے سہتے تھے مگر گمان غالب یہ ہے کہ زیادہ تر دیہاتی زندگی تھی اکثر لوگ زراعت پیشہ تھے۔ اہل خاندان[عہ]

عہ دستر یا خشویت۔ یا دہقانان۔ قدیم ایران مین شبانی اور کاشتکاری شریف ترین پیشے تھے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو دین زرتشتی کی بنیاد زراعت و آبادی پر ہے یعنی کسی بنجر اور بے زمین کو اپنی سعی و کوشش سے زرخیز و بار آور بنانا اہرمن کو شکست دینا اور سب سے بڑا ثواب سمجھا جاتا تھا۔ وندیداد مین ایک جگہ مذکور ہے:۔ جب زمین کشت و جو سے سبز ہوتی ہے اہرمن چلاتا ہوا باہر آتا ہے۔

جب جو خرمن سے جدا ہوتا ہے	اہرمن رو تا ہے۔
جب جو چکی مین پستا ہے	اہرمن آہ کے نعرہ بلند کرتا ہے۔
جب آٹا بن کر تیار ہو جاتا ہے	اہرمن مارے غصہ کے بیہوش ہو جاتا ہے

اس سے ظاہر ہے کہ پیشۂ زراعت نہ صرف مفاد زندگی بلکہ نجات آخری کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اور لوگ اسکے مشاغل مین بہت بڑے دلی انہماک اور مذہبی جوش کا اظہار کرتے تھے۔ ہر طرح کی زمینین گوارا کیجاتی تھین زمین خشک اور بے آب نہرون سے سرسبز و شاداب کیجاتی تھی۔ خاردار بے ثمر اور مضر رسان پودے کھود کر پھینک دیے جاتے تھے۔ سایہ فگن اور میوہ دار درختون کی قدر کیجاتی۔ اور موجودہ بیابان اُس زمانے مین چمن و بوستان کی طرح سرسبز و لالہ زار تھے نقل ہے (اور فردوسی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے) کہ زرتشت نے مقام کاشمر مین ایک سرو کا درخت

(بقیہ صفحہ ۱۳۲ پر)

ایک ہی مکان مین رہتے سہتے تھے جس کے باہر مویشیون کے لیے ایک علیحدہ جگہ ہوتی تھی۔ اور کتے اور مرغ بھی اس مین ضرور رہتے تھے کیونکہ وہ متبرک سمجھے جاتے تھے۔ لوگون کی طرز معاشرت مین مذہب کا رنگ بہت زیادہ چڑھا تھا۔ اوستا کے بیشمار قوانین و احکام مین روزمرہ کی زندگی تمام تر جکڑی ہوئی تھی۔ ہر مکان مین ایک آتش گاہ

لگا ہوا تھا۔ جو المتوکل عباسی کے عہد تک موجود تھا۔ جب اُس نے اسے قطع کرنے کا حکم دیا تو ہر طرف سے زرتشتی آئے اور زر و جواہر نذر کرنے لگے مگر حاکم خلیفہ کے حکم سے مجبور تھا۔ اس نے درخت کٹوا دیا۔ اسی طرح خشایارشا جب فوج کشی کی غرض سے یونان کی جانب روانہ ہوا تو اثناے راہ مین اُسے ایک بہت بڑا سایہ دار درخت نظر آیا جسے دیکھکر وہ اس قدر خوش ہوا کہ اسکے تنے پر سونے کا پتر لگا دیا اور اُسکی حفاظت کے لیے اپنے ایک سردار کو وہین چھوڑ دیا۔ (ایران نامہ)

عہ کتا جو آجکل ایران مین اس قدر نجس سمجھا جاتا ہے کسی زمانے مین حد درجہ عزیز تھا۔ وہ چرواہے کا خاص حامی و مددگار تھا۔ بلکہ بلا اس کے ریوڑ کی زندگی محال تھی۔ کسی شخص کی ہمت نہ تھی کہ اُسے مارے یا ایذا پہونچاے یا اُسے کوئی اتنی گرم غذا دے کہ اُسکی زبان جل جاے۔ اُسکی امداد و پرورش ہر شخص پر لازم تھی۔ اُسکی عزت و حرمت فرض تھی۔ شہنشاہ اور امرا اُسے عین ثواب سمجھکر کثرت پالتے تھے۔ مشہور ہے کہ ہخامنش کے زمانے مین ایک ایرانی حاکم بابل نے اس کثرت سے کتے جمع کیے کہ صرف اُن کی خوراک کے خرچ کے لیے کئی موضعون کی مالگزاری صرف ہوتی تھی۔ مذہبی کتابین اس جانور کی تعریف سے بھری ہوئی ہین۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ سگ ہے چون شخص روحانی است در زمانے مرد جنگی دگا ہے زراع و غلام و طفل و حیوان درندہ باشد۔ قناعت او چون شخص روحانی است۔ حفاظت گلہ چون مرد جنگی۔ و جفاکشی ہمچو کاشتکار و اطاعت و انکسار و تملق مانند غلام و بازی چون کودک و در حملہ و دندان گرفتن حیوان درندہ می شود۔

(ایران نامہ)

عہ۱۵ عہ یہ وارش یعنی دوربین لقب دیتے ہین کیونکہ وہ لوگون کو ہنگام سحر مطلع کرتا ہے۔ اُسے سروشادریزا یعنی نقیب ایزدی بھی کہتے ہین کیونکہ وہ مقدس آگ روشن کرنے کے لیے آگاہ کرتا ہے۔ اور صبح خیزی کی مستحسن عادت کی ترغیب دیتا ہے۔ مگر جو مرغ صداے بے ہنگام دے اُسے منحوس سمجھکر مار ڈالتے ہین۔

(ایران نامہ)

ضرور تھی جس کی حفاظت مالکہ کے سپرد تھی۔ وہ سونے سے پہلے اُسے راکھ مین دبا دیتی۔ اور صبح ہوتے ہی مالک یا بزرگ خاندان کا فرض تھا کہ خوشبودار لکڑیاں ڈال کر اُسے مشتعل کرے پھر سب لوگ اس کے گرد بیٹھ کر ہرمزد کی پرستش کرتے۔ اس کے فرشتون سے دعائین مانگتے خصوصاً خوشحال اور دھن دولت بخشنے والے سپرااورآشی کے بھجن گاتے۔ اس کے بعد اپنے روزمرہ کے کامون کو شروع کرتے اور کھیتی باڑی یا لکڑیان کاٹنے مین مشغول ہو جاتے۔ جنگ کے زمانے مین یہی لوگ ملک پر فدا ہونے کے لیے کمربستہ ہوتے۔

ہر گھر مین حسب استطاعت نوکر چاکر بھی تھے۔ جو عموماً غیر زرتشتی ہوتے تھے۔ گیلان اور مازندران کے باشندے جنھین اوستا مین بہت بُرا کہا گیا ہے عموماً غلام بنا کر رکھے جاتے۔

طرز معاشرت طبقہ اعلیٰ جون جون تمدن بڑھتا گیا زندگی کی سادگی غائب ہونے لگی۔ زمیندار۔ جاگیردار۔ امرا۔ مرزبان (صوبہ دار) وغیرہ عیش وعشرت کے ساتھ رہنے لگے۔ شاہنامے مین لکھا ہے کہ کیانی امرا کے بڑے بڑے محل تھے۔ اور وہ بڑی شان کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے۔ میدیہ کا تمول اور عیش وعشرت دنیا مین مشہور تھا۔ فارس نے اُس کی اتباع کی امراے ہخامنش نے میدیون ہی کے تمام عادات واطوار سیکھے۔ بڑی عیش کے ساتھ شاندار محلون مین رہتے تھے بکثرت غلام اور خواجہ سرا اُن کی خدمت کے لیے موجود تھے۔ یونانی مؤرخون نے لیدیہ کے ستربپ (والی) کے جو حالات لکھے ہین اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے بعد وہ بڑی شان کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ امرا بڑے خدم وحشم کے ساتھ باہر نکلتے۔ سڑکون پر پاپیادہ چلنا اپنی ذلت سمجھتے۔ ادنیٰ درجے کے لوگ اُن کے سامنے آتے تو بہت جھک کر آداب بجا لاتے۔ اُن سے بڑے طبقے کے لوگ رخسار پر بوسہ دیتے اور ہم رتبہ بغل گیر ہوتے۔ شرفا عموماً اپنے ہاتھ مین ایک خوشنما پھول لیے ہوے نکلتے اور کوئی دوست آشنا مل جاتا تو اُسے پیش کرتے تھے۔ داہنے ہاتھ پر کسی کو بٹھانا باعث عزت افزائی سمجھا جاتا۔ داہنا ہاتھ دینا قول وقرار کی نشانی تھا۔ اور غنیم کے قاصد کا ہاتھ اُٹھائے ہوے آنا صلح جوئی کی علامت تھی۔ امرا جب جنگ وجدل پر جاتے تو بادشاہ کی طرح اپنے حرم کو بھی ساتھ لیجاتے تھے۔

طبقۂ اناث

اوستا مین عورت کی تعریف کی گئی ہے۔ اُسے ذلیل نہین سمجھا گیا ہے۔ مگر عہد ساسانی مین جو مذہبی کتابین مرتب ہوئین اُن مین اس کی برائی لکھی ہے۔ وہ ناقص العقل ہے۔ اس کی گواہی قابل اعتبار نہین۔ اور نہ اُس مین رازداری کی صلاحیت ہے۔ بہ خلاف اِس کے کیانیون کے زمانے مین عورت کی زیادہ عزت تھی اور پردہ کا رواج عام نہ تھا۔ اس کے حقوق محفوظ تھے۔ وہ جائداد پر قابض ہوسکتی تھی۔ گواہی دے سکتی تھی۔ شوہر کے خلاف چارہ جوئی کرسکتی تھی۔ مذہبی رسوم مین بھی شامل ہونے کی اجازت تھی حتی کہ بعض موقعون پر پروہت کی قائم مقام بھی ہوسکتی تھی۔ روزمرہ کی زندگی مین وہ اپنے شوہر کی کھیتی باڑی مین مدد دیتی تھی۔ دودھ دوہتی۔ کھانا پکاتی مویشیون کی خبرگیری اور اولاد کی پرورش کرتی۔ اور گھر کا سارا انتظام بذات خود انجام دیتی مگر بعض اوقات اسے دور رکھا جاتا۔ مثلاً ایام حیض مین اُسے قریب آنے کی اجازت نہ تھی۔ع اس زمانے مین کھانا بھی اُسے دور سے دے دیا جاتا۔ اور اس کی نگاہ تک منحوس سمجھی جاتی۔

ہخامنشی زمانے مین عورتون کی پابندیان بڑھ گئین غریبون مین تو ایک حد تک آزادی تھی مگر اعلیٰ طبقہ کی خواتین بڑی سختی کے ساتھ پردے مین رکھی جاتین۔ پردہ دار پالکیون مین باہر نکلتین اور غیر مردون سے ملنے جلنے نہ پاتی تھین۔

عہد ساسانی مین گو پروہت اب بھی ان کے خلاف تھے مگر یہ سختیان کم ہوگئین۔ پردہ زیادہ نہ رہا۔ عورتین مردانہ کھیلون مثلاً چوگان وغیرہ مین حصہ لینے لگین۔ شیرین کی مثال مشہور ہے۔ اب عورتین صاحب جائداد اور بزرگ خاندان بن سکتی تھین۔ اور مرد کی عدم موجودگی مین سلطنت کی مالک بھی ہوسکتی تھین۔ چنانچہ خسرو پرویز کی دو لڑکیان یکے بعد دیگرے تخت

ع زمانۂ حیض۔ چار مہینے اور دس دن ایام حمل سے اور انتی روز بعد وضع حمل۔ ان تینون زمانون مین مرد عورت کے نزدیک نہ جاتا۔ اگر اس کے خلاف کرتا تو موجب قانون مستوجب سزا سمجھا جاتا۔ (ایران نامہ)

ایران پر جلوہ گر ہوئین۔

شادی بیاہ شادی کے لیے مذہب مین بڑا سخت حکم[عہ۵] تھا۔ مجرد رہنا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ کثرت ازدواج کی اجازت تھی۔ بیوہ کا نکاح ثانی جائز تھا۔ غیر خاندان مین شادی کرنا زیادہ قابل اعتراض نہ تھا۔ مگر دیو پرستون سے تعلق پیدا کرنا سخت مذموم سمجھا جاتا۔ شادی عموماً سن بلوغ کے بعد ہوتی۔ والدین اُسے طے کرتے۔ مگر طرفین کی رضامندی[عہ۵] بھی بعض اوقات حاصل کر لیتے۔ ہخامنشی زمانے مین کثرت ازدواج کا عام رواج تھا۔ علاوہ بیبیون داشتہ عورتین بھی بہت سی تھین شادی کی رسم بڑی دھوم دھام سے ادا کی جاتی تھی۔

عہ۵ اوستا مین لکھا ہے "بدترین عمل آن است کہ یک مرد زن دوشیزہ را از گرفتن شوہر بالغ بشود وا ورا بے شوہر بگذارد۔" دریاشت پانزدہم مین عورتین اور لڑکیاں اناہیتا (ناہید) اور وایو (باد) سے اس طرح دعا مانگتی ہین "عطا فرمائید با یک شوہر جوان۔ بسیار خوش شکل کہ ما را پرورش بکند و فرزندان از او پیدا آریم۔ یک شوہر فرزانہ دانا و فصیح" نکاح کا خطبہ حسب ذیل تھا:- "بہر دو (شما) داماد و عروس (من کہ) میدانم۔ بیاموزید و بدانید بواسطۂ دین واین ہا (پدر و مادر) یک زندگی پاک منش بپاکی شما ہر دو می توانید حاصل کنید محبت یکدیگر را۔۔۔۔۔۔" فصل بہار زمانۂ عروسی تھا۔ نکاح و زفاف مین کچھ مدت ہوتی تھی۔ جب دولھن اپنے شوہر کے گھر مین آتی تو اُسے نمانی تپنی یعنی خانہ بانو کہتے اور شوہر کو نمانو پاستی یعنی خانہ خداوند۔ بہ خلاف آریائے ہند ایران کے آریہ اپنے قریبی عزیزون مین شادی کرنا زیادہ اچھا سمجھتے تھے جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس زمانے مین ایران مین بہ نسبت ہندوستان (پنجاب) کے ان کی جماعتین زیادہ پراگندہ تھین۔ عورتون کی قلت تھی اور مفتوعہ یا غیر اقوام کو ذلیل سمجھ کر ان کے ساتھ ملنے جلنے سے اجتناب کرتے تھے۔ (ایران نامہ)

عہ۵ آریائے ہند کی طرح قدیم ایران مین بھی بادشاہ کی لڑکی جب جوان ہوتی تو کل خواہشمند شہزادے ایک جائے معینہ پر جمع ہو کر تیر اندازی۔ شہسواری اور نیزہ بازی کے ہنر دکھاتے۔ جو سب پر سبقت لے جاتا اُسی کو شہزادی منتخب کرتی۔ رام اور سیتا ارجن اور دروپدی کے واقعات ہندوستان مین مشہور ہین۔ ایران مین بھی کتایون نے گشتاسپ کو اسی طرح منتخب کیا تھا۔

(ایران نامہ)

ارین (یونانی مورخ) لکھتا ہے کہ قدیم ایرانیون مین شادی کے دن دولھا کو بھوکا رکھا جاتا۔ اور دولھن کے پاس جانے سے کچھ دیر پہلے چند پھل اور اونٹ کی ہڈی کا گودا کھلایا جاتا۔ جب سب مہمان دعوت اور جشن کے بعد رخصت ہوجاتے تو دولھن بن سنور کر خلوت کدہ مین داخل ہوتی اور دولھا اپنی جگہ سے اُٹھکر استقبال کو آگے بڑھتا۔ اُسے خوش آمدید کہتا اور اپنا داہنا ہاتھ بوسے کے لیے بڑھاتا تھا۔

عہد ساسانی مین بھی کثرت ازدواج کا عام رواج تھا۔ مگر غربا مین اس کی زیادتی نہ تھی۔ غیر مذہب والون مین شادی کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ ہخامنش کی طرح بہنون سے بھی نکاح ہوسکتا تھا۔ شادی کے وقت تمام مذہبی رسوم ادا کیے جاتے عہدنامے پر لڑکی کے باپ اور لڑکے کے نمایندے کے باضابطہ دستخط ہوتے۔ اور لڑکی والون کو لڑکے کے والدین سے حسب مقدرت روپیہ ملتا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے قاعدے اور قانون تھے۔ کسی عورت کا شوہر اپنا مذہب بدل دیتا تو سال بھر انتظار کرنے کے بعد وہ دوسری شادی کرسکتی تھی۔ عورت اور مرد دونون طلاق لے سکتے تھے۔ عورت بانجھ ہے تو مرد دوسری شادی کرسکتا تھا۔ اس زمانے مین عموماً پانچ قسم کی شادیان ہوتی تھین۔

(۱) بادشاہ زن۔ وہ عورت جسے اُس کے والدین نے شادی مین دیا ہو۔

(۲) اوک زن۔ وہ لڑکی جو اپنے والدین کی اکلوتی ہے۔ جب اُس کا بیاہ ہوتا تو اُس کے والدین دولھا سے یہ وعدہ لے لیتے کہ اُس کے پہلے بچے کو اُنھین اپنے پاس رکھنے کا حق ہوگا۔

(۳) سترزن۔ پندرہ برس سے زیادہ عمر کا مرد بن بیاہا مرجاتا تو اُسکے عزیز ایک لڑکی کو جہیز دے کر کسی شخص سے بیاہ دیتے جس کے عوض مین وہ عورت مرنیکے بعد دوسری دنیا مین متوفی شخص کی بیوی سمجھی جاتی۔ اور زمانۂ حیات مین اُسکی جس قدر اولاد ہوتی اس مین سے نصف متوفی شخص کی اور نصف اپنے دنیوی شوہر کی قرار دی جاتی۔

انگلستان کی عورتین

(بقیہ صفحہ ۱۲۸)

(از مولانا شرر مرحوم و مغفور)

اخبارون کی دنیا مین عورتون کے آجانے سے بہت سے وہ خاص سبجکٹ چھڑ گئے ہین جن کو صرف عورتون سے تعلق ہے۔ جن مین سب سے زیادہ اہم چیز فیشن اور لباس کی قطع و برید ہے اس قسم کی باتون مین کسی جگہ کے مردون کو لطف نہین آتا۔ مگر انگلستان اور دیگر ممالک مین عورتین ترقی کر کے اس درجہ پر پہونچ گئی ہین کہ قطع نظر ان اخبارون اور رسالون کے جو خود عورتون کے ہاتھ مین ہین وہ رسالہ اور اخبار بھی جن کی ایڈیٹری کی کرسی پر مرد بیٹھے ہوتے ہین اسی امر پر مجبور ہو گئے ہین کہ اپنے پرچون کے اشاعت مین ضرر پہونچ جانے کے خوف سے دو ایک صفحہ فیشن اور ان سبجکٹون کے نذر کر دین جن کو خاص عورتون کے مذاق سے تعلق ہے آپ کے یہان عورتون کا لباس بُرا ہو یا بھلا جیسا ہو ایک حالت پر ٹھہرا ہوا ہے بمشکل اس مین کسی قسم کی اصلاح کی بھی جائے تو اس کا اثر دو ہی تین گھرون تک محدود رہتا ہے۔ بخلاف اس کے وہان ان اخبارون کیوجہ سے اور نیز اس وجہ سے کہ معزز معزز لیڈیان شہر کی سیر کرنے اور باغون کی ہوا کھانے آتی ہین۔ عورتون کا لباس روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے۔ مین کہہ سکتا ہون کہ لنڈن کی ہر سڑک اور ہر باغ کو لباس کی تراش وخراش اور بانکپن کی حیثیت سے ایک نمائش کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ جہان ان چیزون کا مقابلہ اور اس کے ساتھ ایک دوسرے سے اخذ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

علمی ترقی سے وہان کی عورتون کے حوصلہ ایسے بڑھ گئے ہین کہ وہ اب ان تمام کرسیون تک پہونچنا چاہتی ہین جو اس وقت تک صرف مردون ہی کے لیے مخصوص ہین۔ وہ پارلیمنٹ کی ممبر ہونا چاہتی ہین۔ وہ یونیورسٹیون اور دارالعلومون کے انتظام مین شرکت کی دعوے دار ہین۔ اور قریب زمانہ آگیا ہے کہ وہ کسی بڑے پادری اور بشپ کی خدمت کی بھی آرزومند ہو جائین۔ اور چونکہ اس وقت تک ان تمام مقامات سے مردون کو ڈھکیل رہی ہین۔ لہذا یہ خیال عام طور پر عورتون مین پھیلتا جاتا ہے کہ مرد ان کو ترقی سے روکتے ہین۔ اگرچہ اگلے قوانین مین بہت کچھ ترمیم ہو گئی اور وہ فرق بھی مٹ گیا جس کی وجہ سے مسلمان مسیحیت کو الزام دیتے تھے کہ اُن کے وہان باوجود اس آزادی

کہ عورت کے حقوق مرد سے کم رکھے گئے ہین یعنی شادی کے بعد عورت اپنی جائداد پر بھی قابض نہین رہتی تھی۔ اور قانوناً شوہر کا قبضہ ہو جاتا تھا۔ اب عورتین اپنی جائداد ون کی مالک ہین جو اپنے نام سے رہن نامہ اور بیعنامہ کر سکتی ہین مگر اس پر بھی عورتون کو اطمینان نہین ہوا۔ اور آج بھی اُن کی زبان پر یہ کلمہ جاری ہے کہ انگلستان کا قانون مردون کیطرف داری کرتا ہے۔ اور وہ یہ کہ گرجے کے قانون کے مطابق شادی کے بعد ایک حد تک عورت کو مرد کا تابع فرمان ہونا پڑتا ہے۔ طلاق کے مقدمات مین اگر مرد کی طرف سے درخواست ہو تو صرف عورت کا زنا ثابت کر دینے پر طلاق مِل جاتی ہے۔ اور سب سے زیادہ نمایان فرق یہ ہے کہ اگر عورت کی درخواست ہو تو ضرور ہے کہ مرد کے زنا کے ساتھ یہ بھی ثابت کرے کہ اُس نے اُس عورت پر ظلم بھی کیا۔ اور حقیقت مین یہ قانون کچھ فضول سا معلوم ہوتا ہے قطع نظر عورتون کو دو باتون کا بار ثبوت ڈالنے کے یہ بڑی لغویت ہے کہ اگر کسی شریف مرد یا عورت کو کسی اندرونی جھگڑے یا مصلحت سے طلاق کی ضرورت لاحق ہو جائے تو قانون کا دروازہ اُن پر بند ہے اور وہ مجبور ہین۔ کہ اپنی کسی جائز غرض حاصل کرنیکے لیے زنا کے بہت بڑے گناہ کے مرتکب ہون۔ یہ قانون انصاف یہ ہے کہ ایک حد تک زناکاری کی جرأت دلاتا ہے۔ الغرض یہی باتین ہین جنکی وجہ سے عورتین موجودہ قانون سے روز بروز زیادہ ناراض ہوتی جاتی ہین۔

شاید گزشتہ سال ہی کا واقعہ ہے کہ ایک شریف لڑکی نے جو نہایت تعلیم یافتہ اور عورتون کی ایک معزز سوسائٹی کی سکریٹری بھی تھی۔ انھین مندرجۂ بالا وجوہ پر نکاح کرنے سے قطعاً انکار کر دیا اور صاف کہدیا کہ جب تک موجودہ قانون مین ترمیم نہ ہو گی مین شادی نہ کرون گی۔ ماں باپ نے مجبور کرنا چاہا اور جب اُن کی کسی طرح نہ چلی تو اُنھون نے ایک ڈاکٹر کی مدد سے لڑکی کو مجنون بنا کے پاگل خانہ مین پہونچا دیا۔ لیکن جب اُس سوسائٹی کو یہ خبر پہونچی تو دوسری ممبر عورتون نے مقدمہ عدالت تک پہونچایا۔ وہ لڑکی ایک قومی مجاہد کی شان سے پاگل خانہ سے باہر نکلی اور مقدمہ نے بہت طول کھینچا اگرچہ ماں باپ نیک نیتی کے بنا پر بری کر دیے گئے۔ مگر ڈاکٹر پر بہت الزام آیا۔

اسی ایک لڑکی پہ موقوف نہین آزادانہ تعلیم نے وہان ایسی ہی صدہا اور ہزار ہا لڑکیان پیدا کر دی ہین۔ جو نہایت ہی استقلال اور جرأت کے ساتھ اپنے حقوق کے لیے لڑ رہی ہین۔ جن کی مذکورہ بالا اولوالعزمیون کو شاید آپ اپنے خیال مین نہ پسند کرتے ہون گے۔ لیکن مین کہتا ہون کہ انھین کے مبارک ہاتھون سے بعض ایسے اہم کام اجرا پا گئے ہین جن کی داد پر آپ کا کانشنس بھی داد دینے لگے گا۔ انھین کی سرگرمی سے وہان ایک ایسی سوسائٹی قائم ہو گئی ہے جو ان ماں باپ سے سخت بازپرس کرتی ہے جو اپنے بچون پر ظلم کرین۔ ایسی سوسائٹی کی شاید آپ کے یہان ضرورت نہ ہو گی۔ مگر وہان اس کی سخت ضرورت ہے اس لیے کہ اس سرزمین مین لوگون کی اور خاصۃً غریبون کی اولاد بہت کثرت سے ہوتی ہے تو دس بچہ اولاد کی اوسط تعداد ہے۔ اور چونکہ ذریعہ معاش تنگ اور زندگی بسر کرنا بہت گران ہو گیا ہے اس لیے اکثر ماں باپ اپنے بچون پر ظلم کر بیٹھتے ہین۔ ایسے واقعات وہان روز پیش آتے رہتے ہین۔ اولاد کی طرف سے وہان بے پروا ہونے کے چند اور وجوہ بھی ہین جن کا حال آپ کو آگے چل کر میرے بیان سے معلوم ہو گا۔ بہرتقدیر یہ سوسائٹی اپنے جاسوسون اور خبر رسانون کے ذریعہ سے ایسے واقعات کا پتہ لگاتی رہتی ہے۔ اور جہان کوئی واقعہ ہاتھ لگ گیا فوراً مقدمہ عدالت مین بھیجدیا جاتا ہے۔ اور سوسائٹی کی طرف سے وکیل یا بیرسٹر حاضر عدالت ہو کے پیروی کرتا ہے۔ تمام تعلیم یافتہ اور لائق عورتون کو اس سوسائٹی سے پوری ہمدردی ہے۔ اور اپنے پاس پڑوس مین جہان کسی کو اپنے بچون پر جور و تشدد کرتے دیکھتی ہین فوراً اس سوسائٹی کے سکرٹری کو لکھ بھیجتی ہین اور ساتھ ہی تحقیقات شروع ہو جاتی ہے۔

انھین بچون اور خاصۃً لڑکیون کے لیے اور بھی بہت سے ایسے انتظام کر دیے گئے ہین کہ ملک کی عورتین روز افزون ترقی کرتی جاتی ہین۔ ڈنڈر کیسل کا نام آپ مین سے اکثر حضرات نے سُنا ہو گا۔ جہان ملکۂ معظمہ اکثر اوقات تشریف رکھا کرتی ہین۔ یہ عالیشان قصر ایک متوسط درجہ کے قصبہ مین واقع ہے جس کی آبادی ۲۵ ہزار کے قریب ہے اور یہ قصبہ ڈنڈرز کے نام سے مشہور ہے۔ اس مین ایک سوسائٹی خاص لڑکیون کی خبرگیری کے لیے قائم ہے۔ جن کے ماں باپ غریب ہین۔ اور اولاد

کی خبر گیری نہین کر سکتے ہین۔ اسی لڑکیون کو یہ سوسائٹی اپنی زیر نگرانی ایک مکان مین رکھتی ہے۔ سن بلوغ اور خود اپنی خبر گیری کر سکنے کی عمر تک تعلیم دلاتی ہے کھانا کپڑا دیتی ہے۔ ضروریات زمانہ کی تعلیم دلاتی ہے۔ اور جب وہان سے نکلنے کے قابل ہو جائین تو ایسے کامون سے لگا دینے کی کوشش کرتی ہے۔ جن سے وہ بسر اوقات کر سکین۔ گذشتہ ماہ اس سوسائٹی کے سالانہ جلسہ مین وہ خادمہ بھی گئی تھی جو خود میرا کام کرتی تھی۔ اس کی تین بہنین اس سوسائٹی کے زیر حمایت پرورش پا رہی تھین اور اسی کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ بارہ سو لڑکیون کے قریب اسوقت اس سوسائٹی کے زیر نگرانی تھین۔ یہ کام بھی اُنھین لائق اور تربیت یافتہ خاتونان انگلینڈ کا ہے۔ جن کی برائی یا بھلائی ہنوز آپ کے یہان زیر بحث ہے۔

اس موقع پر مجھے یہ بھی بیان کر دینا چاہیے کہ یہان لڑکے ہون یا لڑکیان دونون کی تعلیم مین زیادہ تر کوشش اس بات کی کیجاتی ہے کہ وہ بورڈنگ ہوس مین بھیجدیے جائین بات یہ ہے کہ آپ کے یہان بچون کی پرورش و تعلیم مین ماں باپ ایک حد تک یہ امید رکھتے ہین کہ یہ بچے بڑھاپے مین ہماری خدمت کرین گے اور اُس وقت جبکہ ہمارے دست و پا کام دینے سے رہ جائین گے ہمارے کام آئین گے۔ وہان برخلاف اس کے ماں باپ کا خیال کبھی اس طرف جاتا ہی نہین۔ وہ صرف مجبوری کے ساتھ نیچر یا قانون قدرت کا حق ادا کرتے ہین اور جب تک بچے سن بلوغ یا تمیز کو پہونچین اُن کی نگرانی کرتے رہتے ہین۔ عورت اور مرد دونون کو چونکہ اپنے نفسانی اور ذاتی حظوظ کا زیادہ خیال رہتا ہے۔ لہذا بچون کی پرورش مین بھی اسی حد تک تندہی کیجاتی جہان تک کہ اپنی آسائش مین خلل نہ پڑے۔ بچون کی پرورش مین چونکہ کوئی ذاتی غرض اور امید نہین ہوتی لہذا ماں باپ کو اور علی الخصوص ماؤن کو اُن کے ساتھ ویسی بے صبری کی محبت بھی نہین ہوتی جیسی کہ ہندوستان کی ماؤن کو اپنے کلیجہ کے ٹکڑے کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ اکثر ماں باپ جن کی آمدنی کم ہے۔ یا جو بعسرت بسر اوقات کرتے ہین۔ اولاد کیطرف سے بے پروا ہو جاتے ہین۔ بلکہ بعض سیہ دل تو اس فکر مین ہو جاتے ہین کہ کسی طرح قانون کی حدت بچکے معصوم بچون سے اپنا پیچھا چھڑا لین۔ وہان میان بی بی دونون کا یہ جی چاہتا ہے کہ گھر مین ہر وقت اکیلے

رہین۔ میان ہر گھڑی بی بی کے آغوش محبت مین اور بی بی عاشق میان کے گلے کا ہار رہین۔ جو عشق لیلیٰ کو مجنون کے ساتھ ہو گا وہ انگلستان مین قریب قریب ہر مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ اور بیوی کو اپنے میان کے ساتھ ہے۔ آپ سمجھ سکتے ہین کہ جہان ایسا عشق ہو اور جہان ہر وقت ایک دوسرے کے حُسن اور صحبت کے مزے اُڑانے کی فکر ہو۔ وہان غریب بچے کس قدر کانٹے کی طرح کھٹکتے ہون گے۔

بورڈنگ ہوس جو وہان خوب آباد ہین اور لڑکون اور لڑکیون سے خوب بھرے ہوئے ہین۔ اسکی وجہ ہمارے ہیان اکثر لوگ انگریزون کی علم پسندی سمجھے ہوئے ہین مین یہ نہین کہتا کہ ایسا نہین ہے۔ مگر زیادہ تر اس کی تائید اور تکمیل صرف اس خیال سے ہوتی ہے کہ ماؤن کو اُن بورڈنگ ہوسون سے اپنے عیش مین خلل ڈالنے والے بچون سے پیچھا چھڑانے کا عمدہ اور نہایت شائستہ موقع مل گیا ہے۔

تمام متوسط درجہ کے لوگ جو سالانہ سو ڈیڑھ سو پونڈ خرچ کر سکتے ہین۔ اپنے بچون کو ان بورڈنگ ہاؤسون مین بھیجدیتے ہین جو سوا چھٹی کے اوقات کے ہمیشہ گھر اور ماں باپ سے جدا ایک دوسری دنیا مین رہا کرتے ہین۔

اس موقع پہ مجھے یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ عورتون مین کس قسم کی ورزشون کا زیادہ رواج ہے۔ اصل مین لڑکیون کے لیے وہان صرف ٹہلنا اور تین چار میل چل لینا کافی سمجھا جاتا تھا یا ٹینس کھیل لیا کرتی تھین۔ اور بعض امیرزادیان گھوڑے کی سواری کرتی تھین۔ مگر اب عورتین روز بروز نمایت کرتی جاتی ہین کہ ہر قسم کی ورزش اُن کے لیے مفید اور ضروری ہے۔ وہ کرکٹ اور فٹ بال کھیلتی ہین کشتیان چلاتی ہین۔ لڑکون کی طرح ڈرل اور قواعد کرتی ہین۔ نشانہ اندازی کی مشق کرتی ہین شکار کو جاتی ہین۔ اور اب یہان تک نوبت پہونچ گئی ہے کہ باکسنگ یعنی کشتی اور فینسنگ یعنی تیغ زنی مین بھی مہارت حاصل کرنے لگی ہین۔ اُن کو دعویٰ ہے کہ تیار داری نرس ہی نہین بلکہ ایک سربکف سپاہی کی حیثیت سے بھی وہ میدان جنگ مین جا سکتی ہین۔ ان ورزشون کا یہ اثر صاف ظاہر ہو گیا کہ عورتین بمقابلہ سابق کے قد و قامت مین بہت بڑھتی جاتی ہین۔ اور اگر ایک گھڑی بھر کے لیے بھی آپ لندن کی کسی سڑک پر کھڑے ہو جائین تو آپ کو صاف نظر آ جائے گا کہ وہان کی عورتین قد و قامت اور توانائی

مین ساری دنیا کی عورتون سے بڑھی ہوتی ہین۔ مین نے وہین ایک اخبار مین پڑھا تھا۔ کہ گذشتہ ۵۰ سال کے عرصہ مین عورتون کے قد کی اوسط درازی چار یا پانچ انچ بڑھ گئی ہے۔ بہت سی عورتین ایسی نظر آتی ہین جو یہان کے بڑے سے بڑے مردون سے بھی زیادہ بلند بالا اور قوی ہیکل ہین۔

بورڈنگ ہاؤس کے بعد جب اوسط درجہ کی تعلیم ہولیتی ہے تب مان باپ لڑکون کو اور اکثر لڑکیون کو خود اُنھین کے مذاق کے مطابق بہ حیثیت ایک اپرنٹیس یعنی کار آموز کے کسی کارخانہ مین یا کسی مشہور پیشہ والے کے پاس بھیجدیتے ہین۔ وہان بھی بورڈنگ ہوسون کیطرح سالانہ ایک رقم ادا کیجاتی ہے۔ جس کی تعداد سو پونڈ سے کم نہین ہونی۔ اور لڑکون کا کھانا اور اُن کے ضروریات کا انتظام اسی رقم سے کیا جاتا ہے۔ الغرض ایک معمولی تعلیم کے بعد کسی پیشہ سے لگادینا اور کمانے کے قابل بنادینا مان باپ کا فرض سمجھا جاتا ہے۔

لڑکون اور لڑکیون کی شادی کرنا وہان مان باپ کا فرض نہین ہے یہ خود اُن کا ذاتی کام ہے۔ لڑکے جب کچھ روپیہ کمانے لگتے ہین تو وہ برابر اپنے ذاتی مصارف سے کچھ رقم بچانا شروع کرتے ہین اور جب وہ رقم اُس مقدار اور تعداد کو پہونچ جاتی ہے کہ وہ ایک نیا گھر قائم کرسکین تب شادی کا ارادہ کرتے ہین اور لڑکیون کی طرف اسی غرض سے متوجہ ہوتے ہین کہ ان مین سے کسی کو اپنی زوجیت کے لیے چھانٹین۔ یہ تو لڑکون کا حال تھا۔ مگر لڑکیان تعلیم پانے کے بعد ہی اگر کسی جگہ نوکر ہوگئین یا کسی کام سے لگ گئین تب تو نہایت اطمینان اور فارغ البالی کے ساتھ اس امر کا اندازہ شروع کرتی ہین۔ کہ کس سے شادی کرین اور کون ایسا شخص ہے جو اُن کے ساتھ زندگی بھر اچھی طرح نباہ کرے گا۔ اس انتخاب مین اُن کو جلدی اور عجلت نہین ہوتی۔ سالہا سال گزرجاتے ہین اور وہ اسی طرح کنواری بیٹھی رہتی ہین۔ عورتون کے اس طبقہ مین جو نوکری پر بسر کرتا ہے یا جو اپنی معاش کا ذریعہ آپ پیدا کرلیتا ہے۔ مین نے ہزارہا ایسی عورتین دیکھین جن کی جوانی ختم ہوگئی اور چالیس پچاس برس کی عمر کو پہونچ گئین۔ مگر اسی طرح کنواری بیٹھی ہین۔ اور آج تک مس کے نام سے یاد کی جاتی ہین۔ اور آپ

کی بدگمانی کے خلاف مین نے اِن مین بہت کم عورتون کو خراب اور بے عصمت پایا۔ یہ بھی نہین جیسا کہ یہان مشہور ہے کہ اُن کو شوہر نہین ملتے۔ نہین ملتے ہین اور کثرت سے ملتے ہین مگر ایسے جن سے اُن کو نباہ کا اطمینان نہین ہوتا۔ اور اِن کے ساتھ شادی کرنے کے مقابلہ مین وہ زندگی بھر کنواری بیٹھا رہنا پسند کرتی ہین۔ یہ تو اُن لڑکیون کا حال تھا جو اپنے ذریعہ معاش کو پیدا کر لیتی ہین۔ رہین وہ لڑکیان جو خود کمانے کے قابل نہین ہین۔ ان مین درحقیقت نکاح کے متعلق زیادہ بے صبری ہے۔ وہ درس گاہون کے چھوڑتے ہی شوہر کی تلاش مین مشغول ہو جاتی ہین۔ اور اس مین ماں باپ سے بھی اِن کو کافی مدد ملتی ہے ان مین معشوقیت کی شان پیدا کرنے کے لیے والدین کو کپڑون اور آراستگی کے سامانون کا زیادہ اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ شوہر کی جستجو پہلے اسی محلہ اور قرب و جوار بلکہ عزیزون سے شروع ہوتی ہے اور جب اس حلقہ مین کامیابی نہین ہوتی تو تجسس کا دائرہ اور وسیع کر دیا جاتا ہے۔ اکثر دیہات مین رہنے والے ماں باپ اپنی لڑکیون کو لندن مین بھیج دیتے ہین جو وہان کے اصطلاح مین انتخاب شوہر کا سب سے بڑا میدان ہے۔ اور وہان کی سوسائٹی مین شریک ہونے اور باہمی دعوتون مین آنے جانے اور نوجوانون کے ساتھ ناچنے سے بہت جلد اچھے شوہر مل جاتے ہین یہی نہین بہار کے موسم مین جبکہ طرح طرح کی دلچسپی کی صحبتین جاری ہو جاتی ہین۔ اکثر جماعتین لطف دریا دیکھنے کے لیے ٹیمس مین کشتیون پر سیر کر کے لطف زندگی اُٹھاتی ہین۔ اور برائٹین یا سینٹ لیارڈ کے ایسے ساحلی مقامون مین جا کے سیر و تفریح مین مشغول ہو جاتی ہین۔ اس وقت خوش حال بلکہ متوسط الحال ماں باپ کا یہ فرض ہوتا ہے کہ اپنی لڑکیون کو بھی ان مقامات مین بھیجین تاکہ اُن کو ایک اچھے شوہر کے دستیاب کرنے کا عمدہ موقع ملے۔ اور مین کہتا ہون کہ انھین لڑکیون کی عصمت خطرے مین ہوتی ہے اگرچہ ان مین اپنے بچانے اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنے کی بخوبی لیاقت ہوتی ہے۔ لیکن کہین ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ بعض بد معاش دشمنان نوع انسانی اِن کو دولت و عشرت کا سبز باغ دکھا کے بے عزت و بے آبرو کر ڈالتے ہین۔ اور جہان کوئی لڑکی اس طرح خراب ہوئی۔ اور اس کی خرابی چار پانچ کے کان تک پہونچ گئی پھر وہ ایسی خراب ہوتی ہے کہ نہ دین کی رہتی ہے اور نہ دنیا کی۔ میرے خیال مین لڑکیون کو جیسی سخت سزا زنا کی وہان پہ ملتی

ہے ویسی دنیا کے کسی حصہ مین شاید نہ ملتی ہو گی پھر یہ نہ شرفا کی سوسائٹی مین شریک ہو سکتی ہے۔ نہ کوئی ملتا ہے۔ اور نہ کوئی اس سے نکاح کرتا ہے۔ ماں باپ نے اگر ترس کھا کے گھر مین رہنے دیا تو چند روز خاموش پڑی رہتی ہین ورنہ سوا اس کے کہ فاحشہ عورتون مین مل کے اپنی معاش کو سڑکون پر ڈھونڈھتی پھرین اور کسی طرح اپنا پیٹ نہین پال سکتی ہین میرے خیال مین انگلستان مین جس قدر افسوسناک حالت ان عورتون کی ہے۔ اور کسی کی نہین۔ ان کو نوکری بھی نہین ملتی۔ اور سوا بدکاری کے اور کوئی پیشہ اختیار نہین کر سکتی ہین۔ اسی امر پر اکثر ناول نویسون نے زور دیا ہے۔ اور ان غریب عورتون کی طرف پبلک کو نہایت سوز و گداز کے الفاظ مین متوجہ کیا ہے۔ اور چونکہ مردون کو زنا کی کوئی سزا سوسائٹی سے نہین ملتی۔ لہذا تعلیم یافتہ عورتین اس کو قانون سوسائٹی کا بہت بڑا ظلم خیال کرتی ہین۔ اور صاف کہتی ہین کہ مردون کے مقابلے مین عورتون پر بڑا ظلم ہوتا ہے۔ مین سچ کہتا ہون کہ ان عورتون کی حالت یہان کی بیوہ عورتون سے بھی زیادہ خراب اور ذلیل ہو رہی ہے۔

الغرض مندرجہ بالا طریقون سے وہان جب لڑکیان اپنے لیے شوہر منتخب کر پاتی ہین تو نکاح ہو جاتا ہے۔ نسبت ٹھہرانے کا یہ طریقہ آپ کے خیال مین کتنا ہی شرمناک اور مخدوش ہو۔ مگر انگلستان اس سے بہت بڑا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اور میرے خیال مین انگریزون کی ترقی کا پہلا ہی زینہ ہے۔ ان لڑکون اور لڑکیون کی تعداد بہت زیادہ ہے جو آپس مین شادی کا اقرار کر لیتے ہین۔ اور چونکہ جب تک نیا گھر آباد کرنے کے قابل روپیہ نہ فراہم کر لین شادی نہین کر سکتے۔ اقرار کے بعد بھی دونون روپیہ فراہم کرنے کی طرف نہایت گرمجوشی سے متوجہ ہو جاتے ہین۔ اور اس قدر متوجہ ہو جاتے ہین کہ ان کو دنیا کی کسی لذت مین بہت کم مزہ ملتا ہے۔ جس مکان مین مین رہتا تھا اُس کے پڑوس ہی مین ایک نوعمر لڑکا تھا۔ جس کی عمر بیس برس کی ہو گی۔ اُس سے اور ایک لڑکی سے نکاح کا اقرار ہو گیا تھا۔ یہ لڑکی فنڈزرین جو وہان سے تین میل کے فاصلے پر تھا رہتی تھی۔ اور ہر اتوار کو پا پیادہ اپنے آیندہ شوہر سے ملنے کے لیے آتی تھی۔ یہ لڑکا چارلس میرا بہت بڑا دوست تھا۔

قدیم تمدن ایران

(از جناب لطافت حسین صاحب)

بقیہ صفحہ ۱۳۶

(۴) جاکرزن۔ جس بیوہ کے کوئی اولاد نہ ہو اور وہ دوبارہ شادی کرے۔ تو اُسے اس نام سے پکارتے۔ دوسرے شوہر سے جتنے بچے ہوتے اُن مین سے نصف پہلے شوہر کے سمجھے جاتے اور جب وہ مرجاتی تو تمام رسوم مین اسے پہلے ہی شوہر کی بیوی کہا جاتا۔

(۵) خودسرزن۔ وہ عورت جو اپنے ماں باپ کی مرضی کے خلاف شادی[ع۵] کرے۔

ع۵ پروفیسر جیکسن زمانۂ حال کے پارسیون کی رسم شادی کے متعلق لکھتے ہین کہ ہندوستان اور ایران دونون مین شادی کی عمر ۲۵ سے ۳۰ برس تک مرد کے لیے اور ۱۴ سے ۱۹ سال تک عورت کے لیے موزون سمجھی جاتی ہے بعض اوقات چھوٹی عمر مین بھی خصوصًا ایران مین بیاہ دیتے ہین والدین کی رضامندی کے علاوہ بڑے پروہت کی اجازت بھی ضروری ہے ہندوستان مین قاعدہ ہے کہ نکاح کے وقت دولھا اور دولھن دونون سامنے بیٹھتے ہین اور جانبین کے گواہون کے اقرار کے بعد دو پروہت سامنے کھڑے ہوکر کچھ دعائین پڑھتے ہین جن کا کچھ حصہ ہندؤن سے لیا گیا ہے اور سنسکرت زبان مین ہوتا ہے۔ ایران مین دولھن دولھا کے سامنے نہین آتی۔ نکاح کے وقت عزیز و اقارب سب جمع ہوتے ہین۔ پھر ایک پروہت آتا ہے اسکے داہنے جانب دولھا بیٹھتا ہے اور دولھن کے نمایندے ہوتے ہین اور بائین جانب دولھا کا باپ اور دیگر اعزہ ہوتے ہین۔ دولھن کا نمایندہ دولھا کو شکر کی ایک ڈلی دیتا ہے جسے وہ قبول کرکے کھالیتا ہے پھر دیگر رسوم کے بعد پروہت نکاح کا خطبہ پڑھتا ہے جسے "انداز گواہ" کہتے ہین۔ بعد ازان طرفین کے لوگ ایک دوسرے کو شکر بانٹتے ہین اور رات کا کھانا کھاکر سب مہمان دولھن کو لیے ہوے جو سر سے پیر تک ریشمی لباس مین چھپی ہوتی ہے دولھا کے گھر پہونچکر رسم وداع ادا کرتے ہین۔

اولاد ایرانی کثرت اولاد کو نہایت درجہ موجب برکت[۱] سمجھتے تھے اور لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دیتے تھے۔ یہ خیال آج تک موجود ہے۔ فتح علیشاہ قاچار کے تین ہزار سے زیادہ بال بچے تھے۔ قدیم زمانے میں جس کی اولاد زیادہ ہوتی اُسے بادشاہ ہر سال انعام واکرام عطا کیا کرتا۔ جس کی اولاد نہ ہوتی اُسے بڑا بدنصیب تصور کیا جاتا۔ وہ کسی لڑکے کو لے کر متبنیٰ کرتا ورنہ اُسکی روح کو چنود کے پل پر سے گذرنے کی اجازت نہ ملتی اگر اتفاق سے وہ اس فرض کو ادا کیے بغیر مرجاتا تو اُس کا یہ دہستا اور عزیز اقارب کسی لڑکے کو اُس کے نام سے متبنیٰ کر لیتے اور اس طرح اُسے دوزخ کی آگ سے نجات دلاتے۔ بچوں کے لیے والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری بہت بڑا فرض کی گئی تھی۔ ان کی شادی بیاہ کا اُنھیں پورا اختیار تھا۔ اور اُن کی مرضی کے بغیر لڑکے کوئی کام نہ کرتے تھے۔

تعلیم و تربیت دو تین سال تک ماں خود اپنے بچے کو دودھ پلاتی اور عموماً پانچ سال کی عمر تک وہ گھر میں رہتا اسکے بعد ایک مرد اتالیق کے سپرد کر دیا جاتا۔ اوستا میں مذہبی تعلیم کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ گر ہنجا منش سپاہی اور جنگجو تھے۔ ان کے زمانے میں امرا کے لڑکوں[۲] کو زیادہ تر جنگی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور طرح طرح کی

---

[۱] اس زمانے کی ثروت کا انحصار کثرت اولاد و مویشیوں پر تھا وندیداد میں لکھا ہے "آتش دعا میکند کہ گلہ گاو و فرزندان برائے تو زیادہ بشوند" دوسری جگہ موبد مقدس آتش سے خطاب کرکے اس طرح دعا مانگتا ہے۔ "عطا فرما فرزندانیکہ جاے سکونت بیابند و نزدیک من باشند در مہنگام خطر حمایت نمایند قہرمانان بشوند وامور معیشت و کارخانہ مارا اصلاح و ترقی بدہند" (ایران نامہ)

[۲] افلاطون کہتا ہے کہ سات برس تک شہزادے کی تربیت خواجہ سرا کرتا سواری اور شکار کرنا سکھاتا۔ چودہ برس کے بعد شہزادہ اُسکی کفالت سے نکل کے چار موبدوں کے سپرد ہوتا جو اُسے فلسفہ اور احکام شریعت کی تعلیم دیتے۔ قوانین حکمرانی سے آگاہ کرتے اور سب سے زیادہ حسن اخلاق و راست گوئی کی تلقین کرتے اور یہ عہد و پیمان لیتے کہ جب تک زندہ رہے صداقت و راستی کو ترک نہ کرے۔

زنوفن لکھتا ہے کہ شہزادوں کا مکتب شاہی محل کے سامنے تھا۔ اس عمارت کے چار حصے تھے۔ اول میں پانچ سے سولہ برس تک کی عمر کے لڑکے تھے۔ ان کی تعلیم بجائے لکھنے پڑھنے

ورزشوں اور قواعد سے جسمانی تکالیف کا عادی بنا دیا جاتا تھا۔ پایہ تخت میں محل شاہی کے قریب اور دوسرے شہروں میں مرزبان کے محل یا کسی دوسری عمارت میں ان کو رکھا جاتا۔ لڑکے بازاروں کے قریب ہرگز نہ جانے پاتے تاکہ دروغ گوئی اور دھوکہ دینے کی عادت نہ پڑ جائے۔ صبح سویرے ایک گھنٹہ بجتا۔ فوراً سب لڑکے اپنے بستروں پر سے اٹھ بیٹھتے اور ان کی پچاس پچاس کی جماعتیں کسی شہزادے یا وزیرزادے کی ماتحتی میں ایک جگہ جمع ہو جاتیں۔ قواعد شروع ہوتی۔ دوڑ دھوپ کرتے۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر سرپٹ دوڑاتے ہوے اترنے اور چڑھنے کی مشق کرتے۔ نیزہ بازی۔ شمشیر زنی۔ تیر اندازی۔ اور شاہسواری وغیرہ میں مشغول رہتے۔ وہ جانور بھی چراتے اور کھلے میدانوں میں رات [illegible] جاگتے بسر کرتے۔ تپتی دھوپ میں گھنٹوں دوڑائے جاتے اور برہنہ اور کھڑے میں [illegible] کو [illegible] ان کی غذا روٹی نمک اور ابلا ہوا گوشت تھا۔ جب بیس برس کے ہو جاتے تو فوج میں کوئی ادنی افسری دیجاتی یا بعض کو ملکی عہدے بھی مل جاتے۔ اس غرض کے لیے سیاسی تعلیم بھی نصاب میں داخل تھی۔ ان کو قانون بھی سکھایا جاتا اور پرانے کارنامے اولوالعزمیوں کی داستانیں سنا کر ان کی ہمتیں بلند کی جاتیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۴۶) کے اخلاق ستودہ۔ راست گوئی۔ اطاعت بزرگان اور قناعت وسادگی کی [illegible] شہسواری تیر اندازی اور زوبین افگنی میں بھی اُنھیں ماہر بنایا جاتا۔ دوسرے حصے میں [illegible] سال تک رہتے اب بادشاہ کے ہمرکاب سیر وشکار پر بھی جا سکتے۔ اور اسی زمانے میں شبانی۔ باغبانی۔ نجاری۔ اصول ملک داری اور عدالت وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتے۔ تیسرے حصہ میں فنون جنگ کی تکمیل ہوتی اور میدان جنگ میں جا کر شجاعت وبہادری کے جوہر دکھاتے۔ چوتھے درجے میں قوانین شرع۔ آئین دداد۔ فلسفہ اور دیگر علوم وفنون کی تکمیل کیجاتی۔

ظاہر ہے کہ یہ تعلیم ہر شخص کے لیے نہ تھی۔ بلکہ مختلف طبقہ کے لوگ اپنی ضرورتوں کے لحاظ سے اپنی اولاد کو تعلیم وتربیت دیتے تھے۔ فردوسی شہزادوں کی تعلیم کے متعلق شاہنامے میں اسطرح لکھتا ہے

تہمتن ببردش بزابلستان ۔ نشستن گہے ساخت در گلستان۔ سواری و تیر و کمان و کمند۔ عنان و رکیب و چہ و چون و چند
نشستنگہ و مجلس و میگسار۔ ہمان باز و شاہین و یوز و شکار۔ ز میدان و داد و ز تخت و کلاہ۔ سخن گفتن و رزم و راندن سپاہ
ہنرہا بیاموختنش سر بسر	بسے رنج بر داشت کامد ببر

(ایران نامہ)

پروہتون کے لڑکے عموماً مذہب حکمت اور قانون کی تعلیم حاصل کرتے۔ انھین لکھنا پڑھنا بھی سکھایا جاتا۔ مگر کتابین بہت کم تھین۔ زیادہ تر حافظہ پہ دار و مدار تھا قدیم زمانے مین کوئی خاص عمارت تعلیم گاہ کے لیے مخصوص نہ تھی۔ یہ وہت کا گھر یا آتش کدہ کے ملحق کوئی کمرہ کافی سمجھا جاتا تھا۔ مگر ساسانیون کے زمانے مین خصوصاً عہد نوشیروان مین بہت سی ترقیان ہوئین اور جندشاپور مین ایک بہت بڑا دارالعلوم بنایا گیا جس مین حکمت فلسفے اور ادب وغیرہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اور دور دور کے لوگ وہان آکر اس سے مستفید ہوتے تھے۔

تہوار اور جشن قدیم ایرانی تہوار اور خوشی منانے کے بڑے شائق تھے۔ خصوصاً اپنے بادشاہ کی سالگرہ کے دن بڑی دھوم دھام کرتے اس دن ایک بہت بڑا دربار منعقد ہوتا۔ نذرین پیش ہوتین اور شہنشاہ کی داد و دہش سے لوگ مالا مال ہوتے عوام الناس اپنے اچھے سے اچھے کپڑے پہن کر عزیزون اور دوستون سے ملنے جاتے۔ طرح طرح کے تماشے اور دعوتین ہوتین سڑکون پہ منہدی اور قسم قسم کے پھول اور پتیان ڈالی جاتین اور ہر طرف خوشبوئین سلگائی جاتین۔

قدیم ایرانی چونکہ زراعت پیشہ تھے لہذا اُن کے جشن بھی زراعتی ضروریات اور تغیر اوقات فصل چہارگانہ پر معین تھے اور کسی خاص مہینے سے اُنھین تعلق نہ تھا۔ علامۂ ابو ریحان البیرونی نے ان تہوارون کا بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ مگر وہ زیادہ تر ساسانیون کے عہد کے حالات لکھتے ہین تاہم اس مین شک نہین کہ مذکورۂ ذیل جشن نہایت قدیم تھے۔ اور عرصۂ دراز تک ملک مین مقبول عام رہے۔

(۱) **نوروز**۔ یہ قدیم زمانے سے ایران کا قومی تہوار ہے جسے آج کل بھی وہان کے باشندے گو مسلمان ہین مگر ہر سال مناتے ہین۔ اس تہوار کو جمشید نے اپنے زمانۂ حکومت کی یادگار مین اُس دِن مقرر کیا تھا جب آفتاب برج حمل مین آتا ہے۔ ساعات شب و روز مساوی ہوتے ہین۔ ہری بد کا آغاز ہوتا ہے۔ (۲۱ مارچ) اور بہار کی آمد آمد سے نباتات و حیوانات مین ایک نئی روح پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے آغاز سال نو نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ قدیم زمانے مین نئے سال کی ابتدا زمانۂ خزان سے شروع ہوتی تھی جبکہ جشن مہرگان ہوتا تھا۔ مگر

آجکل ایران کے پارسی اپنا سال نو جمشید نوروز ہی سے شروع کرتے ہین۔

(۲) مہرگان۔ فریدون نے جب دشمن قوم ضحاک پر فتح پائی تو اُس کی خوشی مین یہ جشن منعقد کیا گیا جسے آج کل بھی تمام پارسی ہر سال مناتے ہین اور تہوار کی نیاز و نذر کرتے ہین۔ یہ زمانۂ وشو ید مین جب سورج بُرج میزان مین آتا ہے یعنی ۳۰ ستمبر کو شروع ہوتا اور چھ دن تک رہتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ مہرگان کے زمانے مین عید مگو فوبیا یا مگو جن (مغان کش) بھی منائی جاتی تھی۔ اس دن بقول مورخین یونان مغان اپنے گھر سے باہر نہ نکلتے تھے۔ اگر وہ کہین باہر دیکھ لیے جاتے تو ذلیل کیے جاتے۔ وجہ یہ تھی کہ اسی زمانے مین مجوس گومتا یعنی جھوٹا بردیہ جس نے سلطنت ایران کو غصب کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ دارائے اعظم کے ہاتھون مارا گیا تھا۔ یہ ایک امر اتفاقی تھا۔ ورنہ اُس کے مارے جانے کی خوشی مین کوئی خاص جشن نہین مقرر کیا گیا۔ عجیب بات ہے کہ آج کل بھی ایران مین ۹ ربیع الاول کو عید الزہرا ہوتی ہے جس مین سنیون کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے اور کوئی سنی باہر نکلتا ہے تو ذلیل و خوار کیا جاتا ہے۔

(۳) جشن سدہ۔ یہ تہوار ہوشنگ کے آگ کو معلوم کرنے کی یادگار مین تھا۔ اس دن ہر گھر مین آگ روشن کی جاتی تھی۔ تمام آتشکدے اُس روز چراغان ہوتے تھے۔ اور جوق جوق لوگ عبادت کرتے آتے تھے۔ یہ تہوار صرف کیانیون کے زمانے تک رہا اور موسم زمستان مین منعقد ہوتا تھا۔

(۴) جشن تیرگان۔ یہ تہوار موسم باران مین ہوتا تھا۔ اور کیانیون کی ایجاد تھا ستارہ تشتر (یا شعرا) مینہ اور خوشحالی کا دیوتا ہے وہ اپنے دشمن اپوش (ورترا) یعنی خشک سالی کے دیو پر فتح پاتا ہے۔ اور مینہ برساتا ہے۔ مشہور ہے کہ منوچہر نے اسے قائم کیا تھا۔ بعد کے زمانے مین اناہتیا یعنی مینھ کی دیوی کے لیے بھی آبان مین ایک جشن ہونے لگا۔

(۵) جشن مُردگان۔ یہ تہوار بھی کیانی زمانے سے شروع ہوا۔ عام عقیدہ تھا کہ سال کے آخری دس دنون مین مُردون کی روحین دنیا مین آتی ہین۔ اور اپنے عزیزون سے نذر و نیاز کی خواستگار ہوتی ہین اس لیے سب لوگ اس زمانے مین بڑی تیاریان

کرتے تھے۔ ہر گھر مین ایک مخصوص جگہ مقرر کر دی جاتی تھی۔ جہان سب خاندان والے جمع ہو کر اپنے مُردون کو نیاز و نذر چڑھاتے تھے۔

(۶) موسمی تہوار۔ سال کے مختلف موسمون مین چھ تہوار ہوتے تھے جن کا زیادہ تر تعلق زراعت اور کاشتکاری سے تھا۔ ہر تہوار پانچ روز تک رہتا تھا۔ ہر گاؤن اور ہر شہر کے لوگ ایک جگہ جمع ہو کے دعوتین کرتے۔ سفید کپڑے پہنتے اور اپنی حیثیت کے مطابق نذرین لاتے جنھین بہت موسمی دیوتاؤن پر چڑھاتے اور دعائین مانگتے تھے۔

ساسانیون کے زمانے مین بھی یہ تہوار بڑے جوش و خروش کے ساتھ منائے جاتے تھے۔ علامہ البیرونی نے لکھا ہے کہ نوروز کے دن بادشاہ ایک بڑا دربار منعقد کرتا۔ رعایا کی نذرین قبول کرتا اور اُن کو انعام و اکرام سے سرفراز کرتا۔ بادشاہ کی طرف سے ایک بہت بڑی دعوت بھی ہوتی تھی جس مین بکثرت لوگ مدعو کیے جاتے اور طرح طرح کے ناچ رنگ اور تماشے ہوتے۔ مہرگان کے دن ایک بہت بڑا میلہ ہوتا جو اس قدر مقبول ہوا کہ ایک ماہ تک قائم رہتا۔ اس میلے مین بادشاہ اپنے سر پر ایک تاج جواہر نگار رکھتے جس پر آفتاب کی شکل بنی ہوتی تھی۔ برآمد ہوتا۔ ساسانیون نے بعض تہوار خود بھی قائم کیے۔ مثلاً فیروز کی جب دعا مقبول ہوئی۔ پانی برسا اور ملک کا قحط عظیم دور ہوا۔ تو اس نے اِس خوشی مین ہر سال ایک جشن منعقد کرنے کا حکم دیا۔

تفریحات جشن وغیرہ کے علاوہ ہمین نہین معلوم کہ عوام الناس کی تفریح طبع کے اور کیا سامان تھے۔ مگر امیرون اور رئیسون کے لیے بکثرت دلچسپ مشاغل تھے۔ شکار[ع۵] کا خاص شوق تھا۔ اژدہ شیر۔ گورخر۔ بارہ سنگھے جنگلی سور اور

ع۵ شکار کے شوق کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اس سے موذی درندے کم ہو جائین مذہبًا یہ بہت ثواب کا کام سمجھا جاتا اور اسے حاصل کرنا زرتشتیون کا عین فریضۂ زندگی تھا۔ اگر کوئی بہادر سور یا کسی مہیب جانور کو مارتا تو سارے ملک مین اُسکی شہرت ہو جاتی۔ لوگ اس کے قصے اور کہانیان بنا ڈالتے۔ اور رفتہ رفتہ طرح طرح کی غلط روایتین مشہور ہو جاتین۔ چنانچہ محلات ہخامنشی مین ایسے عجیب و غریب درندون کی تصویرین نظر آتی

غزاؤن کے پیچھے سرگردان رہتے تھے۔ کشتی۔ گھوڑ دوڑ۔ نیزہ بازی۔ اور چوگان کا بھی عام رواج تھا۔ ناچ گانے اور موسیقی کا بھی بڑا ذوق تھا۔ چنگ۔ مرچنگ۔ نے۔ ستار۔ طبل اور دیگر طرح طرح کے آلات موجود تھے۔ چوسر۔ پانسے۔ اور نرد کا بھی شوق تھا۔ اور نوشیروان کے زمانے مین شطرنج بھی رائج ہو گئی تھی۔

اکل و شرب

ابتداءً امیر و غریب سب کی غذا نہایت سادہ تھی۔ بعد کے زمانے مین تکلفات اس قدر بڑھ گئے کہ ایرانی کھانے ساری دنیا مین مشہور ہوے۔ غریب لوگ صرف سرسون اور پانی پر گذارہ کر لیتے تھے۔ گیہون اور جو کا زیادہ رواج تھا۔ روٹیان عام طور پر تنور مین پکتی تھین۔ ترکاری۔ دودھ۔ اور گھی کے علاوہ گوشت سب کی عام غذا تھی۔ گھوڑے۔ بیل۔ بھیڑ۔ بکری۔ گاے۔ شتر مرغ۔ اور ہرن کا گوشت مرغوب تھا۔ مچھلی اور پرندون کا گوشت بھی کھایا جاتا تھا۔ بڑی بڑی دعوتون مین گھوڑے اور بیل مسلم پکا کر دسترخون پر رکھ دیے جاتے تھے۔ ایرانی میوون اور پھلون کے بڑے شائق تھے۔ کھجور اور انگور اُن کے ملک مین بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ جن سے شرابین بھی بنتی تھین۔ اوستا مین شراب کی تعریف کی گئی ہے۔ اور ہوما کی شراب تو مذہبًا متبرک سمجھی گئی ہے۔ اس لیے شراب کے سب شائق تھے۔ روزانہ کھانے کے ساتھ پیتے۔ اور تہوارون مین تو میخواری کی کوئی حد نہ رہتی۔

غریب لوگ زمین پر بیٹھ کر ہاتھ سے کھانا کھاتے۔ لیکن اُمرا میز اور کرسی پر بیٹھ کے سونے چاندی کے برتنون مین کھاتے تھے دعوتون کے موقعون پر اکل و شرب کا سلسلہ بہت دیر تک جاری رہتا۔ لوگ اپنے معاملات پر رات ہی کے وقت شراب پی کر بحث کرتے اور دوسرے دن پھر اُنھین باتون پر غور و خوض کر کے باہم کوئی راے قائم کر لیتے۔

عہ بقیہ صفحہ (۱۵۰) ہیا جو نہایت مہیب ہین اور جن کا اس دنیا مین کبھی وجود نہ تھا۔ گرفن بھی اسی قسم کا ایک جانور ہے۔ اس کے چار ہاتھ پیر ہین جن کے پنجے شیر کے ایسے ہین۔ دو مسغب پر ہین۔ عقاب کے مانند سر ہے۔ گردن نیلگون۔ سینہ اور پیر سُرخ۔ اور اس کا مسکن کوہ و بیابان بتایا جاتا ہے۔ اسی طرح سیاحت گشتاشپ۔ شکار بہرام گور اور شاہنامے کے ہفت خوان رستم مین بھی عجیب و غریب جانورون کا حال مذکور ہے۔

(ایران نامہ)

لباس و زیبائش

آرہ پہ جمے ہوا ہے تھے لہذا جانوروں کی کھال اور اُن کے کپڑے پہنتے ہوں گے۔ سب سے پہلے بقول فردوسی جمشید نے اونی سوتی اور ریشمی کپڑوں کو ایجاد کیا۔ مگر یہ کسی قدر مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے۔ قدیم ایرانی موجودہ زمانے کے بختیاریوں کی طرح ملبوس ہوتے ہوں گے۔ جن کا لباس ایک سوتی یا پوستینی کرتا ہے۔ جو گھٹنوں تک نیچا ہوتا ہے۔ اس کی آستین کلائیوں تک پہونچتی ہے۔ کمر میں ایک پٹکہ ہے۔ سر پر ایک ڈھیلی ڈھالی نمدے یا اون کی ٹوپی اور پاؤں میں چمڑے کے جوتے ہیں۔ ساسانیوں کے زمانے میں عام لوگ تیمور کی سفید ٹوپی یا پگڑی پہنتے تھے۔ مگر کندہ تصویروں کے دیکھنے سے پگڑی کا پتہ نہیں چلتا۔ امرائے ہخامنش کا ایک لباس جس میں میڈیا کے فیشن کا پورا اتباع کیا گیا تھا۔ نہایت پرتکلف تھا۔ اُن کے ریشمی اور پرتکلف کپڑوں پر طرح طرح کے جانوروں اور پھول پتیوں کی رنگین شکلیں بنی ہوتی تھیں۔ یہ جامہ ایڑی یا ٹخنے تک لمبا ہوتا تھا۔ کمر سے نیچے اُس میں جھول دے کے چنٹیں ڈال دی جاتی۔ آستینیں کہنیوں تک تنگ اور نیچے بہت کشادہ اور شکن دار ہوتیں۔ سر پر ایک چوکور اونچی سی ٹوپی تھی جس کی دیواروں پر بھی چنٹیں پڑی تھیں۔ امرائے فارس کا اصلی لباس اُس سے کسی قدر مختلف تھا۔ وہ ایک چُست کوٹ پہنتے تھے جو گھٹنوں سے زیادہ نیچا نہ تھا۔ اُن کی ٹوپی کی شکل قبہ نما تھی۔ اور اُس کی دیوار پر شکنیں نہ تھیں۔ دونوں قسم کے لباسوں کے نیچے ایک شلوار نما ڈھیلا پائجامہ پہنتے تھے۔ کمر میں ایک زرنگار مرصع پٹکہ ہوتا تھا جس میں ایک طرف خنجر لگا رہتا۔ کبھی خنجر کو چمڑے کے ایک تسمے میں لٹکا لیتے اور داہنی جانب ران پر پڑا رہتا تھا۔ اور بائیں جانب ایک بڑا سا خول ہوتا جس کے اندر کمان محفوظ ہوتی۔ پاؤں میں موزے اور جوتے تھے۔ کانوں میں بالیاں کلائیوں میں چوڑیاں۔ اور گلے میں بیش بہا طوق پہنتے تھے۔ انھیں چیزوں سے اُن کے مرتبے اور عہدے کا اظہار ہوتا تھا۔ امرا اپنے چہرے پر غازہ اور آنکھوں میں سرمہ بھی لگاتے تھے۔

(باقی آیندہ)

انگلستان کی عورتیں

(بقیہ صفحہ ۱۴۴)

(از مولانا شرر مرحوم مغفور)

لہذا اُسی کی وجہ سے مجھے اُسکی معشوقہ سے بھی ملنے کا ہر ہفتہ مین اتفاق ہوتا تھا۔ مین دیکھتا تھا کہ چارلیس کو ہمارے ہیان کے نوجوانون کی طرح نہ کسی کھیل کا شوق تھا نہ کسی تماشے کا۔ رات دن مین اُسے سخت محنت کرتے دیکھتا تھا۔ کسی وقت اور کسی گھڑی مین اس کو سوا اس کے کہ روپیہ پیدا کرنے کی فکر مین مشغول ہو اور کسی کام کی طرف متوجہ نہ پاتا تھا۔ مین نے ایک دفعہ تھئیٹر مین جانے کی خواہش ظاہر کی تو اُس نے انکار کیا اور کہا مجھے اپنی شادی کی اس قدر فکر ہے کہ کسی کام مین دل نہین لگتا میری معشوقہ مجھے کہین جانے کی اجازت نہین دیتی۔ اور پھر اسی کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ لڑکی بھی اپنے پسینے پر وپیہ سے جو روپیہ پیدا کرتی ہے جمع کرتی جاتی ہے۔ جب ہم اتنا روپیہ جمع کر لین گے کہ الگ گھر مین رہین اور اپنی معشوقہ سے شادی کرین اسوقت دنیا سے لطف اُٹھائین گے۔ آپ سمجھ سکتے ہین کہ شادی کا شوق اس لڑکے مین کس جوہر شریف کا پتہ دے رہا ہے۔ اور محض اسی وجہ سے اس کے اخلاق پہ کتنا عمدہ اثر پڑا۔ اور یہی چیز اس کا بھی قوی سبب ہے جو مین اوپر بیان کر آیا ہون کہ وہان بدکاری اور بدمعاشی زیادہ تر سن رسیدہ لوگون اور بڈھون مین ہے۔ اور نوجوانون مین کم ہے۔ یہی منگیتر جن کا اوپر ذکر ہوا ایک دوسرے کے سوٹ ہارٹ یعنی دلربا کہلاتے ہین۔ اور فرصت کے اوقات مین باہم باغون اور غیر آباد جنگلون اور کھیتون مین جا کے ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اُٹھاتے ہین۔ اتوار کی شام کو آپ ذرا آبادی سے باہر نکل جاتے تو ہر جگہ انھین سویٹ ہارٹون کو بے تکلفی کے ساتھ گھاس پہ۔ اور درختون کے نیچے بیٹھا اور ہم آغوش پائین گے۔ یہ صحبت وہان جائز خیال کیجاتی ہے۔ اور ماں باپ بھی اپنے کامون کا حرج کر کے بیٹیون کو اُن کے سویٹ ہارٹ کے ساتھ جانے کی اجازت دیدیتے ہین۔

آپ تعجب کرین گے کہ اِن پہ بدگمانی نہین کی جاتی۔ اور جہان تک مین نے خیال کیا یہ حسن ظن کسی حد تک اصلیت بھی رکھتا ہے۔ اس لیے کہ جب سے وہان اس بات کو شہرت ہو گئی ہے۔ کہ اکثر لوگ لڑکیون کو دھوکا دے کے بے عصمت کر ڈالتے ہین۔ اور اس کے بعد شادی سے انکار کر دیتے ہین۔ اُسوقت سے لڑکیان خود اپنی عزت کی بہت نگہداشت کرنے لگی ہین۔ اُن کے خیال مین یہ بات جم گئی ہے۔ کہ اگر خراب ہی ہونا ہے تو کسی اور سے خراب ہون مگر

اس کو بدگمانی کا موقع نہ دین جس سے کہ شادی کی امید ہے۔ اس خیال نے لڑکیون کو اپنی عصمت بچانے پر بہت آمادہ کر دیا ہے۔ ان تمام باتون کا اصل اصول یہی ہے کہ وہان یہ امر ہر شخص کے نزدیک قطعی طور پر فیصل ہوگیا ہے کہ عورت کی عصمت کے محفوظ رکھنے کے لیے بمقابلہ اس کے کہ دوسرے لوگ اور اور پہ والے نگرانی کرین۔ یہ طریقہ زیادہ مفید اور قابل اطمینان ہے کہ خود عورت اپنی عصمت بچانے کی ذمہ دار قرار دی جائے۔ وہ کہتے ہین کہ اگر عورت خود خراب ہونے پر آمادہ ہے تو کوئی ہزار کوشش اور نگرانی کرے کچھ نہین ہوسکتا۔ اور اگر عورت خود بچنا چاہتی ہے تو ہزار بہکائی اور پھسلائی جائے نہین خراب ہوسکتی۔ اس اصول پر وہان کا عمل درآمد ہے۔ اور اسی وجہ سے عورتین روز بروز زیادہ مطلق العنان ہوتی جاتی ہین۔ اور اس کے ساتھ مین یہ بھی کہتا ہون کہ اپنے آپ کو اس مطلق العنانی کا مستحق بھی ثابت کرتی جاتی ہین۔

نکاح ہوجانے کے بعد لڑکے اور لڑکی کی زندگی بالکل بدل جاتی ہے ماں باپ کے گھر سے نکل کے وہ اپنا نیا گھر قائم کرتے ہین۔ مکان کی صفائی اور آراستگی اور خرچ کے بچانے اور کفایت شعاری کے اصول برتنے مین بی بی اپنی لیاقت اور قابلیت کے جوہر دکھاتی ہے۔ اور چونکہ مردان کامون سے بالکل ناآشنا ہوتے ہین لہذا قریب قریب اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ بی بی والون کے خرچ مین بمقابلہ اُن لوگون کے کفایت پڑتی ہے جو تن تنہا رہتے ہون۔ خانگی انتظام یا بچون کی پرورش گھر کے مصارف اور حساب کتاب کلیتہً بی بی کے ہاتھ مین رہتے ہین میان کا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ جو کچھ کما کر لائین بی بی کے ہاتھ مین دے دین۔ اُس مین سے جو کچھ بچتا ہے بی بی اس کو ہفتہ وار سیونگ بنک مین جمع کرتی رہتی ہے۔ صرف مکان اور بچون کا صاف رکھنا بی بی کا فرض نہین۔ اُس کو میان کے کپڑون کی درستی اور صفائی کا بھی ہر وقت خیال رہتا ہے۔ وہ میان کے کپڑون پر برُش کرتی ہے اور میان کے بالون مین اپنے ہاتھ سے برُش اور کنگھی کرتی ہے۔ اور جب شوہر کپڑے پہن کر کھڑا ہوتا ہے تو آگے پیچھے پھر کر دیکھ لیتی ہے کہ کسی چیز مین کوئی عیب تو نہین۔ الغرض جس طرح یہان مائین اپنے بچون کو کنگھی چوٹی کر کے اور بنا چُنا

کے باہر نکالتی ہین اس طرح وہان بی بی اپنے میان کو باہر نکالتی ہے۔ اور اسی وجہ سے اکثر قومون کا یہ خیال ہو گیا ہے کہ انگریزی قوم سے اچھی بی بی کسی قوم مین نہین مِل سکتی۔

سوسائٹی مین شریک ہونے اور دعوتون مین جانے کا جس قدر خیال شادی سے پہلے ہوتا ہے بعد نہین باقی رہتا وجہ یہ کہ شادی سے پہلے مرد عورت دونون اپنے لیے ایک عمدہ جوڑا فراہم کرنے کی جستجو مین ہوتے ہین اور ہر صحبت مین اسی خیال سے جاتے ہین۔ حتی کہ گرجون اور عبادت خانون مین جانے کا بھی زیادہ تر محرک یہی خیال ہوتا ہے۔ شادی کے بعد ان باتون کا شوق کم ہو جاتا ہے۔ اور اگر جاتے بھی ہین تو صرف میان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ بی بی کی دلچسپی ہو اور بی بی کی غرض یہ ہوتی ہے کہ میان طلب معیشت مین زیادہ منہمک ہو کے خشک مزاج اور افسردہ دل نہ ہو جائے۔ بلکہ شادی کے پہلے سال مین چونکہ دولھا اور دُلھن کو دنیا دی لطف کا زیادہ شوق ہوتا ہے لہذا صحبتون اور تھیٹرون مین کثرت سے جاتے ہین۔ لیکن جو جو زمانہ گزرتا جاتا ہے ان باتون کا شوق کم ہوتا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ میان بی بی مین جیسی محبت وہان ہوتی ہے ویسی محبت اور ممالک مین شاید کم ہوتی ہوگی۔ یہ مقولہ وہین صادق آتا ہے کہ ایک کی راحت پر دوسرے کی راحت منحصر ہے۔ یہ مین مانتا ہون کہ طلاق کے مقدمات وہان یہان سے زیادہ ہوتے ہین۔ لیکن مین سچ کہتا ہون کہ وہ وہان کی آبادی کے اعتبار سے بہت کم ہین۔ میرے اکثر انگلش دوست جب میرے سامنے ہندوستانیون کی موجودہ طرز نکاح پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کہ لڑکے لڑکی نے جب ایک دوسرے کو دیکھا ہی نہین تو اُن مین موافقت نہین قائم رہ سکتی۔ ایسے اوقات مین مین یہ کہہ کے ان کو قائل کر دیا کرتا تھا کہ جو کچھ ہو ہمارے یہان اتنے طلاق کے مقدمے نہین ہوتے اس جواب پر وہ متحیر ہو کے خاموش ہو جاتے تھے۔ اور اُن سے کچھ جواب نہین بن پڑتا تھا۔ لیکن بات یہ ہے کہ اصلی حالات سے ان کو اطلاع نہ تھی۔ ورنہ اس کا جواب کوئی دشوار نہ تھا۔ اپنے حالات کو آپ خوب جانتے اور سمجھتے ہین۔

اور آپ اندازہ کر سکتے ہین کہ ہمارے یہان عورت کی آواز گھر سے باہر تو نکل سکتی نہین عدالت تک کیونکر پہونچے۔ شریف خاندانون مین اس امر پہ عملدرآمد ہے کہ لڑکی چاہے مرجائے یہ اچھا ہے۔ اور یہ نہین اچھا کہ اس کا نام اور اس کی آواز عدالت کی کرسی تک پہونچے۔ آپ خوب جانتے ہین کہ شریفون کے گھرون مین کتنی لڑکیان بیٹھی ہوئی ہین۔ جن کے نالائق اور ناپاک شوہرون نے اُن کی طرف سے بے پروائی اختیار کر لی ہے۔ اور وہ ایک بے زبانی کے ساتھ اپنی مصیبت ناک زندگی کے دن بھر رہی ہین۔ وہان ایسی ایک لڑکی بھی نہ ملے گی۔ جب آپ کے یہان بھی عورتون کو آزادی دیجائے۔ اور اُن کو عدالت سے دادخواہ ہونے کا موقع ملے تو معلوم ہو جائے کہ طلاق کے مقدمات یہان زیادہ ہوتے ہین۔ یا وہان۔

انگریزی میان بی بیون کی مذکورہ بالا زندگیون سے بعض خرابیان بھی پیدا ہوگئی ہین۔ جو غالباً آپ کے خیال مین نہایت ہی بدنما ثابت ہون گی۔ اول تو وہی جو مین اوپر بیان کر آیا کہ جوان دولھا دلھن اپنے بچون کے گھر مین رکھنے کے بمشکل اور بمجبوری روادار ہوتے ہین۔ دوسری طرف یہ خرابی پیدا ہو گئی ہے کہ اُن کے دل خود اپنے ان باپ کی طرف سے بھی سخت ہو جاتے ہین۔ اُن کو یہ گھڑی بھر کے لیے بھی نہین گوارا ہے کہ ان باپ کا پلنگ بھی اُسی گھر مین ہو جس مین دُلھن دن رات مشق ناز اور میان ناز برداری کرتے ہین۔ غور طلب یہ امر ہے کہ یہ طرز زندگی اچھا ہے یا ہمارا ہندوستانی طرز کہ ایک ہی چھوٹے سے گھر مین پردادا پردادی سے لے کے پرپوتے پرپوتے ایک اور دو تین خانہ داماد کھاتے مین بھرے ہوتے ہین۔ ایک طرف ایک بڑی بی آنکھون سے معذور چارپائی پر بیٹھی پنکھا ہلا رہی ہین۔ ایک طرف پوت بہو ننھے بچے کے پوتڑے دھو رہی ہین۔ ایک جگہ ساس بہوؤن کی مشہور زمانہ لڑائی کا سین نظر آرہا ہے۔ ایک جگہ نند بھاوجون مین طعنہ بازی ہو رہی ہے۔ ایک طرف بڑی بہو اپنے دو برس کے بچے کو کونے مین لے جا کے ایک برفی کی ڈلی اس طرح چھپا کے کھلا رہی ہے کہ گھر کا کوئی اور بچہ نہ دیکھ لے۔ اور دوسری

طرف نوجوان پوتا دادا صاحب سب کی آنکھ بچا کے اپنی نئی نویلی دُلھن کے اشارے مین بوسہ لے رہے ہین۔ یہ تو ایک ہندوستانی گھر تھا۔ اس کے مقابل مین ایک انگریزی گھر کو قائم کیجیے تو ایک دوسرا ہی سین نظر آئے گا۔ ایک کمرے مین میان اور بی بی اکیلے بیٹھے ایک دوسرے کی محبت سے لطف اٹھا رہے ہین۔ شراب کا دور چل رہا ہے بی بی اُٹھ کے پیانو بجاتی ہین میان گاتے ہین کچھ دیر کے بعد بی بی بھی سر ہلانے لگتی ہین۔ اور آخر جوش مین آ کے اُٹھ کھڑی ہوتی ہین۔ اور دونون ایک دوسرے کے گلے مین ہاتھ ڈال کے ناچنے لگتے ہین۔ مان باپ دادا دادی اور بیٹا بیٹی نوکر چاکر خدا نے سب ہی کچھ دیا ہے مگر ہے کیا کہ دادا دادی ہاتھ پاؤن سے معذور ہو کے بیکار ہو گئے۔ اور جب کسی طرح کمانے کے قابل نہین رہے تو ورک ہوس (خیراتخانہ) مین لے لیے گئے۔ امان باوا لندن کی کسی گلی مین ایک خراب سے مکان مین پڑے ہین۔ اس لیے کہ باوا دن کو ایک کارخانہ مین محنت کر کے روزانہ دو تین شلنگ کماتے ہین اور امان سلائی کرتی ہین نیچے بورڈنگ ہوس مین بھیج دیے گئے۔ نوکر چاکر مین کہ نیچے باورچی خانہ مین بیٹھے ہین۔ بلائے جائین تو آئین اب آپ ہی بتائیے کہ آپ کس گھر کو زیادہ پسند کرتے ہین اس مین شک نہین کہ ہندوستانی گھر مین بچون کی چل پُون ساس بہوؤن کی جوتی بیزار نند بھاوجون کی تو تو مین مین گھر کی ناپاکی بہو بیٹون کی بد تمیزی سے آپ کی طبیعت پریشان ہو گئی ہو گی۔ اور اس کے مقابلہ مین انگریزی گھر کی صفائی میان بی بی کی پر جوش محبت بیفکری و آزادی دیکھ کے آپ کو بھی شائد حسد معلوم ہوا ہو گا۔ لیکن یہان بھی ممکن نہین کہ اس خود غرض اور نفس پرست جوڑے کی مستی و عیش کے ساتھ ان کے مان باپ اور دادا دادی کے جگر خراش سین نے آپ کا دل نہ دکھایا ہو وہان گھر بھر مین بے تمیزی تھی تو یہان بے تکلفی ہے۔ بلکہ غالباً آپ اپنے ہی گھر کو زیادہ پسند کرین گے۔ اور صاف کہہ دین گے کہ بد تمیزی اس بے تکلفی اور ناخدا ترسی سے لاکھ درجہ اچھی ہے۔ مگر مین کہتا ہون کہ مذکورہ انگلش طرز زندگی مین اگرچہ مان باپ اور خاندان کے بزرگون پر بہت بڑا ظلم ہوتا نظر آتا ہے۔ مگر اس مین فوائد بھی بہت سے ہین۔ لڑکا اپنی بی بی کو جو ہندوستان کی بی بیون کی طرح جائداد غیر منقولہ نہین ہے ساتھ لے کے ساری فکرون سے آزاد ہو جاتا ہے اس کے دل مین الوالعزمی کے

خیالات پیدا ہوتے ہین۔ اور وہ اُن کی ہدایت کے مطابق آزادی اور بے فکری کے ساتھ
دنیا کے ہر کونے مین جا کے اپنی قسمت کا خزانہ کھود نکال سکتا ہے۔ بی بی اِن امور
مین اس کے پاؤن کی زنجیر نہین دل کی دھڑکن کا تعویذ ہوتی ہے۔ جدھر وہ رُخ
کرتا ہے ادھر بی بی اُسکے دل کو تسلیان اور بڑھاوے دیتی ہوئی بڑے مزے
کے ساتھ لے جاتی ہے۔ اور کہین پر ہمت نہین ٹوٹنے دیتی۔ اگر دوسری فکرین اور
گھرانے کی خبر گیری اُسکے ذمہ ہو تو وہ کبھی ایسی جرأت نہ کر سکے جیسے کہ یون سب کو
چھوڑ کے اور بی بی کو کلیجے سے لگا کے وہ کرتا ہے۔

آپ اس سے انکار نہین کر سکتے کہ انگلش لائف سے دنیا روز بروز ترقی کرتی جاتی ہے اور ہندوستانی
لائف سے وہ روز بروز پستی مین گرتی جاتی ہے اس خاندانی بےفکری اور بےپروائی ہی نے انگلش قوم کو حقیقت
مین زیادہ باحمیت بنا دیا ہے۔ وہان کاہلی اور بیکاری یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھنے سے
زیادہ بڑا کوئی جرم ہی نہین سمجھا جاتا۔ اور شاید اس سے زیادہ ذلت کی کوئی چیز
انگریزون کی نظر مین نہ ہوگی کہ وہ کچھ کما نہ سکتے ہون۔ اولاد سے تو کسی امید کا
وہان اب خیال ہی نہین باقی رہا ہے۔ درحقیقت ماں باپ اولاد کو اپنی خبرگیری
کا ذمہ دار ہی نہین سمجھتے ہین۔ وہ اول تو یہ کوشش کرتے ہین کہ مرتے دم تک محنت
کیے جائین اور خود اپنی کمائی پر بسر کرین۔ علاوہ برین بڑھاپے کے آخری دنون کے
لیے ہر شخص کچھ روپیہ بچاتا رہتا ہے۔ جو اسکے کام آتا ہے۔ وہ مرجانا پسند کرتا ہے اور
یہ نہین گوارا کرتا کہ اولاد کی کمائی پر بسر کرے۔ اگر لڑکے دین بھی تو وہان کے ماں باپ
لینا بیحیائی خیال کرتے ہین۔ اور شاید اسوقت تک شاذونادر ہی ایسے ماں باپ ہون
گے جو بالکل مفلس ہو گئے ہون۔ اور ان کو ورک ہوس مین جانا پڑا ہو۔ لہذا انگلش
اولاد کی بے پروائی سے جو ظلم ہوتا تھا اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قوم مین غیرت و حمیت زیادہ
ہو گئی۔ الوالعزمی کے جذبات بڑھ گئے۔ بخلاف اس کے مشرقی خاندانی لائف کا نتیجہ
یہ ہوا اور ہوتا ہے کہ قوم روز بروز پست ہمت ہوتی جاتی ہے۔ جو نوجوان کچھ کرنا چاہتے
ہین اور کر سکتے ہین وہ بھی کچھ نہین کر سکتے۔

عورتون کے مزاج مین جاہے وہ دنیا کے کسی حصہ اور کسی ملک کی ہون
ایک خاص مشابہت پائی جاتی ہے جس کا نمونہ انگلستان مین بھی صاف نظر آتا ہے ایک ایسی

قوم جس کی معاشرت ہر امر مین ہماری معاشرت سے جداگانہ ہے۔ اور جس کی عورتون کو باہر نکلنے اور ہر صحبت مین آنے جانے اور نیز بدرجہا زیادہ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے ہماری عورتون سے بالکل جدا ہونا چاہیے۔ مگر اس بارۂ خاص مین اپنی اور اُن کی عورتون کو ایک ہی مذاق اور ایک ہی قسم کے خیالات کا دیکھ کے بڑی ہنسی آتی ہے۔ آپ نے غور کیا ہو گا تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ کپڑے اور زیور کا شوق شادی بیاہ کے تذکرے اور اس امر کے دریافت کرنے کی سرگرمی کہ کس کا شوہر کیسا ہے اور کیا کماتا ہے۔ اور ان تمام باتون کے ساتھ بہت سی فضول رسمون کی پابندی اور ہزارہا قسم کی ضعیف الاعتقادیان طبقہ نسوان کے خصائص مین سے ہین بعینہ یہ تمام باتین وہان بھی پائی جاتی ہین یہ ضرور ہے کہ باہر نکلنے اور اخبارات کے دیکھنے سے ان مین چند اور قسم کے مباحث بھی پیدا ہو گئے ہین۔ اور خصوصاً جب مردون مین بیٹھتی ہین تو کوشش کر کے زیادہ تر انھین مباحث کو چھیڑتی ہین جن مین مردون کی بھی دلچسپی ہوتی ہے۔ مگر اُن کا اصلی مذاق وہی ہے جو آپ کی عورتون کا ہے۔ جب دو عورتین مل کے بیٹھین گی تو جان لیجیے کہ اسی قسم کے معاملات کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے۔ صرف یہی نہین اس وقت تک ہزارہا ضعیف الاعتقادیان ایسی موجود ہین جو اُن کی اصلی سرشت کی خبر دیتی ہین۔ معمولی قاعدہ ہے کہ لڑکیون کے سامنے جب کوئی اظہار محبت کرتا ہے اور شادی کی خواہش کرتا ہے تو ان کے دل مین بار بار خیال رہ رہ کے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس کو دلی محبت ہے یا نہین۔ اس معمہ کے حل کرنے کے لیے لڑکیان جہان اور بہت سے ٹوٹکے کرتی ہین وہان ایک یہ بھی ہے کہ کوئی پھول توڑ لیتی ہین اور اس کی پھنکڑیان ایک ایک کر کے اسطرح توڑنا شروع کرتی ہین کہ ایک پر کہتی ہین "لوی" (مجھ سے محبت ہے) اور دوسری پر "ناٹ لوی" (مجھ سے محبت نہین ہے) یہ دونون جملے ترتیب وار کہتی جاتی ہین۔ اور پچھلی پنکھڑی کے ٹوٹنے پر جو جملہ نکلے وہی اصل اور حقیقت سمجھا جاتا ہے اس وقت تک سیڑھی کے نیچے سے گذر جانا نہایت ہی منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس یہ بھی منحوس ہے کہ شیشہ کے دروازہ کے اندر سے پہلی کا چاند دیکھا جائے بلکہ تاکید ہے کہ اگر اتفاقاً نظر آ جائے تو فوراً شیشہ توڑ کے چاند کو بلا واسطہ دیکھ لو اسی طرح کی اور بہت سی رسمین ہین۔ مگر تعلیم نے یہ فرق پیدا کر دیا ہے کہ نوجوان اور

نو عمر عورتون مین یہ باتین صرف مذاق اور دل لگی کے طور پر ہین اور سن رسیدہ بوڑھی عورتون مین عقیدت کے ساتھ وہ اِن باتون کو اسی سنجیدگی اور متانت سے بیان کرتی ہین جس سنجیدگی سے کہ آپ کے یہان کی عورتین بیان کرتی ہین۔

مذہب کا خیال بھی عورتون مین بہت زیادہ ہے۔ مرد موجودہ سائنس اور پچھلے فلسفہ کے اثر سے اس درجہ متاثر ہو گئے ہین کہ اُن مین مذہب کا خیال بہت کم رہ گیا ہے۔ لیکن عورتین چند نوجوان لڑکیون کے سوا عموماً مذہب کی بہت پابند ہین ہر مذہبی رسم کو پوری پابندی اور سرگرمی سے ادا کرتی ہین اور خود ہی نہین مردون کو بھی اس کی پابندی پر مجبور کر دیتی ہین۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اتوار کا دن عام طور پر مقدس دن خیال کیا جاتا ہے۔ اس روز تمام تھیٹر اور کل تفرج گاہین بند ہوتی ہین سڑکون پر بھی لوگ آتے جاتے کم نظر آتے ہین گھرون مین بیٹھتے ہین اور فضول عیش پرستی کے کام کرنے سے بچتے ہین بخلاف اس کے یورپ کے اور ملکون مین اتوار کا دن خاص عشرت اور مزے داریون کے لیے ہے تھیٹرون اور بازارون مین وہان اتوار کو معمول سے زیادہ رونق ہوتی ہے۔ انگریزون کی نسبت یورپ والے ریاکاری کا الزام دیتے اور کہتے ہین کہ اِن کے دل مین تو مذہب کی کچھ وقعت نہین مگر صرف دکھانے کے لیے ان باتون کی پابندی کرتے ہین۔ اور جہان تک مین نے غور کیا اس کی کسی حد تک اصلیت بھی پائی۔

سب سے زیادہ جو چیز ہمارے نوجوانون کو وہان متحیر کر دیتی ہے وہ وہان کی عورتون کی بے تکلفی ہے۔ وہ ہر مرد سے نہایت ہی آزادی اور بے تکلفی سے ملتی ہین اخلاقی ضرورت سے ان کا فرض ہے کہ جس سے ملین کشادہ جبینی سے اور مسکرا کے کتنا بڑا اور کیسا ہی نامحرم ہو اُس کے پاس بیٹھ جانے اور باتین شروع ہوتے ہی بے تکلف ہو جانے مین اُن کو تامل نہین ہوتا اور اُن کی یہ بے تکلفی اس حد تک بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ ہمارے ملک کے لوگون کا خیال بھی وہان تک نہین پہونچ سکتا۔ ایک مرتبہ مین ایک دیہات کے آہنی بس مین سوار ہو کے اپنے گھر کو آ رہا تھا اس روز چونکہ پانی برس رہا تھا اور رات کا وقت تھا۔ لہذا چھت پر کھلے مین بیٹھنے کی کسی کو جرأت نہین ہوئی۔ سب لوگ اندر بھرے ہوے تھے۔ اور صرف ۱۴۔ آدمیون کے بیٹھنے کی

قدیم تمدن ایران

بقیہ مضمون لباس و زیبائش

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۵۳ دلگداز اکتوبر ۲۷ء

اُن کی ڈاڑھی اور سر کے بال لمبے اور صاف ہوتے۔ سر کے اوپر کے بال سیدھے ہوتے مگر پیشانی سے لے کر گردن کی پشت تک گھونگردار چھلّون کی قطارین چلی جاتی تھین۔ ڈاڑھی بہت گھنی ہوتی اور اس مین بھی ٹھوڑی کے پاس کے بال گھونگردار ہوتے۔ آخر کے زمانے مین مصنوعی بال بھی استعمال ہونے لگے۔ معمولی لوگون کے بال چھوٹے ہوتے تھے۔ بعض تصویرون مین ڈاڑھیان منڈی ہوئی معلوم ہوتی ہین مگر یہ غالباً خدام یا خواجہ سرا ہون گے۔

عورتون کی تصویرین مفقود ہین اس لیے اِن کے لباس کے متعلق قطعی طور پر کچھ نہین کہا جا سکتا۔ مگر ایک چینی سیاح نے ساسانی زمانے کی عورتون کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بناؤ سنگار اور مصنوعی آرائش کی بڑی دلدادہ تھین۔ ایک ڈھیلا ڈھالا کرتا اور اُس کے اوپر چوغہ پہنتی تھین۔ بعض عورتین ریشمی گون۔ تنگ پائجامہ اور ٹوپی اور جوتا زیب تن کرتی تھین۔ سر کے بال نہایت خوبی کے ساتھ بنائے جاتے۔ سامنے کی زلفون کا پیشانی کے اوپر ایک جوڑا باندھ لیا جاتا۔ مگر پچھلے بال کھلے ہوئے پشت پر بکھرے رہتے۔ سونے چاندی کے خوشنما چھوٹے چھوٹے پھول بالون مین پروتی تھین۔ موتیون کے ہار گلے مین پہنتین۔ اس کے علاوہ قسم قسم کے بیش بہا زیورون سے اپنے جسم کو آراستہ کرتین۔ آنکھون مین سرمہ یا کاجل لگاتین اور خوشبودار تیل سارے جسم مین ملتین۔

ان پوشاکون کے علاوہ ہر زرتشتی کے لیے مذہبًا فرض تھا۔ اور پارسیون مین اب بھی اس کا رواج ہے کہ اپنے سب کپڑون کے نیچے ایک سفید سوتی کرتا پہنتے جسے سدرہ کہتے ہین۔ اور کمر پر ایک اونی ٹپکہ باندھتے ہین جو خاص طور سے بنایا جاتا ہے۔ اس ٹپکے کا استعمال اب کم ہوتا جاتا ہے۔ اور اس کے بجاے اب ایک سوتی دھاگہ یا جنیو مستعمل ہے جسے کشتی کہتے ہین۔ مشہور ہے کہ زرتشت سے ایک زمانہ قبل ایران کے بادشاہ جمشید نے سدرہ اور کُشتی کو ایرانیون کے امتیاز کے لیے رائج کیا تھا۔ چنانچہ اب بھی ہر لڑکے اور لڑکی کو سِن بلوغ پر پہونچتے ہی اُن کے پروہت یہ دونون چیزین خاص مذہبی رسوم کے ساتھ پہناتے ہین۔

ایران مین سفید رنگ متبرک اور سیاہ ماتمی سمجھا جاتا تھا۔

شکل و شباہت

قوم آریہ بہ لحاظ اپنی جسمانی۔ دماغی اور اخلاقی خوبیون کے تمام اقوام عالم مین مشہور اور ممتاز تھی۔ قدیم ایرانی آج کل کے کُردون کی طرح نہایت وجیہہ اور تنومند ہوتے تھے۔ اُن کا قد لمبا۔ جثہ نہایت مضبوط اور مائل بہ فربہی تھا چال ڈھال سادہ اور شاندار۔ آنکھین بڑی اور چمکتی ہوئی۔ بلند پیشانی۔ ناک لمبی اور سیدھی۔ اوپر کا ہونٹ پتلا اور کسی قدر خمیدہ۔ ٹھڈی گول۔ چہرہ سنجیدہ اور شریفانہ اور رنگ گورا تھا۔ یونانیون نے خشایارشا اور داریوش کی شکل و صورت کی بڑی تعریف کی ہے۔ عورتون کا حُسن بھی مشہور تھا۔ مورخ زینوفن لکھتا ہے کہ میدیا کی عورتین اپنے حُسن و جمال اور قد و قامت کے لحاظ سے ساری دنیا مین بے مثل اور بے نظیر تھین زنان بابل داشوریا مائل بہ فربہی تھین اُن کا جسم دوہرا تھا چہرہ کسی قدر گول اور آنکھین مثل آہو بڑی اور نہایت دلکش تھین۔ عورتون کی خوبصورتی مین تناسب اعضا۔ نازک کمر۔ گورا رنگ۔ دوہرا جسم۔ بھرا ہوا سینہ اور نازک انگلیان قابل تعریف سمجھی جاتی تھین۔ فردوسی ایرانی حُسن کی اس طرح تعریف کرتا ہے:۔

دو ابرو کمان و دو گیسو کمند	بالا بکردار سروِ بلند
دو رخسارہ زیبائش ہمچو قمر	دو چشمش ستارہ بوقت سحر
بناگوش تابندہ خورشید وار	فرو ہشتہ زو حلقہ گوشوار
لبان از تبرزد زبان از شکر	دہانش بکلِ مدد وہ

دہان دلبش بود گوہر فشان سخن گفتنش بود گوہر فشان
فرشتہ بخوی و چو عنبر ببوی بدل مہربان و بجان مہر جوی

خصائل و عادات قدیم ایرانیون کے اخلاق و آداب ساری دنیا مین ضرب المثل تھے۔ اُن کے دشمن یونانی بھی اُنھین مودب ترین قوم کہتے تھے۔ وہ جسم کی برہنگی کو بہت معیوب سمجھتے۔ مجلسون اور محفلون مین کم سخنی بلکہ خاموشی اختیار کرتے۔ اور دسترخوان پر بھی زیادہ گفتگو سے پرہیز کرتے تھے۔ بوقت طعام نہ ادھر اُدھر دیکھتے اور نہ ہاتھ بڑھاتے اور پھیلاتے بلکہ جو کچھ سامنے رکھا ہوتا اُسی پر اکتفا کرتے۔ راستہ چلتے اور کوچہ و بازار مین کھانا بڑا عیب سمجھتے۔ بار بار پیچھے مڑ کے دیکھنا بھی بُرا سمجھا جاتا۔ زور سے ہنسنا یا قہقہہ لگانا بُرا جانتے اور اُن حرکات ناشائستہ سے جو دوسرون کی دل آزاری و کراہت کا باعث ہون ہمیشہ پرہیز کرتے۔ مورخ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ راستہ مین ہم مرتبہ شخص اگر ملتے تو بغل گیر ہو کر بوسہ دیتے۔ اگر ایک شخص رتبہ مین کم ہوتا تو بڑا چھوٹے کے رخسار کو چومتا۔ اگر اور بھی کم درجے کا ہوتا تو مودبانہ سامنے جھک جاتا۔ وفاداری۔ دوستی و استقامت ان کے خصائل حسنہ تھے۔ راستی و پاک بازی صفات اہرمزدی خیال کی جاتی تھین۔ دروغ گوئی بدترین عیب تھا۔ اور اس کے بعد قرض لینا کردہ سمجھا جاتا۔ کیونکہ اس سے آدمی جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور اسی لیے قدیم ایرانی تجارت اور لین دین سے بھی نفرت کرتے تھے۔ مگر وہ لوگ معاملے کے بڑے پکے تھے۔ ہاتھ پر ہاتھ مار کر عہد کر لیا یا معبد مین قسم کھائی تو اُسے پورا کرنا اپنا فرض عین سمجھتے تھے۔ اداے احسان کا بھی بہت خیال تھا۔ اور دعا کے وقت صرف اپنی ہی آسودگی و بہبودی پر اکتفا نہ کرتے بلکہ تمام اہل وطن اور بادشاہ کے فلاح و آسائش کے لیے ہرمزد کے حضور مین استدعا کرتے تھے۔

قدیم ایرانی بڑے فیاض اور مہمان نواز تھے۔ لیکن مصرف اور فضول خرچ بھی تھے۔ کھانے پینے مین خوب روپیہ لٹاتے تھے۔ ان کی ذہانت اور حاضر جوابی مشہور تھی مگر طبیعت مین خودداری اور گھمنڈ زیادہ تھا۔ ضبط کا مادہ کم تھا۔ اور حالت پریشانی و افلاس مین ذلت گوارا نہ کرتے تھے۔ وہ دلیر اور جفاکش تھے۔ شہسواری۔ سیر و شکار اور جنگ جوئی مین اُنھین بڑی خوشی ہوتی۔ امرا کے علاوہ عام لوگ نہایت سادگی

کی زندگی بسر کرنے۔ جس مین تن آسانی اور عیش و عشرت کو بہت کم دخل تھا۔ مگر جون
جون زمانہ گزرتا گیا ان عمدہ خصائل مین کمی آتی گئی۔ دولت و ثروت نے ابتدا
مین جہان تہذیب و شائستگی پیدا کی آخر مین اُسی نے امیر غریب سب کو عیش پسند
بنا دیا۔ وہ سُست اور کاہل ہو کر غفلت مین پڑ گئے جس کی مثال میدیہ کی تاریخ
پیش کرتی ہے کہ فقط ڈیڑھ سو برس بعد سلطنت ہاتھ سے نکل گئی۔ بعد ازان ہخامنش
کا زمانہ آیا۔ اور وہ بھی کچھ دنون کے بعد اسی مرض مین مبتلا ہو گئے۔ اور یونان
مین جب سکندر اعظم کا عروج ہوا تو وہ لوگ ویسے ہی پست ہو گئے تھے۔ جیسے
ہندوستان کے باشندے جن پر غیر قوم نے ایسی آسانی کے ساتھ تسلط حاصل کر لیا
دارا سے سوم کی رعایا کے دلون سے غیرت و ہمت کے جذبات مفقود ہو چکے تھے۔
قوی الجثہ اور دلیر اس وقت بھی تھے۔ مگر اخلاق اتنے پست ہو گئے تھے اور
استقلال وارادے مین ایسی کمی آگئی تھی کہ دشمن نے بہ آسانی مغلوب کر لیا۔
پھر جب دولت و حکومت غائب ہو گئی اور ساڑھے پانچ سو برس تک غلامی کی
مصیبتین جھیل چکے تب کہین حب الوطنی نے پھر جوش مارا۔ ذلت و خواری نے پرانے
جذبات کو پھر اُبھارنا شروع کیا۔ اور وہ اپنے ملک کے پھر مالک ہو گئے مگر قوم
پارتھیا (اشکانی) کے اختلاط سے ان مین ایسی جہالت اور ایسا اُجڈپن آگیا
تھا جو عہد ہخامنش مین نہ تھا۔ جسمانی اور ظاہری حالت کے دیکھتے ساسانی اپنے
اجداد سے کچھ کم نہ تھے۔ مگر دماغی اور روحانی حیثیت سے اِن کا مرتبہ بہت گرا
ہوا تھا ان مین وہ شائستگی اور شرافت نہ تھی جو اُن کے بزرگون کی طبیعت
کا خاصہ تھی۔ وہ عیش پسند اور خوش طبع تھے سیر و شکار کے شائق تھے۔ مگر
ان کی قوت ارادی کمزور تھی۔ اُنھین اپنے جذبات پر پورا قابو نہ تھا۔ استقلال
اور بردباری کی کمی تھی۔ مزاج مین تلون آگیا تھا۔ دفعۃً جوش مین آجاتے
مگر بعد مین فوراً ہی ٹھنڈے پڑ جاتے۔ ہخامنشی دور مین بلند نظری اور وسعت
خیالی تھی۔ تعصب کم تھا اور دیگر قومون کی اچھی باتون کو بہت جلد اور خوشی
کے ساتھ اختیار کر لیتے تھے۔ ساسانی سخت تنگ دل اور متعصب تھے اور
بے سمجھے بوجھے دوسرون کی نقل کرنے لگتے۔ اپنے اجداد کی طرح اُن مین بھی عام

طور پر بادشاہ پرستی کا مادہ بہت زیادہ تھا اور بادشاہ کے عادات واطوار کا اُن پر بہت جلدی اور بہت بڑا اثر پڑتا تھا۔ اگر وہ نالائق اور بزدل ہوتا تو وہ بھی کم ہمت اور بے غیرت ہو جاتے۔

ہنجامنشی زمانے کے خلاف اب اُن پر برہمنون کا بھی بڑا اثر ہو گیا تھا۔ جس سے عوام کی باطل پرستی حد درجہ بڑھ گئی اور انھین دونون وجوہ سے طبائع کی آزادی۔ جدت اور شخصیت بھی غائب ہو گئی۔ غرض جتنا زمانہ گزرتا گیا ان کا مذاق بیہودہ اور عادات ناشائستہ ہوتی گئین۔ انتظامی قابلیت اس درجہ مفقود تھی اور حب الوطنی ایسی غائب ہو گئی تھی کہ اُن کی عظیم الشان سلطنت کا چند ہی سال مین ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

قدیم ہندوستان مین تعلیم

(از مرزا احسان احمد بی۔اے۔ علیگ)

قدیم زمانہ مین ہندوستان علم کا مرکز اعظم تھا۔ دنیا کا ہر گوشہ اس کی علمی شہرت سے گونج رہا تھا۔ یونان۔ چین۔ جاپان۔ سب اس کے خوان کرم کے زلہ ربا تھے۔ فیثاغورث[1] اور البیرونی ایسے ماہرین فن دور دراز ملکون کا سفر کر کے برہمنون اور رشیون کے سامنے زانوے ادب تہ کرتے اور علم کے سرچشمۂ ابدی سے سیراب ہوتے تھے۔ غرض کہ ہندوستان کا آفتاب علم اُس وقت نصف النہار پر تھا۔ جبکہ مغرب تمدن کے نام سے بھی آشنا نہ تھا۔

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ ان قدیم معلمین کی کیا خصوصیات تھین؟ جن کے شوق مین دنیا کے بڑے بڑے ماہرین فن کھنچے چلے آتے تھے۔ اِن کے شاگردون سے کیا تعلقات تھے؟ ان کا طریقہ تعلیم کیا تھا۔ اس موضوع پر ہمارے ایک معزز ہندو پروفیسر نے انگریزی مین ایک مختصر سا رسالہ لکھا ہے۔ جو ہمارے اس مضمون کا اصلی ماخذ ہے۔

[1] یونان کا ایک بہت بڑا فلسفی تھا۔

استاد اور شاگرد کے باہمی تعلقات

قدیم ہندوستان مین اساتذہ نہایت قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ بے شبہ ان کو تنخواہین بہت کم ملتی تھین لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود ایک مفلس قانع کی طرح پُرامن زندگی بسر کرنا چاہتے تھے۔ اور ہر قسم کے نفسانی حظوظ سے قصداً مجتنب رہتے تھے۔ تاکہ وید کے مطالعہ مین کسی قسم کا خلل نہ ہو۔ آج کی طرح وہ شاندار محلون مین زندگی نہین بسر کرتے تھے۔ بلکہ معمولی جھونپڑون مین بیٹھ کر طلبہ کو درس دیتے تھے۔ اور ایسے افراد پیدا کرتے تھے جن کے ہر ہر قدم پر علم نثار ہوتا ہوا چلتا تھا۔

اُستاد کے عام صفات اور خصوصیات کے متعلق وید مین ہے۔

"وہ جو علم کا مخزن ہے۔ جو اپنے شاگردون کو یہ محسوس کرا سکتا ہے کہ وہ اُن کی والدین سے ان کی ذات کا کم ہی خواہ نہین ہے۔ جس کے اطوار زندگی سادہ اور پاکیزہ ہین۔ جو اپنے شاگردون کو اس طرح تعلیم دیتا ہے گویا وہ واقعی حق کے متلاشی ہین۔ جو ایک انسان قانع ہے اور مثل مہان کے شاد و خندہ جبین رہتا ہے۔ اور اپنے روزانہ فرائض کو نہایت پابندی کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ یہی وہ افراد ہین جو ان لوگون کو تعلیم دے سکتے ہین جو ان کے پاس آتے ہین۔ اور درسگاہون کو اپنا وطن بنا لیتے ہین"

اسی قسم کے اور بہت سے اقوال وید مین موجود ہین۔ مثلاً

"اچھا استاد وہ ہے جو مثل آفتاب کے ہر چیز کو اپنے اصلی رنگ مین ظاہر کرتا ہے اور مشق و تربیت کے ذریعہ سے اپنے شاگردون کی مخفی قوتون کی حفاظت کرتا ہے جس کا چال چلن نہایت قابل عزت ہو۔ جو راست گو اور وفا کیش ہونے کے علاوہ خوبصورت ہو۔ جس کی روح نہایت پاکیزہ ہو جس کا حافظہ نہایت قوی ہو"

یا مثلاً

"اچھا استاد وہ ہے جو مثل آفتاب کے زمین کو تمام طرف سے موزون رکھتا ہوا

زندگی بسر کرتا ہے" اور مثل بادشاہ کے ہر شخص کا دوست اور رہنما ہے۔ جو مثل ان سپاہیوں کے جو دوسرون کی بھلائی کے لیے جیتے ہین۔ صاف دل اور بہادر ہے اور مثل ایک وفادار بیوی کے پاکیزہ اخلاق والا ہے۔

یہ استاد کی عام خصوصیات کا بیان ہے۔ لیکن عملاً دو قسم کے استاد تسلیم کیے جاتے تھے ایک تو وہ جن کے شاگردون سے ذاتی تعلقات ہوتے تھے۔ اور جو ان کے لیے معلم اور رہنما کا کام دیتے تھے۔ یہ لوگ آچاریہ کہلاتے تھے۔ جن کی تعریف منو نے ان الفاظ مین کی ہے۔

لوگ اس برہمن کو آچاریہ کہتے ہین جو اپنے شاگرد کو مع کلپہ[1] اور رہسیہ[2] کے وید کی تعلیم و تلقین کرتا ہے"

دوسرے وہ جو اُپادھیار کہلاتے تھے جو اپنی معاش کے لیے وید کے ایک حصہ یا انگس[3] کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

ان بیانات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ قدیم ہندوستان مین اُستاد و شاگرد کے باہمی تعلقات کس قدر حقیقی الفت و محبت مین ڈوبے ہوے ہوتے تھے۔ اس مسئلہ کے متعلق ہندوون کے مقنن اعظم منو نے خاص زور کے ساتھ لکھا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب کے دوسرے باب مین لکھتے ہین۔

استاد کو خواہ وہ تکلیف مین ہو ایسے الفاظ استعمال نہ کرنا چاہیے جن سے دوسرون کو غیر معمولی صدمہ پہونچے۔ اس کو قولاً یا عملاً دوسرون کو کسی قسم کا نقصان نہ پہونچانا چاہیے۔ اس کو ایسی تقریرین نہ کرنا چاہیے جو دوسرون کو اس سے خوف زدہ کر دین۔ کیونکہ یہ اس کے حصول بہشت مین مانع ہوگا"

اب طلبہ کے فرائض سنیے۔

شاگرد اُستاد کا نہایت احترام کرتے۔ ہر روز تلامذہ استاد کو سلام کر کے سبق شروع کرتے اور سلام کے بعد ختم کر دیتے۔ اور ہمیشہ اسکی خدمت مین مشغول رہتے اور استاد جب کبھی قریب آتا تو تعظیماً کھڑے ہو جاتے استاد کی جگہ نہایت مقدس خیال کی جاتی تھی۔ اور طلبہ اس پہ بیٹھنے کی بھی جرات نہین کرتے تھے"

---

[1] اصول ہتیار وغیرہ وغیرہ۔ [2] مخفی علوم۔ [3] ان علوم کی شاخین جن کا مخرج وید ہے۔

ایک دوسرے مقام پر منو لکھتا ہے۔

> جس طرح ایک آدمی پھاوڑے سے زمین کھود کر پانی حاصل کرتا ہے۔ اسی
> طرح ایک فرمان بردار شاگرد اس علم کو حاصل کرتا ہے جو استاد کے اندر مخفی ہے۔

یہ تھے باہمی تعلقات اُستاد و شاگرد کے جو اس انتہائی ترقی یافتہ دور میں بالکل گم ہین۔ آج تمام عالم پر خود غرضی کا ابر چھایا ہوا ہے۔ نہ اُستاد کی نگاہون مین وہ محبت آمیز کشش ہے۔ نہ شاگردون مین وہ جوش اطاعت۔ یہی وجہ ہے کہ آج گو اکتساب علم کے ہزارون ذرائع موجود ہین جن سے قدیم دنیا بالکل خالی تھی تاہم ہم مین علم کی حقیقی روح نہین پیدا ہوتی۔ اور نہ پیدا کیونکر ہو؟ قدیم زمانہ مین اُستاد شاگرد کا رات دن کا ساتھ رہتا تھا۔ آپس مین محبت و یگانگت تھی۔ خود غرضی کا پردہ حائل نہ تھا اس لیے شاگرد و استاد ایک دوسرے مین جذب ہو جاتے تھے۔ اور استاد کو جو کچھ علوم ہوتا تھا بے کم و کاست وہ سب شاگرد کو بتا دیتا تھا۔ لیکن آج یہ حالت ہے کہ اُستاد و شاگرد کے درمیان مین کوئی خاص رشتۂ اتحاد و ارتباط نہین۔ دن رات مین محض چند گھنٹون کا ساتھ رہتا ہے۔ اور وہ بھی صوری۔ ذرا ایسی حالت مین طلبہ کے دل و دماغ پر اُستاد کی شخصیت اور اُس کے اخلاق و عادات کا کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک استاد و شاگرد مین باہمی الفت نہ پیدا ہوگی اُس وقت تک شاگرد اُستاد کی ذات سے کامل طور پر مستفید نہین ہو سکتا یعنی اس علم کو نہین حاصل کر سکتا۔ جو استاد کے اندر مخفی ہے۔ اس لیے اگر ہم حقیقی علم سے سیراب ہونا چاہتے ہین تو ہم کو استاد کی زندگی کا ایک جزو بن جانا چاہیے فلک بوس کالجون کے رہنے والون کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ سقراط جھونپڑون مین بیٹھ کر درس دیتا تھا۔ اور ارسطو اور افلاطون ایسے عالی دماغ شاگرد پیدا کرتا تھا۔ جن کے علمی کارنامے ابتک دنیا مین یادگار ہین اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ علم کا حقیقی منبع کالج کی بلند عمارتین نہین۔ بلکہ صرف اُستاد کی ذات ہے اس لیے جبتک شاگرد اس ذات سے پیوست و یکجان نہ ہو جائے اس وقت تک حقیقی علم کے دروازے اس پر بند ہین یہی وہ مطمح نظر تھا جس نے قدیم ہندوستان کو اس وقت علم کا مرکز اعظم بنا دیا تھا جبکہ یورپ جو اس وقت ہندوستان کو ایک جاہل اور وحشی ملک خیال

کرتا ہے۔ وحشت و بربریت کا پیکر مجسم تھا کیا ہمارے لیے یہ قدیم مطمح نظر قابل تقلید نہین
بہرحال حقیقی علم کے لیے استاد و شاگرد مین اسی قسم کے باہم خلوص آمیز تعلقات
کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ قدیم ہندوستان کے استاد و شاگرد کے درمیان مین قائم
تھے۔

(۲) بچے کی پرورش وتربیت

یہ مسئلہ جس قدر اہم اور توجہ کے قابل ہے اُسی قدر ہمارے ملک مین اس
کی طرف سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے اسی لیے بچون کی صحت جسمانی مین جو
تمام دماغی اور روحانی ترقیون کا اصلی سرچشمہ ہے قبل از وقت ضعف و انحطاط
پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ دنیا کے لذائذ سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے ہین
اس لیے والدین کا سب سے بڑا مقدم فرض یہ ہے کہ بچون کی صحیح طور پر پرورش
و تربیت کرین تاکہ اُن کی جسمانی صحت برابر قائم رہے اور وہ دماغی مشاغل
کو کامل طور پر انجام دے سکین۔ قدیم ہندوستان مین جس احتیاط جس ساز و سامان
کیساتھ بچون کی پرورش و تربیت کی جاتی تھی انصاف یہ ہے کہ دنیا کی تاریخ مین
اس کی مثال مشکل سے مل سکتی ہے۔

قدیم زمانہ کے رشی جو زندگی کو سب سے زیادہ اہم چیز سمجھتے تھے۔
ان کا اصلی مقصد لذائذ زندگی سے کامل طور پر مستفید ہونا تھا اس لیے اُنھون نے
اس مقصد کے حصول کے لیے بہت سے اصول مرتب کیے تھے۔ جو عملاً ملک مین چارون
طرف رائج تھے۔ سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ بچون کی پرورش اور ابتدائی تربیت
کے متعلق اُنھون نے کیا اصول قائم کیے تھے۔

یہ مسلمہ ہے کہ والدین کا جس قدر اثر بچون کے دل و دماغ پر پڑتا ہے
اتنا کسی کا نہین پڑتا۔ اخلاق و عادات صحت و تندرستی طرز معاشرت غرض والدین
کے حرکات و سکنات کی ایک ایک ادا سے بچہ متاثر ہوتا ہے اس لیے سب سے پہلے
رشیون نے والدین کے طریق زندگی کے متعلق مختلف اصول قائم کیے۔ جن مین ایک
یہ تھا کہ ان کو ایسی غذائین استعمال کرنی چاہین جو ان کے صحت جسمانی کے لیے مضر
نہ ہون۔ کیونکہ بچہ پر والدین کی صحت کا اثر نہایت غیر معمولی ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان

صفات کا تذکرہ ہے جن کی تعلیم بچون کو عہد طفولیت ہی سے دینا چاہیے۔ مثلاً حلم و عفو محبت و ہمدردی خلوص و ایثار زہد و تقویٰ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن بچہ کے اخلاق و عادات پر ماں کا نسبتاً بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔ چنانچہ انگریزی مین ایک قول ہے وہ ہاتھ جو گہوارہ کو جنبش دیتا ہے دنیا پر حکومت کرتا ہے۔ اس لیے رشیون نے بچہ کی اس معلمۂ اول کے طریق معاشرت کی طرف خاص طور پر توجہ کی جس کا اثر وضع حمل ہی کے زمانے سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بچہ کے لیے ان نو مہینون مین ماں جو کچھ کر سکتی ہے دنیا کی کوئی یونیورسٹی یا چیرج زندگی بھر مین بھی نہین کر سکتا۔ ذیل کے اقوال سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ قدیم ہندوستان مین اس مسئلہ کے متعلق لوگون کے کیا خیالات تھے۔

(۱) رحم خراب ہو جاتا ہے اگر ماں اپنی قوت سے زیادہ کام کرتی ہے"

(۲) اگر ماں ادھر اُدھر بیکار گھومتی ہے تو بچہ کمزور ہو جاتا ہے۔

(۳) اگر وہ بہت زیادہ سوتی ہے تو بچہ کاہل ہو جاتا ہے"

(۴) اگر ماں شراب پیتی ہے تو بچہ کا دماغ نہایت پریشان اور منتشر ہو جاتا ہے۔

(۵) ایسی غذاؤن کے کثرت استعمال سے جن سے کوئی خاص بیماری پیدا ہو۔ بچہ مین بھی وہی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔

(۶) اگر حاملہ عورت بادشاہون کے دیکھنے کی خواہش رکھتی ہے تو بچہ نہایت اقبالمند ہو گا اگر وہ جوگیون اور فقیرون کے خیالات مین محو رہتی ہے تو اُس کے بچے نہایت پاکیزہ خو ہون گے۔ اگر بڑے آدمیون کے سوانح زندگی اس کے پیش نظر رہتے ہین تو بچہ بھی اسی قسم کا پیدا ہو گا"

یہ محض زبانی تعلیم نہ تھی بلکہ رشیون نے اس کے متعلق عملی اصول منضبط کیے تھے۔ جن کی باقاعدہ عام طور پر تعلیم دیجاتی تھی۔ چنانچہ رشیون نے زمانۂ عمل کو دو حصون مین تقسیم کر دیا تھا۔ پہلے حصہ مین ماں کی جسمانی طاقت کا خاص طور پر لحاظ کیا جاتا تھا اس زمانہ مین جو حمل سے دوسرے یا تیسرے مہینہ سے شروع ہوتا ہے۔ ماں کو مختلف دوائین دیجاتی تھین۔ اور والدین مجمع عام مین اس اقرار کا اعلان کرتے تھے" کہ وہ اس وقت سے ہمیشہ نہایت پاکیزہ زندگی بسر کرین گے۔ اور ایسی غذائین استعمال

کرین گے جو رحم کے لیے مضر نہ ہون اور اپنے کو اس طرح رکھین گے کہ بچہ کے جسمانی نشو و نما مین کوئی خلل نہ واقع ہو"

دوسرے حصہ مین مان کی دماغی حالت کا خیال کیا جاتا تھا اس زمانہ مین جو رسم ادا کیجاتی تھی وہ یہ تھی۔ شوہر بیوی کے بالون مین کنگھی کرتا۔ بیوی کی نظر ایک پیالہ پر جو پکے ہوے دال چانول سے لبریز ہے جمی ہوئی ہوتی اور وہ اسی مین خاص شکل کا تصور کرتی۔ جس کا اثر وہ بچہ پر ڈالنا چاہتی اور آخر مین تمام فضاے مکانی کو جان نواز نغمون سے جو بلند شریفانہ اور روحانی جذبات سے لبریز ہوتے ہین معمور کر دیتی۔

ان ابتدائی مراحل کے بعد جب بچہ کی پیدائش کا وقت آتا۔ تو ایک وسیع اور ہوادار کمرہ انتخاب کیا جاتا۔ جہان مختلف قسم کے لطیف ساز و سامان موجود رہتے مثلاً خوشبو۔ سفید کپڑے۔ شہد گھی وغیرہ وغیرہ بچہ جب پیدا ہوتا تو وہ ایک ایسے عالم مین قدم رکھتا جس کی آب و ہوا سراپا روحانیت سے لبریز ہوتی پُرجوش دعاؤن کی صدائین بلند ہوتین۔ اور منترون کے مقدس نغمے ہر طرف سے گونجتے۔ غسل کے بعد بچے کے کان مین یہ روحانی فقرہ کہا جاتا۔ تو وید (یعنی علم روحانی) ہے تو اس واسطے پیدا کیا گیا ہے کہ خدا کو جاننے اور پہچاننے کی کوشش کرے۔ اس کے بعد بچہ کے فلاح و ترقی کے لیے دست دعا بلند ہوتا۔ اور یہ رسم ختم ہو جاتی۔

دس دن تک متواتر بچہ کی اخلاقی اور جسمانی فلاح و ترقی کے لیے دعائین مانگی جاتین۔ گیارھوین دن خاندان کے اعزا و احباب جمع ہوتے۔ اور نہایت غور و خوض کے بعد بچہ کا نام رکھتے۔ جو موزون۔ شیرین۔ اور بامعنی ہوتا۔ دو چار مہینے کے بعد ایک دوسرا مفید سبق دیا جاتا۔ جس کی اہمیت کو ہم لوگون نے آج بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔

بچون کی فطرت مین اثر پذیری کا بہت زیادہ مادہ ہوتا ہے پھول پتے سبزہ زار۔ آب رواں۔ چاند سورج۔ ستارے۔ غرض عالم کائنات کی ہر چیز کو بچہ نہایت حیرت آمیز شوق کی نگاہون سے دیکھتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بچون کی یہ قدرتی خواہشات اکثر نہایت بے رحمی کے ساتھ دبا دی جاتی ہین۔ اور ایک مدت دراز تک ان کو ایک تنگ و تاریک کوٹھری مین زندگی بسر کرنا ہوتی ہے جہان روشنی اور ہوا کا بھی مشکل سے

گزرہوتا ہے۔ لیکن رشیون کو یہ خوب معلوم تھا کہ بچون کے قدرتی خواہشات کے دبا دینے سے ان کے نشوونما مین نقص آجاتا ہے۔ اس بنا پر رشیون نے اس مسئلہ پر خاص زور دیا ہے یعنی والدین کا یہ فرض ہے کہ وہ بچون کو کھلی ہوئی ہوا مین باغ وسبزہ زار وغیرہ کی سیر کرائین اور اُن کی توجہ کو قدرتی چیزون کی طرف مبذول کرائین۔ تاکہ اُن کے حواس کی شروع ہی سے تربیت ہوتی رہے۔ اور ان مین صحیفۂ قدرت کے مطالعہ کا مذاق پیدا ہوجائے۔ اور گرد وپیش کی چیزون کی ماہیت پر غور کرسکین غرض اس زمانہ سے برابر مناظر قدرت کی سیر بچون کے ابتدائی تعلیم و تربیت کا ایک بہت بڑا جزو خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن آج کل کے بچون کی تو یہ حالت ہو کہ ایک مدت تک بجز ان کے گود کے اور کچھ دیکھنے نہین پاتے۔ ہوا تو ان کے لیے زہر سے بڑھ کر ہے۔ اسی خانہ نشینی کا نتیجہ ہے کہ تھوڑے ہی دنون مین ان کے قواے جسمانی مضمحل ہوجاتے ہین۔ اور قبل از وقت موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

جب بچہ چھ مہینے کا ہوتا۔ تو ایک دوسری رسم ادا کی جاتی جس کے دوران مین بچہ کو نہایت صاف اور ہلکی غذائین دیجاتین۔ اور کبھی کبھی دو چار الفاظ سکھائے جاتے۔ والدین اِس بات کا خاص طور پر خیال رکھتے کہ لکنت وغیرہ شروع ہی سے دور کردی جائے۔ اور مختلف حروف کا صحیح طور پر تلفظ کرین۔ اِن باتون کے علاوہ افسانہ گوئی بچون کی تعلیم و تربیت کا ایک خاص جزو خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ وید مین ہے کہ والدین کو بچون کو ایسے قصے سنانا چاہیے جن سے ان مین علم پرستی کا ذوق پیدا ہو۔ اور ان کے اخلاق پر اچھا اثر پڑے۔

غرض اسی طرح آٹھ برس تک بچہ کی تربیت کا سلسلہ جاری رہتا۔ جبکہ وہ باقاعدہ درسگاہ مین داخل ہوتا۔ وقت معینہ پر بچہ ایک کشادہ اور ہوادار کمرہ مین لایا جاتا۔ جس کے وسط مین ایک بلند منبر ہوتا جس پر خوشبودار لکڑیان نہایت باقاعدہ شکل مین رکھی رہتین۔ منبر کے چارون طرف گھانسون کی بنی ہوئی محرابین ہین۔ جس کے اردگرد پھولون کے ہار آویزان رہتے۔ کمرے کی دیوارین مختلف قسم کی تصویرون اور عالمانہ اقوال سے آراستہ رہتین فرش پر نہایت خوشنما دریان بچھی ہوتین منبر کے ایک طرف ایک شخص بیٹھا ہوا

نظر آتا۔ جس کی صورت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ علم کا مخزن ہے۔ اس کا دل نہایت شریفانہ اور محبت آمیز جذبات سے لبریز ہے۔ اس کی فطرت نہایت بلند ہے اسکی روح نہایت روشن اور پاکیزہ ہے۔ اس کے پیچھے اس کے شاگردون کی قطارین نظر آتین۔ جب تمام لوگ بیٹھ جاتے۔ تو سب سے پہلے اس خاموشی کے عالم مین منترون کی آواز بلند ہوتی۔ جس کے ساتھ ساتھ باجون کے بھی راگ بلند ہوتے۔ ان نغمون کے بعد مقدس آگ روشن کیجاتی۔ شاگرد اُستاد کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتا۔ اور نہایت ادب کے لہجے مین کہتا۔ یہ خدا کو پہچاننے اور علم روحانی حاصل کرنے کے لیے اے آقا! مین تیرے پاس آیا ہون اُستاد نہایت محبت آمیز لہجہ مین مناسب جواب دیتا۔ اور پھر دونون دعا کرتے۔ کہ "اے خدا! تو ہمکو توفیق دے کہ ہم اپنے وعدون کو برابر قائم رکھین۔ اس کے بعد آچاریہ یعنی اُستاد برہمچاری یعنی شاگرد کو بزرگانہ نصیحتین کرتا۔ اور اس کے فلاح و ترقی کے لیے دعا کرتا۔ اور یہ شاندار رسم ختم ہوجاتی۔

دوسرے دن شاگرد اُستاد کے آستانہ پر حاضر ہوتا۔ یہان اسکو ایک نیا عالم نظر آتا۔ نہ بلند دیوارین ہوتین۔ نہ فرش زرین نہ ظاہری نقش و نگار۔ لیکن ایک مقدس ذات ہے۔ جو دنیاوی جاہ و جلال سے بے نیاز ہے جس کی نگاہین روحانیت سے لبریز ہین۔ سب سے پہلے اُستاد شاگرد کو وید کے مقدس ترین دعاؤن کی تعلیم دیتا اور تھوڑی دیر تک اپنا روحانی اثر ڈالنے کے لیے شاگرد کی آنکھون کی طرف توجہ قلبی کے ساتھ دیکھتا رہتا۔ اس کے بعد والدین بچہ کو شفیق اُستاد کے حوالہ کرکے رخصت ہوجاتے۔ اور اب بچہ اُستاد کی محبت آمیز نگاہون کی گود مین پرورش و تعلیم پاتا۔

بے شبہہ جدید تمدن نے آج علوم و فنون کے ہزارون دروازے کھول دیے ہین۔ لیکن یہ محبت یہ خلوص یہ ہمدردی یہ اطاعت آجکل کے استاد و شاگرد مین ہم کو کہان نصیب ہوسکتی ہے! یہ اسی باہمی محبت و اطاعت کا اثر تھا جو قدیم زمانہ مین شاگرد کو اُستاد کا عکس کامل بنا دیتا تھا۔ اور آج بھی ہم دیکھتے ہین کہ ملک مین قدیم طرز تعلیم نے جو دماغ پیدا کیے ہین جدید تعلیم بہت کم افراد ایسے پیدا کر سکی ہے! علمی دنیا آج ماتم کررہی ہے کہ اب قدیم زمانہ کے دل و دماغ کے لوگ پیدا نہین ہوتے۔ کیا موجودہ نصاب تعلیم سے جو ہماری یونیورسٹیون مین رائج ہے۔ یہ امید کی جاسکتی ہے کہ ارسطو

منو۔ بو علی سینا۔ غزالی۔ ایسے لوگ پیدا ہون؟ بے شبہہ ان افراد کا دوبارہ پیدا ہونا بالکل ممکن ہے۔ اگر ہم اپنے بچون کی پرورش و تربیت اسی طریقہ پر کرین۔ جیسا قدیم ہندوستان مین یا اسلام کے عہد اقبال مین رائج تھا۔ اس سے یہ ہمارا مطلب نہین کہ ہم حرف بحرف قدیم طرز تعلیم کے مقلد بن جائین۔ ممکن ہے کہ بہت سی ایسی باتین ہون جو موجودہ رفتار زمانہ کے لحاظ سے عملی صورت اختیار نہ کر سکین۔ تاہم جو کچھ اس مین اور جدید ضروریات کے مطابق ہے اس کی تقلید سے ہم کو بہت کچھ فائدہ پہونچ سکتا ہے بچون کی ابتدائی پرورش و تربیت۔ شاگرد و استاد کے باہمی مخلصانہ تعلقات ان چیزون کی اہمیت سے کون شخص انکار کر سکتا ہے؟

اصول تعلیم

ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ قدیم استاد کے پیش نظر کیا کیا اصول ہوتے تھے اور ان مین وہ کہان تک عملاً کامیاب ہوے ہم کہہ چکے ہین کہ سب سے پہلے شاگرد استاد سے مخاطب ہو کر یہ کہتا تھا" خدا کو پہچاننے اور علم روحانی کو حاصل کرنے کے لیے اے آقا! مین تیرے پاس حاضر ہوا ہون استاد جواب دیتا ہے کہ اے عزیز بچے مین تجکو خدا کے سپرد کرتا ہون کہ وہ تجکو اپنی روشنی سے فیضیاب کرے۔ اس کے بعد جن علوم کی تعلیم کا اُستاد وعدہ کرتا ہے ان مین سب سے پہلے پُران ودیا ن ہے (یعنی علم روحانی)

غرض ان تمام باتون سے یہ ظاہر ہے کہ "تزکیہ نفس" استاد کا سب سے بڑا مطمح نظر ہے یعنی سب سے پہلے طلبہ کے اخلاق کی تہذیب و تنقیح کی جائے۔ لیکن آج اُس کا نام و نشان بھی دکھائی نہین دیتا ہے۔

دوسرا اصول جس کو معلم شاگرد کے سامنے ہمیشہ پیش نظر رکھتا وہ تمام ذی روح مخلوق کے ساتھ محبت و ہمدردی رکھنا ہے۔ آچاریہ شاگرد سے کہتا ہے "مین تجکو خدا کے سپرد کرتا ہون کہ تو تمام ذی روح کائنات کو امن دے" اس خیال کو بار بار شاگرد کے سامنے دہراتا ہے اور خود بھی اس پر عمل کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ علما کی مہمان نوازی مین مصروف رہتا ہے اور جب کبھی آس پاس کر رہنے والون پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ سب سے پہلے مع اپنے شاگردون کے

اُن کی مدد کے لیے اُس مقام پر موجود ہو جاتا ہے۔ اس عملی تعلیم کا جو نتیجہ ہوتا تھا۔ وہ ظاہر ہے۔ طلبہ مین اوائل عمر ہی سے ہمدردی اور محبت کی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی اور وہ عالم کائنات کی ہر جاندار شے کو محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اسی بنا پر قدیم ہندو جانورون کے گوشت سے سخت متنفر تھے۔ اور یہ خیال آج بھی ہندوؤن مین بہت بڑی حد تک قائم ہے۔

اِس کے علاوہ طلبہ مین حقوق تمدن اور وطنیت کا بھی احساس پیدا کیا جاتا تھا چنانچہ جب شاگرد استاد کے گھر مین داخل ہوتا تھا تو دعا کرتا تھا کہ اے خدا تو مجکو توفیق دے کہ مین اپنے خاندان اور اپنی قوم کے علاوہ دوسرون کی بھی امداد و خدمت کر سکون "

حق پرستی ایک دوسرا بہت بڑا اصول ہے جو ہمیشہ اُستاد و شاگردون کے پیش نظر رہتا تھا چنانچہ پانچ بار اُستاد و شاگرد اس مقولہ کو دہراتے ہین "خدا کرے کہ ہم جھوٹی باتون کو چھوڑ دین۔ اور حق کو تلاش کرین۔ علاوہ اِس کے باپ اپنی وداعی تقریر مین بچہ کو حق پرستی کے متعلق نہایت پرجوش الفاظ مین نصیحت کرتا ہے۔ اس تعلیم کا جو نتیجہ تھا اس کا اندازہ گذشتہ تاریخ سے ہو سکتا ہے لوگ نہایت نیک نیتی سے کاروبار کرتے تھے نہ جھوٹے وعدہ کرتے تھے۔ نہ مختلف جرائم کے مرتکب ہوتے تھے۔

علاوہ اس کے طلبہ مین شیفتگی حسن کا بھی مذاق پیدا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ آغاز تعلیم کے وقت شاگرد دعا کرتا ہے کہ اے خدا تو مجکو اپنے سایہ رحمت مین لیکر اس قابل بنا کہ مین خوبصورت مناظر کی روحانی کیفیت کو محسوس کر سکون" اس میدان مین قدیم ہندوؤن نے جو حیرت انگیز کمالات حاصل کیے۔ ان کا اندازہ ہندوستان کے کھنڈرون مین صنعتگری سنگتراشی وغیرہ کے باقیماندہ نمونون سے ہو سکتا ہے۔ موسیقی اور شاعری تو ہندوستان کے خمیر مین تھی۔

استاد کی توجہ آج کی طرح شاگرد کی محض دماغی تربیت تک محدود نہ تھی بلکہ طلبہ کی جسمانی تربیت و فلاح بھی استاد کا ایک بہت بڑا فرض تھا۔ چنانچہ استاد ملاوٹ تندرستی اعضا قوت وغیرہ وغیرہ کے بیش بہا فوائد کو ہمیشہ شاگرد کے پیش نظر کرتا رہتا تھا۔ اور ان کو جسمانی ورزشون کی ترغیب دیتا رہتا تھا۔ یہ اسی

حفظان صحت کا اثر تھا کہ لوگ قدیم زمانہ مین سیکڑون برس تک جیتے تھے۔ آج کی طرح وہ وہان بان نہین ہوتے تھے۔

آخر مین یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اُستاد عام تعلیم کے ساتھ ساتھ عملی فنون کی بھی تعلیم دیتا تھا تاکہ وہ دنیا مین بہت آرام سے زندگی بسر کرسکین اور اُن کو کسب معاش کے لیے در بدر کی خاک نہ چھاننا پڑے چنانچہ ہندؤن کے قدیم ترین کتابون مین جدید تمدن کے اکثر عملی فنون کا تذکرہ موجود ہے۔ جن مین ہندؤن کو معتدبہ کمال حاصل تھا۔ مثلاً تجارت کیمیا پارچہ بافی جراحی وغیرہ وغیرہ اس لیے ان کو تعلیم کسب معاش کا کوئی اندیشہ نہین ہوتا تھا۔ وہ ایک طرف علم کو خالص علمی حیثیت سے پڑھتے تھے اور دوسری طرف معاش کے لیے دیگر فنون کو حاصل کرتے تھے۔ لیکن آج یہ حالت ہے کہ ایک مدت کے بعد ہمارے طلبہ کالجون سے نکلتے ہین تو بجاے علم کی خدمت کے معاش کی فکر دامنگیر ہوجاتی ہے اور در بدر کی ٹھوکرین کھاتے رہتے ہین۔

یہ تھے اصول قدیم تعلیم کے جن سے آج ہماری یونیورسٹیان بالکل ناآشنا ہین کیا اُستاد کا فرض محض اتنا ہی ہے کہ وہ طلبہ کو چند گھنٹے تعلیم دے کر الگ ہوجائے؟ کیا اُن کے اخلاق کی تربیت اس کے فرائض سے خارج ہے؟ کیا قدما کے یہ زرین اصول ہمارے جدید اساتذہ کے لیے قابل تقلید نہین ہین؟ مانا کہ آج ہمارے دل و دماغ علم و فنون سے بھر دے جاتے ہین۔ لیکن ایسے علم سے ہم کو کیا فائدہ جبکہ ہم اخلاقی درجہ مین حیوانون سے بدتر ہین ہم کو ایسے انسانون کی ضرورت نہین جو علمی منبر پر نہایت مقدس صورت لیکر نمودار ہوتے ہین۔ لیکن جب شبستان عیش مین بیٹھے ہین تو ایسا کھل کھیلتے ہین کہ شرم و حیا آنکھین بند کرلیتی ہین۔ ناظرین خود اندازہ کرسکتے ہین کہ ایسے لوگون کا طلبہ پر کیا اخلاقی اثر پڑ سکتا ہے جو خود محتاج تربیت ہون اہم اپنی حقیقی فلاح و ترقی کے لیے ان خاک نشینون کے پر توفیض کے محتاج ہین جو ایک طرف علم و فن کے سراپا مثال ہین اور دوسری طرف فضائل اخلاق کے پیکر مجسم۔

۱۹۲۷ء کا خاتمہ

اے ۱۹۲۷ء! تو ہمارے کام ادھورے چھوڑ کر خاموشی سے چل دیا تو جب آیا تھا تو ہم کو تجھ سے بہت سی امیدین تھین اور ہمین تیرے ساتھ ایسا خلوص تھا کہ ہم سمجھتے تھے کہ تیرے پیش رو نے جو ظلم و ستم ہم پر کیا ہے وہ تیرے عہد مین مبدل بہ خوشی ہو جائے گا۔ مگر افسوس تو نے اپنے ۳۶۵ دن مین کوئی بات بھی ایسی نہ کی کہ ہم تیرا ذکر اچھے الفاظ مین کرین مرنیوالے کو بُرا کہنا یا اُس کی برائیون کا اظہار کرنا مذہباً برا ہے۔ لہذا ہم ایسے واقعات سے چشم پوشی کرتے ہین اور اُن کے تذکرے سے اپنے صفحات گندہ نہ کرین گے۔ تاہم تیرے عہد کے اُن واقعات کا ذکر کرنا جو تو نے رسالۂ دلگداز کے ساتھ کیے بہت ضروری ہین۔ تیرے سارے عہد مین رسالۂ دلگداز کی اشاعت کا انتظام خراب رہا اور ایک رسالہ بھی وقت پر نہ شائع ہو سکا۔ جنوری و فروری کے رسالے اپریل مین اور مارچ و اپریل کے رسالے مئی مین شائع ہوے۔ اس کے بعد خیال تھا کہ مئی کا رسالہ مئی مین شائع ہو جائے گا۔ اور انشاءاللہ آئندہ ہر رسالہ اپنے وقت پر نکلے گا مگر ایسا نہ ہوا بلکہ پورے چار ماہ کے بعد مئی و جون و جولائی کے مشترکہ رسالے ماہ اکتوبر مین نکالنا پڑے۔ اور پھر شروع دسمبر مین اگست و ستمبر و اکتوبر نکلے۔ ان رسالون کے شائع ہو جانے سے خیال تھا کہ آخر دسمبر یا شروع جنوری مین بقیہ دو رسالے نکال کر ۱۹۲۸ء کا خیر مقدم کرین گے مگر یہ بھی نہ ہوا اور تیرے عہد کا یہ بقیہ کام تیرے جانشین کے دوسرے مہینے مین انجام پایا۔ اے ۱۹۲۷ء! اگر تیرے عہد مین ہمارا کام وقت پر ہوتا تو ہمین دلگداز کے خریدار کافی ملتے۔ اور تیرے پیش رو سال نے جو ستم آرائی ہم پر کی تھی

اس کی کچھ تلافی ہو جاتی۔

تاہم اس معاملے مین ہم اس قدر تیرے ضرور شکر گذار ہین گو جو مضامین تیرے عہد مین دلگداز کے صفحون پر شائع ہوے وہ عام طور پر پسند کیے گئے اور اکثر ناظرین کو تو یہ دھوکا ہوا کہ یہ مضامین مولانا شرر مرحوم ہی کے قلم سے نکلے ہوے ہین۔ اور یہ ہمارے واسطے فخر ہے کہ ہمارے ناچیز مضامین مین قدر دانون کو وہی لطف آیا جس کا چسکا مرحوم نے پیدا کر دیا تھا اور جس کے مزے سے لطف اُٹھانے کے واسطے ناظرین دلگداز ہمیشہ کے واسطے مایوس ہو چکے تھے۔

یہ تو تیرا وہ کارنامہ تھا جو تو نے ہمارے ساتھ کیا اب چند اپنے وہ کارنامے بھی سُن لے جو تو نے ہمارے ملک یا ہمارے شہر کے ساتھ کیے ملک کے ساتھ جو تو نے سب سے بُرا سلوک کیا وہ یہ ہے کہ تیرے عہد مین اسٹیچوٹری کمیشن کے نام سے ایک کمشن منعقد کیے جانے کی تجویز ولایت مین پاس ہوئی۔ اور اس کمیشن کے پریسیڈنٹ سائمن صاحب منتخب کیے گئے۔ اور چونکہ اس کمیشن مین کسی ہندوستانی ممبر کا انتخاب نہین کیا گیا اور کوشش کی گئی کہ یہ کمیشن ہندوستانی عنصر سے بالکل پاک و صاف رہے لہذا ہندوستان کی اکثر غیور قومون نے اسے اپنی کھلی ہوئی توہین و تذلیل سمجھی اور سارے ملک مین ایک ہنگامہ مچ گیا۔

ہمارے برادران وطن نے مشترکہ فیصلہ کیا کہ کمیشن کا بائیکاٹ کیا جائے اور سارا ہندوستان اس کمیشن سے بالکل الگ تھلگ رہے۔ انھون نے اپنی یہ کوشش پوری کرنے کے واسطے مسلمان لیڈرون کو اپنی طرف کھینچا۔ اور پنڈت مدن موہن مالوی کے سے زبردست متعصب لیڈر نے بجاے نفاق کے اتفاق کا ترانہ گانا شروع کیا ہمارے پرانے رہبرون کو اپنے افسون سے تسخیر کیا اور انھون نے اُن کے ساتھ ہمنوا ہو کے شہرون شہرون بائیکاٹ کا نغمہ الاپا۔ مگر عام مسلمان اُن کے فقرون مین نہ آئے تیرے اِس کارنامہ کا جو ناپاک اثر ہو گا۔ اُس کا حال تو تیرے جانشین کے عہد مین کھلے گا۔ مگر تیرے ہی عہد مین جو ظاہر ہوا وہ کم نہین ہے یعنی مسلمانون کے دو حصے ہو گئے ایک حصہ تو شد و مد کے ساتھ کمیشن کے بائیکاٹ پر تلا ہوا ہے اور دوسرا حصہ اس کے خلاف کمیشن کا خیر مقدم کرنے مین چوٹی سے ایڑی تک کا زور لگا رہا ہے۔ اسی جوش نے مسلم لیگ کے جو مسلمانون

کی مشترکہ آواز تھی دو ٹکڑے کردے اور اس کا ایک اجلاس ملک کے مشرقی سرے کلکتہ مین
اور دوسرا اجلاس ملک کے مغربی سرے لاہور مین منعقد ہوا اور ان دونون نے ایک
دوسرے کے خلاف رزولیشن پاس کرکے اپنی عظمت و قوت فنا کردی۔

اِس معاملے مین ہندؤن کو بھی تو نے کورا نہین چھوڑا تو نے ان کی قومیت کو بھی
جس کا وہ زور شور سے نعرہ لگایا کرتے تھے اور اپنی زیادتی تعداد پہ نازان تھے
اچھوتون کو اُن سے علیحدہ کرکے مٹا دیا۔ اور وہ اپنے حقوق علیحدہ لینے کے واسطے کمیشن
سے ہر طرح کا تعاون کرنے کو طیار ہین۔

اِن اہم واقعات کو ہز اکسیلنسی لارڈ ارون بہادر ویسرائے
کشور ہند نے پہلے ہی سے سمجھ کر ہندوستان کے نامی نامی لیڈرون کو طلب کرکے مفاہمت
کی ایک کمیٹی قائم کی مگر تو نے ان کی بھی نہ چلنے دی اور وہ کمیٹی بجاے اس کے کہ کسی
اچھے نتیجے پہ پہونچے۔ ایک دوسرے سے نفرت کا سبق لے کر برخاست ہوئی۔

تیرے عہد کا یہ ناپاک واقعہ تو کسی ہندوستانی کے دل سے محو نہ ہوگا
کہ تیرے پر آشوب زمانے مین امریکا کی ایک ناپاک عورت سیر کے بہانے سے ہندوستان
مین آئی اور یہان سے ایک ایسی زہریلی کتاب کا مواد فراہم کرنے گئی جس نے
ہندوستانیون کے ماتھے پہ ہمیشہ کے واسطے کلنگ کا ٹیکہ لگا دیا۔ اس کتاب کا نام
اس نے مادر انڈیا رکھا اور اس مین اُس نے کچھ ایسے بیہودہ خیالات ہندوستانیون کی
طرف منسوب کیے تھے کہ اُس کی شہرت نے چند ہی دنون مین اُس کے کئی اڈیشن
چھپواے۔ اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب انھین چند دنون مین دس لاکھ سے زیادہ
شایع ہو چکی ہے۔ ہندوستانی بھائی اِن لغو اور بیہودہ خیالون کو اپنی طرف منسوب
دیکھ کر گھبراے۔ اور اس کے جواب مین فادر انڈیا نام ایک کتاب اور دوسری اور اور
کتابین بھی لکھین۔ مگر ہندوستان کی عزت مین جو بٹہ اس کتاب نے ساری دنیا
کے سامنے لگا دیا وہ کسی طرح نہین مٹ سکتا۔

ہندوستان مین بھی اس کتاب کے بیسیون ترجمے ہوے مگر مکمل ترجمے بہت کم
ہین اگر ناظرین دلگداز پسند کرین اور انھین اس کتاب کا صحیح ترجمہ دیکھنے کا شوق ہو
تو ہم اپنے شہر کے نامور ادیب جناب مرزا محمد عسکری صاحب بی۔ اے۔ کو اس کے ترجمہ

کی تکلیف دین اور اس کے اجزا ماہ بماہ دلگداز مین شائع کر دیا کرین۔ یہ ترجمہ دلگداز کے ذریعہ سے گو دیر مین شائع ہو گا۔ مگر انشاء اللہ بہت ہی صحیح اور بہت ہی دلچسپ ہو گا۔

اے ۱۹۲۷ء! تیری ہم کیا کیا شکایتین کرین تو نے اپنے آخری عہد مین چلتے چلاتے ہمارے محبوب ترین لیڈر مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خان صاحب دہلوی کا اچانک چراغ زندگی گل کر دیا۔ جس سے ہماری رہی سہی قوتون کا خاتمہ ہو گیا۔ ان کی موت کسی ایک خاندان کا ماتم نہین ہے بلکہ سارے ہندوستان کے طول و عرض مین صف ماتم بچھی ہے اور جو ہے اے مسیح الملک کا رونا رو رہا ہے۔ اور اب ہندوستان مین اُن کی سی ہستی کا پیدا ہونا محال معلوم ہوتا ہے۔ تیرے ہی عہد مین ہمارے شہر کے نامی گرامی حکیم اور ہندوستان کے سرمایۂ ناز طبیب جناب حکیم عبد الحفیظ صاحب قبلہ فالج مین مبتلا ہوے اور اُٹھنے بیٹھنے سے معذور ہو کر گوشۂ تنہائی مین بیٹھ رہے ہے۔ اس وقت ساری خلقت ان کی مسیحائی سے محروم ہو کے دست دعا اُٹھائے ہوے ہے کہ یا الٰہی تیرا جانشین ۱۹۲۸ء اس ذات ستودہ صفات کے واسطے بابرکت ثابت ہو۔ اور ساری خلقت ان کے فیض سے دوبارہ بہرہ یاب ہو۔

تو نے خاص ہمارے شہر کے واسطے بھی اچھا سلوک نہ کیا۔ تیرے عہد اولین مین ہماری مینوسپلٹی کے ہندو مسلمان ممبر بہت ہی یکجہتی سے اپنا کام انجام دے رہے تھے۔ مگر تجھے یہ پسند نہ آیا اور ان مین بھی خواہ مخواہ میلاد شریف کا رزولیوشن پیش کرا کے آگ لگا دی۔ مسلمان ممبرون سے استعفے دلوائے۔ شہر کے مسلمانون سے جلسے کرا کے حکام وقت سے خوشامد کرائی مگر اُن کی ایک جائز خواہش جو سالہا سال سے بلا کسی جھگڑے کے پوری ہوتی چلی آتی تھی کسی طرح نہ پوری ہونے دی۔

تیرے عہد کا یہ آخری کارنامہ بے شک یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہز مجسٹی شاہ امان اللہ خان صاحب سیاحت یورپ کے ضمن مین چمن اور کراچی ہوتے ہوے بمبئی تشریف لائے اور جامع مسجد بمبئی مین نماز جمعہ پڑھا کے امامت اور خطابت کا حق ادا کیا اور یہ فرض ادا کر کے ہندوستان کے ان دور دراز کے لوگون کو جو ایک مدت سے اس بات کے متمنی تھے کہ کسی با اختیار والی ملک کے پیچھے نماز پڑھین مستفید کرایا۔ اور ہندوستان کو اسلامی مساوات کا بھولا ہوا سبق کہ خدا کی درگاہ مین شاہ و گدا کا ایک رتبہ ہے

یاد دلا دیا۔ مگر اس معاملے مین بھی تو اپنی فطرتی شرارت سے باز نہ آیا اور ہمارے دیسرائے
ہز اکسلینسی لارڈ ارون صاحب بالقابہم کو بیمار ڈال کے شاہ افغانستان کے استقبال سے محروم رکھا
اے ۱۹۲۷ء جا۔ اب ہم تیری زیادہ شکایتین کر کے دلگداز کے صفحات کو گندہ کرنا نہین چاہتے اور
تیرے بقیہ ناپاک کارنامون پہ خاک ڈال کر تجھ سے رخصت ہوتے ہین۔

قدیم ہندوستان مین تعلیم

طریقہ تعلیم

اس عنوان کے تحت مین ہم اُن تمام مختلف قوتون کا تذکرہ کرین گے جن سے طلبہ کو انسان بنانے مین کام لیا جاتا تھا۔ مثلاً استاد کتاب مدرسہ طلبہ کے دنیوی تعلقات وغیرہ وغیرہ۔ یہ مسلمہ ہے کہ اُستاد کی ذات تعلیم کا عنصر اعظم ہے دنیا مین کوئی شخصیت اس سے بڑھ کر طلبہ کے اخلاق پہ اثر نہین ڈال سکتی۔ اِس لیے ضرور ہے کہ استاد کے اِنتخاب و تقرر مین نہایت احتیاط سے کام لیا جاے۔ طلبہ کی آیندہ زندگی کا فیصلہ اسی کے ہاتھ مین ہے خواہ وہ اُس کو بگاڑے یا بناے یہی وجہ ہے کہ قدما کا معیار اس بارے مین بلند ہوتا تھا۔ چنانچہ ہم ان صفات کا اوپر تذکرہ کر چکے ہین جو استاد کے لیے نہایت ضروری خیال کیجاتی تھین۔ کیا یہ قدیم معیار ہمارے جدید اساتذہ کے لیے شمع راہ نہین بن سکتا؟ قدیم ہندوستان مین اُستاد یا تو برہمن ہوتے تھے جو علم و فضل کے لحاظ سے خاص درجہ رکھتے تھے۔ یا وہ تارکین دنیا جو اواخر عمر مین صحرانشین ہو جاتے تھے۔ یہ صحرانشین اس امر سے خوب واقف ہوتے تھے کہ بچون کی پرورش اور اُن کے قواے دماغیہ کی تربیت کس طرح کرنی چاہیے۔ ان تجربہ کار بزرگون کی صحبت سے طلبہ کے اخلاق پر نہایت قوی اثر پڑتا تھا۔

قدیم کتابون کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ہندوستان مین دو قسم کے تعلیم انسٹیٹیوشن قائم تھے ایک تو وہ جن مین مختلف علوم کے اکسپرٹ ماہرین فن درس دیتے تھے جن کے اخراجات خود حکومت ادا کرتی تھی۔ ان درسگاہون مین منتہی طلبہ تعلیم پاتے تھے دوسرے وہ جن مین معمولی طلبہ پڑھتے تھے اور نسبتاً ان کی تعداد بہت زیادہ

ہوتی تھی۔

چونکہ استاد عموماً صحرانشین ہوتے تھے۔ اس لیے مدرسے زیادہ تر جنگلون کے
پاس واقع ہوتے تھے آرام کے لیے کسی دریا چشمہ تالاب یا نہر کی قربت کا رکھا جاتا تھا۔
غرض ایسے مقام پر جہان ہر قسم کے دلفریب قدرتی مناظر ہر وقت پیش نظر ہون۔ ملک
کے نوجوان طلبہ تعلیم پاتے تھے کیا ہمارے جدید ماہرین تعلیم اس مسئلہ پر غور کر سکتے ہین کہ
ایسے پر فضا مقام پر تعلیم پانے سے طلبہ کے دل و دماغ پر کس قدر قدرتی اور روحانی اثر
پڑ سکتا ہے۔

اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ چونکہ طلبہ شہر سے الگ جنگلون مین بسر کرتے تھے
اس لیے وہ انسانی حسن و شعور سے بے بہرہ ہوتے۔ اور سوسائٹی کے نظام اخلاق سے
ناآشنا ہوتے تھے۔ بے شبہہ رہبانیت انسانی ترقی کے لیے سم قاتل ہے۔ لیکن قدیم استاد عام
تعلیم کے ساتھ اس بات کی بھی تعلیم دیتے تھے کہ طلبہ کو دنیا مین کس طرح رہنا چاہیے؟
ان کو آپس مین کس طرح برتاؤ کرنا چاہیے؟ ان کے باہمی حقوق و فرائض
کیا ہین؟ اس لیے اگرچہ طلبہ دنیا سے الگ رہتے تھے۔ تاہم دنیا کے
اخلاق و معاشرت سے بالکل ناواقف نہ تھے وہ اکثر شہر مین مختلف اغراض سے آتے جاتے
رہتے تھے۔ اور جب کسی گاؤن پر مصیبت آتی تو یہی صحرانشین سب سے پہلے غریبون کی
مدد کے لیے تیار ہو جاتے۔ ان حالات کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ باوجود گوشہ نشینی
کے ان مین حقوق تمدن کا احساس موجود تھا۔ صبر و تحمل حلم و عفو محبت و ہمدردی خلوص
و ایثار انسانی کیرکٹر کے عناصر اصلی ہین جس کمال کے ساتھ یہ صفات روحانی ان بادیہ
نشینون مین موجود تھین کیا اس کا دسوان حصہ بھی کسی جدید تعلیم یافتہ مین جو ظاہری
آرائش و زینت کے لحاظ سے مہر زرنگار سے کم نہین پایا جاتا ہے؟ غرض قدیم
ہندوستان مین رشیون نے حیات انسانی کا جو مرقع تیار کیا تھا۔ اس مین دین و دنیا
دونون کی جھلک نمایان تھی۔

طلبہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ پیدل چلتے تھے۔ نہایت سادہ
لباس پہنتے تھے سخت بچھونون پر سوتے تھے۔ سادہ غذائین استعمال کرتے تھے۔ شراب
گوشت مچھلی مرچ وغیرہ سے سخت پرہیز کرتے تھے۔ رقص و سرود کی محفلون مین قطعاً

شریک نہین ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ ان سے اور بہت سے چھوٹے چھوٹے کام لیے جاتے تھے۔ جن کے نام سے بھی شاید آجکل کے طالب علمون کو عار آئے گا۔ مثلاً جھاڑو دینا۔ برتن صاف کرنا۔ پانی نکالنا۔ لکڑی کاٹنا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہی چھوٹے چھوٹے کام کرنے والے آگے چلکر افق علم و اخلاق پر آفتاب بن کر چمکتے تھے اگرچہ یہ سادگی کسی قدر حد اعتدال سے متجاوز تھی تاہم جو اصول پیش نظر تھا یعنی طلبہ شروع ہی سے محنت و جانفشانی کے خوگر ہو جائین۔ اس کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے؟ ہم کو ایسے ناز و نعم سے کیا فائدہ۔ جبکہ ہم تھوڑے ہی دنون مین خدا کی اس اعلیٰ ترین نعمت سے محروم ہو جاتے ہین۔ جس پر تمام انسانی ترقیون کا دار و مدار ہے۔ یعنی صحت جسمانی۔

اس سلسلہ مین طریقہ تعلیم کے متعلق ابھی کچھ کہنا ضروری ہے بعض لوگون کا خیال ہے کہ قدیم ہندوستان کی تعلیم بالکل ابتدائی ہوتی تھی یعنی درس مین بہت کم کتابین رہتی تھین لیکن یہ بالکل واقعہ کے خلاف ہے قدیم استاد کے سامنے ہر فن کی سیکڑون کتابین ہوتی تھین لیکن وہ اس کتابی علم کو بہت زیادہ وقعت نہین دیتے تھے ضروری مواقع پر کتابون سے کام لیتے تھے ورنہ وہ ہمیشہ طلبہ کی تعلیم مین دو چیزون کو خاص طور پر کام مین لاتے تھے ایک تو اپنا زبردست حافظہ جس سے وہ خود اپنی رہنمائی اور طلبہ کو ان کے اسلاف کے خیالات سے آشنا کرنے کے لیے کام لیتے تھے۔ اور دوسرے گرد و پیش کے حالات و واقعات جن سے وہ طلبہ کی قوت مشاہدہ کی تربیت مین کام لیتے تھے۔ حقیقت مین یہی قوت مشاہدہ علم کا حقیقی منبع ہے جس سے ہمارا جدید تعلیم یافتہ گروہ بالکل بے بہرہ ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی نظر باوجود اس قدر درس و تعلیم کے محض سطحی اور عامیانہ ہوتی ہے اور حقائق اشیا تک پہونچنے سے قاصر رہتی ہے۔ اس بنا پر قدیم استادون کی خاص کوشش ہوتی تھی کہ طلبہ بہ نسبت کتاب کے زیادہ تر صحیفۂ قدرت کا مطالعہ کرین تاکہ ان مین ذاتی غور و خوض کا مادہ پیدا ہو۔ اور ہر ہر قدم پر کتاب کی رہنمائی کے محتاج نہ رہین۔ چنانچہ وہ اکثر میدانون اور جنگلون مین تنہا چھوڑ دیے جاتے تھے جہان وہ عالم قدرت کی ہر چیز کو توجہ کے ساتھ دیکھتے تھے اور ان پر ایسے اسرار منکشف ہوتے تھے جو کتابی علم کے دائرے سے بالکل خارج ہین۔

علاوہ اس کے استاد اُن کو اکثر جسمانی ورزشون کی بھی تعلیم دیتا تھا تاکہ اُن کی صحت مین خلل نہ آنے پائے۔ غرض ایسے استاد کے دامن شفقت مین طلبہ کم از کم چوبیس برس

اور زیادہ سے زیادہ اڑتالیسوین سال تک تعلیم و تربیت پاتے تھے تعلیم ختم ہونے کے بعد شاگرد اُستاد کی خدمت سے رخصت ہوتا ہے۔ اور نہایت ساز و سامان کے ساتھ گھر واپس لایا جاتا ہے۔ جہان اس کے والدین مدت کے بچھڑے ہوے عزیز بیٹے کے شوق مین بیتاب رہتے ہین۔ رخصت ہوتے وقت اُستاد شاگرد کو ان پرشوکت الفاظ مین مخاطب کرتا ہے۔

"سچ بول پاکیزہ زندگی بسر کر۔ شاستر کے مطالعہ سے غافل نہ رہ۔ سلسلۂ اولاد کو ترک نہ کر۔ قوم کی تربیت سے غافل نہ رہ۔ بجز نیکی اور کوئی راستہ اختیار نہ کر نام و نمود کے لیے فضول کوشش نہ کر ایسے کامون سے احتراز نہ کر جن سے علما اور تیرے بزرگون کو فائدہ پہونچے اپنے والدین کو عزت کی نگاہ سے دیکھ۔ معزز مہانون کی خاطر و ضیافت کر۔ اچھے کامون کے علاوہ اور کوئی کام نہ کر ہمارے محض ان افعال کی تقلید کر جو حقیقت مین اچھے ہون۔ اور اُن کو چھوڑ دے جو قابل اعتراض معلوم ہون۔ محض علما اور پاکیزہ نفس کی صحبت مین بیٹھ اور ان پر یقین رکھ۔ خیرات کر۔ اگر تیرے داغ مین شکوک پیدا ہون تو ان لوگون کا طرز عمل اختیار کر جو انصاف پرست اور پاکیزہ اخلاق ہین۔ یہ میرا حکم ہے۔ یہ میری نصیحت ہے۔ یہی دید کی تعلیم کا حقیقی راز ہے"

یہی قدیم ہندوستان کا کانوکیشن ایڈرس تھا"

قدیم تعلیم کے تمام اصول اب آپ کے پیش نظر ہین آپ خود فیصلہ کر سکتے ہین کہ یہ زرین اصول انسانی زندگی کے لیے کہانتک ضروری اور کارآمد ثابت ہو سکتے ہین۔ کیا ہمارے جدید اساتذہ کا فرض محض اس قدر ہے کہ وہ طلبہ کے دماغ کو علوم و فنون سے بھر دین؟ تربیت اخلاق۔ حفظان صحت کے اہم فرائض کس کے سپرد کیے جائین؟"

سُلطان مُعزالدین کیقباد بن ناصرالدین بغراخان

بلبن کی وفات کے بعد وزرا و امرا نے بجائے کیخسرو کے کیقباد کو تخت پر بٹھایا اور بقول ابن بطوطہ وزیر سلطنت نظام الدین کیخسرو کا دشمن تھا۔ اس نے ایک جعلی محضر جس میں کل امرائے سلطنت کے دستخط تھے کیخسرو کو دکھا کے کہا سب لوگ کیقباد کی بیعت کرنے کا ارادہ ہیں۔ کیخسرو نے چارہ کار پوچھا تو کہا آپ سندھ میں بھاگ جائیے۔ اُس نے کہا کہ سب پھاٹک بند ہیں اور تمام امرا میرے دشمن ہیں بھاگ کر کیسے جان بچا سکتا ہوں؟ نظام الدین نے جواب دیا آپ تشریف لے چلیں پھاٹک کی کنجیاں میرے پاس ہیں۔ میں اسی وقت آپ کو بہ حفاظت تمام شہر کے باہر کردوں گا۔ کیخسرو نے شکریہ ادا کیا اور فوراً ایک تیز دم گھوڑے پر سوار ہو کر سندھ کا راستہ لیا۔ اس کے بعد نظام الدین معزالدین کے پاس آیا۔ کیخسرو کو اس طرح فریب دیکر دہلی سے نکال دینے کا حال بیان کیا۔ اور امرا کو بھی اس کی خبر کی۔ سب نے متفق ہو کر کیقباد کی بیعت کی۔ کیقباد کا چونکہ عنفوان شباب تھا تخت پر بیٹھتے ہی عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا۔ جمنا کے کنارے ایک عالی شان کو شک اور جنت کا سا خوش فضا باغ طیار کرا کے اس کو خوبرو و نازک اندام پری جمالوں کا مسکن بنایا اور نظام الدین کو وزیر مقرر کر کے کل اختیارات اس کے ہاتھ میں دے دیے۔ بادشاہ کو غافل دیکھ کر نظام الدین کے دل میں تاج و تخت کی ہوس ہوئی۔ لہٰذا تمام مقربان سلطنت اور امرائے کبار کو جو اُس کی راہ میں حائل تھے معمولی الزام دے دیکر خود بادشاہ کے ہاتھ سے قتل کرا دیا۔ اسی اثنا میں مغلوں نے لاہور کے مضافات پر حملہ کیا اور شکست پائی۔ کیقباد کی ہمراہی میں ایک مغلوں کی فوج نوکر تھی وہ نظام الدین کے خلاف تھی۔ لہٰذا اس موقع پر نظام الدین نے یہ ظاہر کر کے کہ یہ لوگ دشمن مغلوں سے ملے ہوئے ہیں اور باہم خط و کتابت رکھتے ہیں سب کو تہ تیغ کرا دیا۔ ان معاملات کی خبریں بغراخان کو پہونچیں تو اس نے کیقباد کو بہت سے نصیحت آمیز خطوط بھیجے۔ اور جب ان کا کوئی نتیجہ نہ ہوا تو خود فوج لے کر دہلی کی طرف چلا۔ شاہی فوج بھی مقابلہ کو طیار ہوئی۔ اور دریائے گنگا کے کنارے پہونچ کر بغراخان کے سامنے صف آرا ہو گئی۔ بغراخان نے تین روز تک برابر مصالحت آمیز خطوط لکھے اور اِن میں بیٹے سے ملنے کا بھی ارادہ ظاہر

کیا۔ مگر نظام الدین نے کوئی بات منظور نہ ہونے دی۔ آخر چوتھے روز عاجز آکر بغراخان نے کیقباد کو اپنے قلم سے اس مضمون کا خط لکھا کہ "اے فرزند مجھے تیرے دیکھنے کا بیحد اشتیاق ہے۔ اور اب زیادہ صبر کی تاب نہین ہے۔ اپنی صورت حضرت یوسف علیہ السلام کے مانند دکھا کر میرے بے نور دیدے کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھون کیطرح منور کر مین تیری بادشاہی اور عیش و عشرت مین رخنہ انداز نہ ہون گا۔ اور آخر مین یہ شعر لکھا۔

گرچہ فردوس مقامی خوش ست ہیچ بہ از لذت دیدار نیست

اس خط کا کیقباد پر بڑا اثر ہوا۔ اور چاہا کہ تنہا باپ کی خدمت مین حاضر ہو کر ملاقات سے شرفیاب ہو مگر نظام الدین مانع ہوا اور اسوا اس بات پر آمادہ کیا کہ خود بغراخان شاہی خدم و حشم کا لحاظ رکھکے بادشاہ کے سامنے ملاقات کو حاضر ہو۔ بغراخان نے کمال دور اندیشی سے اس بات کو مان لیا۔ اور دربار مین اپنے بیٹے کے سامنے دست بستہ حاضر ہوا۔ تین مرتبہ حسب دستور زمین بوس ہوا۔ مگر اپنی ذلیل حالت اور کیقباد کے تکبر کو دیکھ کے جس پر باپ کی اس حالت کا کچھ اثر نہوا تھا۔ بغراخان کی آنکھون سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ یہ دیکھ کر کیقباد سے بھی ضبط نہو سکا تخت سے نیچے اتر کے دوڑا اور باپ کے قدمون پر گر پڑا۔ باپ نے اٹھا کر گلے سے لگایا۔ اور دونون ملکر بہت دیر تک روتے رہے۔ اور تمام اہل دربار نے بھی اس رونے مین ساتھ دیا۔ اب کیقباد نے باپ کو تخت پر بٹھایا۔ اور سامنے ادب و تعظیم کے ساتھ کھڑا ہوا۔ اور بہت سی دولت باپ پر سے نچھاور کی۔ یہ صحبت عیش و نشاط چند روز تک گرم رہی جس کا مفصل حال حضرت امیر خسرو نے مثنوی قران السعدین مین نظم کیا ہے۔ اب بغراخان نے رخصت ہونے کا ارادہ کیا۔ اور چلتے وقت بیٹے کو بہت سی نصیحتین کین۔ اور آخر مین گلے سے لگا کر کان مین کہا کہ جہان تک جلد ممکن ہو نظام الدین کی فکر کرو۔ ورنہ ایک لمحہ کا بھی اسے موقع مل گیا تو تیرا قلع قمع کر دے گا۔" یہ کہہ کے روتا ہوا رخصت ہوا اور اس روز نہ کھانا کھایا اور نہ پانی پیا۔ اور اپنے خیمے مین پہونچ کر کہا کہ آج کے دن مین نے اپنے لخت جگر کیقباد اور مملکت دہلی کو آخری بار رخصت کیا ہے۔" کیقباد باپ سے رخصت ہو کر اودھ کا دورہ کرتا ہوا

دہلی واپس آیا اور چند روز باپ کی نصیحتوں پر عمل کرنے پایا تھا کہ ایک پری زاد کے
عشق میں دیوانہ ہو گیا اور اُس کے سامنے یہ شعر پڑھا ؎

شب زمی توبہ کنم از بیم ناز شاہدان　　　بامداد آن روئے ساقی باز در کار آورد

اُس مہ جبین نے بادشاہ کے منہ سے یہ شعر سنتے ہی جواب میں یہ شعر پڑھا ؎

غمزۂ زاہد فریبم عابد صد سالہ را　　　موئے پیشانی گرفتہ سوئے خمار آورد

اور جام کو شراب سے بھر کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے بفحوائے "گر یار
مے پلائے تو پھر کیوں نہ پیجیے" جام ہاتھ میں لے کر بے تکلف پی لیا۔ اور اس
گھڑی سے پھر وہی رنگ رلیوں کا نقشہ جم گیا۔ اور تھوڑے دنوں بعد شراب
اور عیاشی کی کثرت سے بہت ہی نحیف و لاغر ہو گیا۔ اس وقت اپنی کمزوری
دیکھ کر اُسے باپ کی نصیحت یاد آئی تو نظام الدین کو زہر دلوا کے اُس کا کام
تمام کر دیا اور اُس کی خدمت پر ملک جلال الدین فیروز کو جو سمانا کا نائب تھا۔
شائستہ خان کا خطاب دے کر ممتاز کیا۔ مگر صحت میں گھن لگ گیا تھا۔ کمزوری
بڑھتی گئی یہاں تک کہ لقوہ و فالج میں مبتلا ہو کر صاحب فراش ہو گیا
بادشاہ کی ناکارگی سے ملک میں بدنظمی ہوئی تو امرا نے چاہا کہ خود ہی
بادشاہ بن کر حکمرانی کریں۔ ترکوں کے ایک گروہ نے یہ حال دیکھا تو کیقباد
کے سہ سالہ پسر کیومرث کو حرم سے نکال کر شمس الدین کا خطاب دیا اور تخت پر
بٹھایا۔ جلال الدین فیروز نے اس سے اختلاف کر کے اکثر امرا اور تمام خلجیوں
کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔ اور ترکوں کی قوت توڑ دی۔ اہل شہر نے شمس الدین
کی حمایت کرنا چاہی تو فخر الدین کوتوال نے سمجھا بجھا کے انہیں بھی خلاف سے روک
دیا۔ اب جلال الدین نے شہر میں داخل ہو کر اُن ترک بچوں کو جن کے باپوں
کو کیقباد نے مار ڈالا تھا قید سے آزاد کر کے قصر کیلوکھری میں بھیجا۔ کیقباد وہاں
کملوں میں لپٹا پڑا تھا۔ ان لوگوں نے لاتیں اور ٹھونسے مار مار کے اسے شہید
کیا اور لاش دریائے جمنا میں پھینکوا دی۔ یہ واقعہ آخر ۶۸۷ھ کا ہے۔ مگر بعض
مورخین ۶۸۹ھ بتاتے ہیں۔ یہ بادشاہ دو سال اور چند ماہ تخت نشین رہا۔
اس کی یادگار قلعہ کیلوکھری یا قصر معزی تھا جس کی شان میں امیر خسرو

نے مثنوی قران السعدین مین لکھا ہے ؎

قصر نگویم کہ بہشتی فراخ | روفتہ طوبیٰ در او رایہ شاخ

مگر زمانے کے دستبرد سے اب اس قصر کا کہین نشان نہین ہے۔ اس بادشاہ کے سکے مین ایک طرف "السلطان الاعظم معز الدنیا والدین ابوالمظفر کیقباد" اور دوسری جانب الامام المستعصم امیر المومنین ہذا الفضۃ حضرۃ دہلی" لکھا ہوا تھا۔

قطعات تہنیت

جشن سالگرہ مبارک سلطان العلوم اعلیٰحضرت خسرو دکن

از

نواب فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیل مد ظلہ

گرہ کے جشن نے پھر رنگ بوستان بدلا | گلون نے جامہ عنادل نے آشیان بدلا
نصیب شاہ مین ایسی حیات ہے جس سے | خضر نے سلسلۂ عمر جاودان بدلا

عروس سالگرہ کیسی جلوہ ریز ہے آج | نسیم صبح طرب کیسی مشک بیز ہے آج
نواے ساز کا کیا ذکر بزم شاہی مین | یہان جو تار نفس ہے وہ نغمہ خیز ہے آج

دن آج وہ ہے جسپہ سعادت کو ناز ہے | جشن آج وہ ہے جسپہ مسرت کو ناز ہے
معراج مصطفےٰ یہ ہے ماہ رجب کو ناز | ماہ رجب پہ شہ کی ولادت کو ناز ہے

عثمان مین پانچ حرف ہین جو آشکار ہین | نقطے ہین چار جو گہر شاہوار ہین
اس سے کھلا یہ راز کہ حامی حضور کے | روز ازل پنجتن و چار یار ہین

ماخوذ از نظام گزٹ

انگلستان کی عورتین

از مولانا شرر مرحوم

جگہ ہوتی ہے اور اس روز خلاف معمول آدمی بھی کچھ زیادہ ہو گئے تھے۔ بہرحال ۲۷ آدمی تھے جن مین دس سے زیادہ عورتین تھین جو لوگ پہلے سے آچکے تھے بیٹھے تھے جن مین مین بھی تھا اور جو لوگ بعد آئے اندر گھسے کھڑے تھے اور کسی طرح یہ مسئلہ طے نہین ہوتا تھا کہ کہان بیٹھین اتنے مین ایک صاحب نے کھڑے ہو کے ایک باضابطہ طریقہ سے تحریک کی کہ لیڈیان جنٹلمینون کی گود مین بیٹھ جائین۔ لیڈیون کی طرف سے یہ تحریک شکریہ کے ساتھ منظور کی گئی۔ اور ایک موٹی سی میم صاحب بلاتکلف میری گود مین آبیٹھین۔ اور تھوڑی دیر کے بعد جب گاڑی چل چکی تو پھر کے کہنے لگین مجھے افسوس ہے کہ مین آپ کو بھاری معلوم ہوتی ہون گی۔ اب یہ ایک ایسی چیز ہے کہ آپ کے نزدیک انتہا سے زیادہ حیرت مین ڈالنے والی ہو گی۔ مگر اصل یہ ہے کہ وہ وہان اپنے ملک مین شب و روز مردون سے ملتی جلتی ہین۔ اور یہ ایک بالکل معمولی بات ہو گئی ہے۔ لہذا ہر کسی سے ملتے وقت نہ اُن کے دل مین برائی کا خیال ہوتا ہے۔ اور نہ ہر ملنے والے مرد مین۔ اور جن لوگون سے اور قسم کے تعلقات ہوتے ہین اُن سے اُن کا برتاؤ بھی کچھ اور ہی قسم کا ہوتا ہے۔ ہمارے ہم وطنون کو ان امور کے اندازہ کرنے مین اکثر غلطی ہو جاتی ہے۔ اور اسی غلطی کی وجہ سے بعض ہندوستانیون نے بدگمانی کا دائرہ یہان تک وسیع کر دیا کہ محض اس خیال پر کہ عورتین اخلاق اور خندہ جبینی سے ملتی ہین ہر عورت کو بدکار سمجھ لیا۔ مگر یہ بدگمانی بالکل بیجا ہے اور چونکہ اس سے ایک پاک دامن کی عزت پر حملہ ہے لہذا مین کہتا ہون کہ بہت بڑا گناہ ہے وہان کے مذاق اور خیال مین جب تک عورت کی عفت مین فرق نہ آئے اُس کو کسی بات پر الزام نہین دیا جا سکتا جو جو باتین ایک شادی کی خواہش کرنے والا یا انگریزون کی اصطلاح مین کورٹ کرنے والا کر سکتا ہے اُن مین کوئی مضائقہ نہین سمجھا جاتا۔ اور ہندوستان کا مذاق یہ ہے کہ ہاتھ لگانا اور کنار اگر کوئی عورت جان بوجھ کے نامحرم کو اپنی صورت ہی دکھلا دے تو بھی اُس کی نسبت بے آبروئی کا خیال قائم ہو جاتا ہے۔ اور دونون جگہ کی معاشرت ایسی بدلی ہوئی ہے کہ دونون خیالات اپنے اپنے حد پر ٹھیک نہین مگر یہ بہت بڑی غلطی ہے بلکہ مین کہتا ہون ظلم ہے کہ وہان کی عورتون کی عصمت و عفت کا اندازہ آپ اپنی معاشرت کے اصول سے کرین۔ وہان کی تعریف

اور پاکدامن عورتون کی نسبت باوجود بہت غور سے دیکھنے اور تجسس کرنے کے مجھے کبھی بدگمانی کا موقع نہین ملا۔

ہمارے بعض دوست اور ہموطن جو انگلستان سے آئے وہ عموماً وہان کی عورتون پر بدگمانی کرتے ہین مگر مجھے یقین ہے کہ اُن سے بہت بڑی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اور یہ غلط فہمی ہر اُس شخص سے ہو جاتی ہے جو لندن کو جا کے محض اوپر کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس مین شک نہین کہ وہان کی سڑکین ایک خاص وجہ سے انتہا درجہ کی ناپاک ہو رہی ہین جس کا الزام زیادہ تر وہان کے قانون پر ہے۔ مین نے بعض انگریزون کو یہ کہتے اور دعویٰ کرتے سنا کہ ہماری قوم مین کوئی بازاری اور فاحشہ عورت نہین ہے۔ مین خیال کرتا ہون کہ شاید اسی غرور کے قائم رکھنے کے لیے وہان قانوناً اس کی ممانعت کر دی گئی ہے کہ کوئی مکان بدکاری کے لیے کرایہ پر نہ دیا جائے جس کا منشا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان اپنی سرزمین کو بدکاری سے پاک کرنا چاہتا ہے۔ لیکن ہر ذی ہوش سمجھ سکتا ہے کہ ایسے خلاف فطرت انسانی قوانین سے بدکاری کا سدباب نہین ہو سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہی بازاری عورتین جو تمام شہرون کی طرح مکان کرایہ پر لے کر علانیہ رہتین مخفی طور پر ہر محلہ اور ہر شہر کے ہر حصہ مین شریف عورتون کی طرح رہنے لگین۔ اپنی بدکاری کا میدان اُنھون نے سڑکون اور باغون کو قرار دے لیا ہے۔ اسی قسم کی ساٹھ یا ستر ہزار عورتین ہر وقت اور علی الخصوص تفریح و تفرج کے اوقات مین لندن کی سڑکون پر پھیلی رہتی ہین۔ جو گلی کوچون مین دست فروشون کی طرح اپنی عصمت بیچتی پھرتی ہین۔ یہ کبھی اتفاقاً کسی کو دوست یا ملاقاتی کی حیثیت سے اپنے گھرون مین لے جاتی ہین۔ ورنہ عموماً ان کی بدکاریون کے دنگل وہان کے تمام میوزک ہال جو ایک قسم کے تھیٹر ہین تمام ہوٹل اور تمام باغ رہا کرتے ہین۔ یہ عورتین کہان سے آتی ہین۔ اور کون ہین۔ اس کا حال آپ کو میرے اوپر کے بیان سے معلوم ہو چکا ہو گا کہ وہی شریف لڑکیان ہین جن کو شادی کا لالچ دلا کے بعض بدمعاشون نے خراب کیا۔ سوسائٹی نے چھوڑ دیا اور شرفا نے دستگیری سے بے پروائی کی۔ یہ اپنی اولاد کو اس ذلت سے بچانے کی کوشش کرتی

ہین اور خوب جانتی ہین کہ اُن سے زیادہ ذلیل کوئی نہین۔ یہ خود اپنے پیشہ کو چھوڑنا چاہتی ہین مگر پیٹ انہین چھوڑنے دیتا۔ یہ عورتین وہان کی اصطلاح مین اسٹرینٹ واکر کہلاتی ہین۔ یعنی سڑکون پہ پھرنے والی۔ یہ اپنی زندگی سے اس قدر عاجز ہین کہ اگر وہان کے قانون کی رو سے گداگیری جائز ہو جائے تو بے تکلف بھیک مانگنے لگین اور اس لعنتی کے طوق کو گلے سے اتار کے پھینک دین۔ بلکہ اب بھی اکثر پولیس مین کی آنکھ بچاکے راہگیرون کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتی ہین۔ اور مین خیال کرتا ہون کہ خودکشی کے واقعات بھی انھین مین زیادہ پیش آتے ہین۔ یہی وہ گروہ ہے جس کے لیے رینلڈ اور اُس کے ہم خیال ناول نویسون نے بہت کچھ سرارا اور انھین کی وکالت مین آج بھی وہان کے وہ آزاد مشرب لوگ جو نوع انسان کو بلا استثنا و امتیاز ایک ہی اسٹیج پہ لانا چاہتے ہین زور دے دے کے غل مچا رہے ہین کہ ان پہ لعنت نہ کرو۔ ان کو دروازہ پہ سے نہ دھتکارو۔ بلکہ اِن پہ ترس کھاؤ۔

الغرض اس طبقہ کی عورتین وہان کی سڑکون اور باغون مین ہر وقت اس قدر پھیلی رہتی ہین کہ ہر نئے جانے والے کو سب سے پہلے انھین سے سابقہ پڑتا ہے۔ وہ خود اپنی طرف متوجہ کرلیتی ہین۔ اور چونکہ وضع و لباس مین ان مین اور شریف زادیون مین کوئی فرق نہین۔ لہذا ایک معمولی نظر سے دیکھنے والے کا یہ خیال قائم ہو جاتا ہے کہ ساری عورتین آوارہ ہین۔ مگر ہرگز ایسا نہین ہے۔ اور میرے دل پہ نقش ہے کہ وہان کی شریف زادیان ویسی ہی پاکدامن و پارسا ہین جیسی آپ کے یہان ہوتی ہین۔ اور جیسا کہ ایک پارسا عورت کو آپ کے خیال مین ہونا چاہیے۔

مین سمجھتا ہون کہ مین نے آپ کی بہت سمع خراشی کی اور بہت وقت لیا۔ لیکن خوش اور مطمئن ہون کہ لندن اور اُس کی عورتون کی جو اجمالی تصویر مین نے آپ کو دکھائی ہے اس کو آپ جہان تک تحقیقات سے کام لین گے زیادہ صحیح اور مطابق اصل پائین گے اب مین آپ کی توجہ اور زحمت فرمائی کا شکریہ ادا کرکے رخصت ہوتا ہون۔

ضروری اطلاع

قدردانان دلگداز! دلگداز کا یہ سال ختم ہو گیا۔ اور سال بھر کے بارہ پرچے آپ کی

خدمت مین پہونچ گئے۔ سالہا سال کے قاعدہ کے موافق ۱۹۲۶ء کا چندہ دلگداز کوئی نیا
ناول بھیجکر وصول کرنا چاہیے تھا۔ مگر مولانا شرر مرحوم کے اُٹھ جانے سے دنیائے ادب
کو جو نقصان پہونچے اُنمین سے ایک یہ بھی ہے کہ جو ناول اس سال بطور ہدیہ تقسیم کرنے
کے واسطے لکھوایا گیا تھا وہ مولانا مرحوم کے ان ناولون کے دیکھتے ہوے جو گذشتہ
سالون مین دیے جا چکے مین کسی طرح اس قابل نہین ہے کہ خریداران دلگداز کیخدمت
مین پیش کیا جا سکے۔ یہ خرابی دیکھ کر مین نے خود ایک ناول لکھنا شروع کیا ہے مگر دیگر ضرورتون
مین مصروف ہونے کی وجہ سے اس کے جلد طیار ہونے کی امید نہین! ور جب تک وہ طیار
ہو کر چھپے گا ۱۹۲۶ء کا نصف سے زائد حصہ گذر جائے گا۔ لہذا ۱۹۲۶ء کا چندہ
دلگداز وصول کرنے کے واسطے مسلمان تاجداران ہند حصۂ اول و حصۂ دوم جو حال
ہی مین دلگداز پریس سے شائع ہوے ہین۔ اور جس مین خلافت راشدہ سے لیکر سلطان
تیمور کے حملے تک ہندوستان کے مفصل واقعات نہایت سادہ زبان مین مختصر طور پر
لکھے گئے ہین۔ اور تقریبًا دو سو صفحون پر ختم ہوے ہین۔ کا وی پی گذشتہ سالون
کے مطابق مارچ ۱۹۲۶ء مین خریداران دلگداز کی خدمت روانہ ہوگا۔
یہ وی پی محصول ڈاک وفیس رجسٹری ملاکر ۱۲؍ کا ہوگا خریداران دلگداز نوٹ
کرلین۔ اور اس درمیان مین اگر کہین باہر جانا چاہین تو ملازمان کو اس کے وصول
کرنے کی ہدایت کرنے جائین تاکہ وی پی واپس نہ ہو۔
آخر مین یہ بھی گذارش ہے کہ جو صاحب آیندہ سال خریدار نہ رہنا
چاہین وہ بذریعہ ایک کارڈ کے یہ پرچہ پہونچتے ہی ہمین اطلاع دے دین
تاکہ آن کی خدمت مین وی۔ پی نہ روانہ کیا جائے

خاکسار محمد صدیق حسن۔ ایڈیٹر دلگداز
کٹرہ بزن بیگ خان۔
لکھنو۔